MAIS411CCT

اسلام اور جدید رجحانات

(Islam and Modern Trends)

ایم۔اے۔(اسلامک اسٹڈیز)

(چوتھا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

© **Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad**

Course: Islam and Modern Trends
ISBN: 978-93-95203-88-3
First Edition: November, 2024

Publisher	:	Registrar, Maulana Azad National Urdu University
Publication	:	2024
Copies	:	800
Price	:	228/-(The price of the book is included in admission fees of distance mode students)
Copy Editing	:	Dr. Mohammad Haziq, DDE, MANUU, Hyderabad
Cover Designing	:	Dr. Mohd Akmal Khan, DDE, MANUU, Hyderabad
Printer	:	Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

Masters in Islamic Studies
Islam and Modern Trends
4th Semester

On behalf of the Registrar, Published by:
Directorate of Distance Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

© *All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)*

Editors	ایڈیٹرس
Prof. Syed Alim Ashraf Head Dept. of Arabic, MANUU, Hyderabad	پروفیسر سید علیم اشرف صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Language Editors	لینگویج ایڈیٹرس
Dr. Mohammad Haziq *Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، ڈی ڈی ای، مانو
Dr. Mohd. Akmal Khan *Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Urdu, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد اکمل خان اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اردو، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

Editorial Board	مجلس ادارت
Prof. Abdul Ali *Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh*	پروفیسر عبدالعلی سابق صدر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Prof. S. M. Azizuddin Husain *Former Head, Dept. of History & Culture JMI, New Delhi*	پروفیسر ایس۔ ایم۔ عزیزالدین حسین سابق صدر، شعبہ تاریخ و ثقافت، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohammad Ishaque *Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi*	پروفیسر محمد اسحاق پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی
Prof. Mohd. Fahim Akhter *Dept. of Islamic Studies, MANUU*	پروفیسر محمد فہیم اختر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
Prof. Ghazanfar Ali Khan *Prof., of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU*	پروفیسر غضنفر علی خان پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو
Dr. Abdul Majeed Qadeer Khwaja *Asst. Prof., Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر عبدالمجید قدیر خواجہ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Mohammad Haziq *Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر محمد حاذق اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو
Dr. Syyeda Amina *Assistant Professor (Contractual)/ Guest Faculty, Islamic Studies, DDE, MANUU*	ڈاکٹر سیدہ آمنہ اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول)/گیسٹ فیکلٹی، اسلامک اسٹڈیز، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو

کورس کوآرڈی نیٹر

پروفیسر سید علیم اشرف

صدر شعبہ عربی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
ڈاکٹر محمد ارشد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی	1،3،10،15
ڈاکٹر محمد حاذق، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) / گیسٹ فیکلٹی، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد	2،6،7،13
ڈاکٹر محمد عبدالباری، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ	4،5
پروفیسر اختر الواسع، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی	8،9
پروفیسر غضنفر علی خان، پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، کشمیر کیمپس، مانو	11،15
ڈاکٹر جمشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی	12،16

نوٹ: زیر نظر کتاب علمی مواد (Study Material) مختلف مصنفین نے لکھا ہے اور اس سے کوآرڈی نیٹر و ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس:

اول : ڈاکٹر محمد حاذق

دوم : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9

بلاک 1 :عالم اسلام کی تحریکات

اکائی 1	عالم اسلام کی تحریکات: وہابی تحریک، سنوسی تحریک	11
اکائی 2	عالم اسلام کی تحریکات: مہدوی تحریک (سوڈان)، تیجانیہ تحریک	26
اکائی 3	عالم اسلام کی تحریکات: نہضۃ العلماء، نورسی تحریک	44
اکائی 4	عالم اسلام کی تحریک: الاخوان المسلمون (حصہ اول)	64
اکائی 5	عالم اسلام کی تحریک: الاخوان المسلمون (حصہ دوم)	76

بلاک 2 :عالم اسلام کی شخصیات

اکائی 6	عالم اسلام کی شخصیات: جمال الدین افغانی	76
اکائی 7	عالم اسلام کی شخصیات: محمد عبدہ، رشید رضا	91
اکائی 8	عالم اسلام کی شخصیات: شکیب ارسلان، علی شریعتی	91
اکائی 9	عالم اسلام کی شخصیات: آیت اللہ خمینی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ	89

بلاک 3 :مغرب میں مسلم ادارے

اکائی 10	مغرب میں مسلم ادارے: نیشن آف اسلام۔ICNA۔IIIT	134

اکائی 11	مغرب میں مسلم ادارے: دی اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر۔ ورلڈ اسلامک مشن	152
اکائی 12	مغرب میں مسلم ادارے: یوروپین افتاء کونسل اور دیگر ادارے	166
بلاک 4 : عالم اسلام کے چند ادارے		
اکائی 13	عالم اسلام کے چند ادارہ: رابطہ عالم اسلامی	181
اکائی 14	عالم اسلام کے چند ادارہ: ادارہ تحقیقات اسلامی	197
اکائی 15	عالم اسلام کے چند ادارے: آرگنائزیشن آف اسلامک کوآپریشن اور ایسیسکو	214
اکائی 16	عالم اسلام کے بعض دیگر ادارے: ایک جائزہ	229
	نمونہ امتحانی پرچہ	265

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اُردو قاری اور اُردو سماج دورِ حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ چیلنجز ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیرِ بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ یونیورسٹی کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرینِ علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہماری یونیورسٹی اپنی تاسیس کی 25ویں سالگرہ منا رہی ہے، مجھے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ یونیورسٹی کا نظامتِ فاصلاتی تعلیم از سرِ نو اپنی کارکردگی کے نئے سنگِ میل کی طرف رواں دواں ہے اور نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی جانب سے کتابوں کی اشاعت اور ترویج میں بھی تیزی پیدا ہوئی ہے۔ نیز ملک کے کونے کونے میں موجود تشنگانِ علم فاصلاتی تعلیم کے مختلف پروگراموں سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ گرچہ گزشتہ دو برسوں کے دوران کووڈ کی تباہ کن صورتِ حال کے باعث انتظامی امور اور ترسیل و ابلاغ کے مراحل بھی کافی دشوار کن رہے تاہم یونیورسٹی نے اپنی حتی المقدور کوششوں کو بروئے کار لاتے ہوئے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے پروگراموں کو کامیابی کے ساتھ روبہ عمل کیا ہے۔ میں یونیورسٹی سے وابستہ تمام طلبا کو یونیورسٹی سے جڑنے کے لیے صمیمِ قلب کے ساتھ مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس یقین کا اظہار کرتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی کو پورا کرنے کے لیے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا تعلیمی مشن ہر لحہ ان کے لیے راستے ہموار کرے گا۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی طریقۂ تعلیم کو پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر فاصلاتی طرز تعلیم کو متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم سے ہوا اور 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم (Regular Courses) کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔

ملک میں تعلیمی نظام کو بہتر انداز سے جاری رکھنے میں یو جی سی کا مرکزی کردار رہا ہے۔ فاصلاتی تعلیم (ODL) کے تحت جاری مختلف پروگرام UGC-DEB سے منظور شدہ ہیں۔ UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کر کے فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ (Dual Mode University) ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق Credit Based Credit System (CBCS) نظام متعارف کرایا گیا اور خود اکتسابی مواد (Self Learning Material) از سرِ نو، جس میں یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کیا گیا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ سترہ (17) کورسز چلا رہا ہے۔ ساتھ ہی تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جا رہے ہیں۔ متعلمین کی سہولت کے لیے ملک کے مختلف حصوں میں 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 6 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک موجود ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑہ میں ایک ایکسٹنشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 160 سے زیادہ متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) نیز 20 پروگرام سنٹرس (Programme Centres) کام کر رہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جا رہی ہیں، نیز آڈیو۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ای میل اور وہاٹس ایپ گروپ کی سہولت فراہم کی گئی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ پچھلے دو سال سے ریگولر کاؤنسلنگ کے علاوہ ایڈیشنل رمیڈیل آن لائن کاؤنسلنگ مہیا کی جا رہی ہے تاکہ طلبا کے تعلیمی معیار کو بلند کیا جا سکے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو عصری تعلیم کے مرکزی دھارے سے جوڑنے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔ آنے والے دنوں میں تعلیمی ضروریات کے پیشِ نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت مختلف کورسز میں تبدیلیاں کی جائیں گی اور امید ہے کہ یہ فاصلاتی نظام کو زیادہ مؤثر و کارگر بنانے میں مددگار ثابت ہوگی۔

پروفیسر محمد رضااللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے ذریعہ استفادہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے تین سالہ (چھ سمسٹرز) کورس اور ایم اے کے دو سالہ (چار سمسٹرز) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات یونیورسٹی کو حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام ہی موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ کئی مقامات پر کم یا زیادہ اضافہ بھی مطلوب تھا۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق بنایا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم ایم اے کے کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کر رہے ہیں۔ چوتھے سمسٹر کے اس پرچہ کا عنوان "اسلام اور جدید رجحانات" ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت ایم اے سال دوم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں، جن کو چار بلاک میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان بلاکس میں عالم اسلام کی تحریکات، عالم اسلام کی شخصیات، مغرب میں مسلم ادارے اور عالم اسلام کے چند اداروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جس میں وہابی تحریک، سنوسی تحریک اخوان المسلمون، نہضۃ العلماء اور نورسی تحریک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ شخصیات کا احاطہ کرتے ہوئے جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، آیت اللہ خمینی، ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ شخصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نیشن آف اسلام، یوروپین افتاء کونسل، فاؤنڈیشن لسٹر وغیرہ اداروں کی خدمات پر بحث کی گئی ہے، اس کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی، ادارہ تحقیقات اسلامی، آرگنائزیشن آف اسلامک کوآپریشن اور ایسسکو ان سبھی موضوعات سے متعلق مواد شامل ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف
کورس کوآرڈی نیٹر

اسلام اور جدید رجحانات

Islam and Modern Trends

اکائی 1: عالم اسلام کی تحریکات: وہابی تحریک سنوسی تحریک

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید
1.1 مقاصد
1.2 وہابی تحریک
1.2.1 پس منظر اور آغاز و ارتقاء
1.2.2 بانی تحریک
1.2.3 وہابی تحریک کی دعوت
1.2.4 محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کا اثر
1.3 سنوسی تحریک
1.3.1 پس منظر اور آغاز و ارتقاء
1.3.2 بانی تحریک: محمد بن علی سنوسی
1.3.3 تعلیمی و تبلیغی خدمات
1.3.4 سنوسی تحریک کے اثرات
1.4 اکتسابی نتائج
1.5 نمونہ امتحانی سوالات
1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
1.5.2 مختصر جوابی سوالات
1.5.3 طویل جوابی سوالات
1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

جدید مسلم دنیا کی مذہبی تحریکات اور اداروں کا مطالعہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ ان کے مطالعے سے ہمیں ان تحریکات کے اثر والے علاقوں کے مذہبی و سماجی اور اکثر سیاسی و معاشی حالات کو جاننے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اس اکائی کے تحت دو تحریکات کا مطالعہ کیا جائے گا۔ وہابی تحریک سعودی عرب اور خلیجی عرب ممالک کے سماج وسیاست میں بھی گہری جڑیں رکھتی ہے اور بظاہر مذہبی ہونے کے باوجود عرب سیاست سے اس کا گہرا تعلق روز اول سے رہا ہے۔ سنوسی تحریک ایک صوفی تحریک ہونے کے باوجود لیبیا کی آزادی اور تشکیل میں جو اہم رول ادا کیا وہ شمالی افریقہ کی تاریخ میں اہمیت کا حامل ہے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ وہابی تحریک اور سنوسی تحریک سے واقفیت حاصل کر سکیں۔ یہ تحریکات اپنے اثر و نفوذ کے اعتبار سے اہم اس لیے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں کے مسلمانوں کی مذہبی و سماجی زندگی پر گہرے نقوش ثبت کیے ہیں اور جدید مسلم دنیا میں اپنے اپنے خطوں میں ان کے پیروکاروں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اس اکائی میں ان تحریکوں کے پس منظر اور آغاز و ارتقا، بانی تحریک اور ان کی کوششوں کے متعلق آگاہی حاصل کر سکیں گے۔

1.2 وہابی تحریک

1.2.1 پس منظر اور آغاز وارتقاء

عربوں کی جدید تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ ان کی جدیدیت اور مذہبیت دونوں میں دو عناصر کا رول بہت اہم رہا ہے۔ ان میں پہلا عنصر خارجی نوعیت کا تھا یعنی مصر، جسے عرب دنیا کا دروازہ بھی کہا جاتا ہے، پر فرانسیسی حکمران نیپولین کا حملہ اور قبضہ، گو یہ قبضہ بہت ہی مختصر عرصے کے لیے رہا لیکن عرب دنیا اور خاص طور پر مصر پر اس کے اثرات بہت ہی دور رس مرتب ہوئے۔ مصر پر نیپولین کے حملے اور قبضے کے نتیجے میں عرب دنیا کے لوگ ایک نئی تہذیب اور ایک نئے تمدن سے متعارف ہوئے، انہیں نئے نئے علوم و فنون کا پتہ چلا اور وہ مغرب کی جدید ترقیات سے پہلی مرتبہ روشناس ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مصر پر نیپولین کے حملے کو جدید عرب دنیا کے آغاز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ مصر پر نیپولین کے حملے نے عرب دنیا میں جدید علوم وفنون، مغربی افکار وخیالات، یورپی تہذیب و تمدن اور نئی ترقیات کے دروازے کھول دیے اور اس طرح عرب اس حوالے سے اپنی تاریخ کے جدید دور میں داخل ہوئے۔

دوسرا عنصر جس نے جدید عرب دنیا کو سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ ایک مذہبی تحریک تھی اور یہ کہیں باہر سے درآمد نہیں کی گئی تھی بلکہ اس کے برپا ہونے کے حالات اور اسباب خود عرب دنیا کے اندر موجود تھے گویا یہ ایک اندرونی تحریک تھی۔ دنیا اسے وہابی تحریک کے

نام سے یاد کرتی ہے یعنی ایک ایسی تحریک جس کا آغاز عرب دنیا کے ایک بڑے مذہبی رہنما، مبلغ، داعی اور مصلح محمد بن عبدالوہاب کی کوششوں سے ہوا۔ محمد بن عبدالوہاب کے نام کی نسبت سے ہی یہ وہابی تحریک کہلاتی ہے۔ البتہ محمد بن عبدالوہاب کے پیروکار اسے وہابی تحریک کا نام دینا پسند نہیں کرتے۔ اس تحریک کو وہابی تحریک کا نام انگریزوں کا دیا ہوا ہے اور اسے اس تحریک کے مخالفین یا یورپی مصنفین استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر مقامات پر بھی انگریز مخالف مذہبی تحریکات کو خاص طور پر ہندوستان میں تحریک شہیدین کو بھی انگریزوں نے وہابی تحریک کا نام دے دیا حالانکہ ان کا محمد بن عبدالوہاب کی مذہبی تحریک سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس تحریک (وہابی تحریک) کے پیروکار اپنے لیے موحد یا سلف کا نام استعمال کرتے یا پسند کرتے ہیں۔ یہ سنی مسلمان ہیں اور امام احمد بن حنبل کے مسلک کی اس تشریح کے مطابق پیروی کرتے ہیں جو امام ابن تیمیہ نے کی ہے۔ اور جس کی دعوت محمد بن عبدالوہاب نے دی ہے۔ چونکہ اس تحریک کا یہی نام زیادہ رائج اور استعمال میں ہے اس لیے یہاں بھی اس کا تعارف وہابی تحریک کے نام سے ہی کرایا جارہا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کے زمانے میں، جیسا کہ ہم ان کے حالات میں پڑھیں گے، عرب دنیا کے حالات خاص طور پر نجد و حجاز کی صورت حال بہت ہی خراب تھی۔ سیاسی طور پر یہ انتشار وافتراق کا شکار تھے۔ عثمانی حکومت کا اقتدار اعلیٰ ان پر برائے نام ہی قائم تھا اور سیاسی تنظیم نام کی کوئی چیز یہاں پر نہ تھی۔ ہر قبیلے اور علاقے کا سردار اپنے آپ میں ایک حکمراں ہوا کرتا تھا، لوٹ مار اور آپسی جنگ عام تھی، امن و قانون نام کی کوئی چیز یہاں پر باقی نہ رہ گئی تھی بلکہ بعض لوگوں کے خیال میں عرب ایک بار پھر قبل از اسلام دور جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے۔ یہ زوال سیاسی زندگی میں ہی نہیں تھا بلکہ اس زمانے میں عرب دنیا کے سماجی و مذہبی حالات بھی انتہائی خراب ہو چکے تھے۔ مذہب کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے تو اسلام کی سادہ اور توحید پر مبنی تعلیمات پر رسوم و رواج اور بدعات و خرافات کی گرد اتنی موٹی پڑ گئی تھی کہ اصل اسلامی تعلیمات کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں چلتا تھا۔ عملاً بت پرستی تو نہیں ہوتی تھی لیکن رسم ورواج کے نام پر جو کچھ رائج تھا اسے بت پرستی کے شائبہ سے خالی بھی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ زیارت قبور کے نام پر قبر والوں سے ہی تمام حاجات وضروریات کے پورا ہونے کی امید کی جاتی تھی، ان پر چڑھاوے اور نذرانے چڑھائے جاتے تھے۔ درختوں تک کو تقدس اور احترام کا درجہ دے دیا گیا تھا اور ان مقامات پر جاکر طرح طرح کی رسمیں مذہب کے نام پر ادا کی جاتی تھیں۔ غرض مذہب اسلام اپنی اصل تعلیمات سے دور رسوم ورواج اور بدعات کا ایک ایسا ملغوبہ بن گیا تھا جس میں مذہب کی کچھ ظاہری چیزیں تو ضرور باقی تھیں لیکن ان میں سے اس کی روح نکال دی گئی تھی۔

1.2.2 بانی تحریک

وہابی تحریک کے بانی محمد بن عبدالوہاب 1703ء میں جزیرہ نمائے عرب کے مرکزی علاقے نجد کے ایک گاؤں عیینہ میں پیدا ہوائے۔ ان کا تعلق قبیلہ بنوسنان سے تھا جو بنو تمیم کی ایک شاخ ہے۔ ان کا خاندان مذہبی علماء کا خاندان تھا اور عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ عیینہ میں ہی محمد بن عبدالوہاب نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے مکہ اور مدینہ کا سفر کیا۔ مدینہ میں اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے بعد محمد بن عبدالوہاب نے عرب، عراق اور ایران کے علاقوں کا دورہ کیا تاکہ وہ اپنے اردگرد کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔ اس کے بعد انہوں نے عیینہ سے ہی اپنی دعوت اصلاح کا آغاز کیا اور خاص طور پر پختہ قبروں پر ادا کی جانے والی رسوم اور بدعات کو

انہوں نے نشانہ بنایا البتہ انہیں عیینہ میں زیادہ کامیابی نہیں ملی اور انہیں یہ جگہ چھوڑنی پڑی۔

عیینہ چھوڑنے کے بعد محمد بن عبد الوہاب درعیہ آ گئے جہاں اس کے امیر محمد بن سعود نے ان کا خیر مقدم کیا اور بہت جلد درعیہ کی پوری آبادی ان کی ہم خیال اور ان کی کوششوں میں معاون بن گئی۔ اس طرح درعیہ میں محمد بن عبد الوہاب کو سیاسی اور عوامی دونوں طرح کی حمایت حاصل ہوئی جو آئندہ ان کے دعوت و اصلاح کے پروگرام کو آگے بڑھانے میں کافی معاون ثابت ہوئی۔ ایسا لگتا ہے کہ محمد بن سعود اور محمد بن عبد الوہاب دونوں کو اپنے اپنے مقاصد اور عزائم پورا کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کی ضرورت تھی لہٰذا دونوں کے درمیان ایک طرح کا خاموش اور غیر تحریری معاہدہ ہو گیا جس کے تحت محمد بن سعود کو سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے محمد بن عبد الوہاب کے مذہبی طبقے کی حمایت کی یقین دہانی کرائی گئی، اسی طرح مذہبی معاملات میں محمد بن عبد الوہاب کو محمد بن سعود کا سیاسی و فوجی تعاون حاصل ہوا۔ یہ ایک ایسا معاہدہ تھا جس پر آل سعود (محمد بن سعود کے سیاسی ورثاء و جانشین) اور آل شیخ (محمد بن عبد الوہاب کے مذہبی ورثاء و جانشین) اس وقت سے لے کر آج تک قائم ہیں اور دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کی حدود کا خیال رکھتے ہیں۔

اس طرح محمد بن عبد الوہاب نے محمد بن سعود (اور بعد میں ان کے بیٹے عبد العزیز) کے سیاسی اقتدار میں اپنی دعوت اصلاح کا آغاز کیا اور آل سعود کے زیر اقتدار علاقوں میں اسے پھیلانے میں کامیاب رہے۔ بعد میں ان کے جانشینوں نے بھی اس کام کو جاری رکھا تا آں کہ ان کی دعوت ایک بڑی تحریک میں تبدیل ہو گئی اور جسے دنیا وہابی تحریک کے نام سے جانتی ہے۔ 1792ء میں محمد بن عبد الوہاب کا 89 برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ البتہ اپنی زندگی میں ہی وہ اپنی دعوت اور مشن کو گہری بنیادیں فراہم کرنے میں کامیاب رہے۔

1.2.3 وہابی تحریک کی دعوت

محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کا سب سے بنیادی اور اہم عنصر توحید ہے۔ انہوں نے اپنے ماحول میں یہ دیکھا اور پایا کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ توحید کی اصل حقیقت لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں دونوں میں سب سے زیادہ زور عقیدہ توحید پر دیا ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ توحید کا عقیدہ ہی ہے جو لوگوں کے اندر یہ شعور پیدا کرتا ہے کہ اس دنیا میں ان کے وجود کا مقصد کیا ہے؟ یہ عقیدہ ہی انہیں بتاتا ہے کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والی ذات اکیلی اور تنہا خدا کی ذات ہے۔ اس خدا کا کوئی بھی کام ہو، وہ کوئی بھی فیصلہ کرنا چاہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلے اور کام کو متاثر کر سکے۔ یعنی دنیا کی کوئی طاقت و قوت نہیں جو اس کے کاموں اور فیصلوں میں شریک ہو۔ انہوں نے بتایا کہ اللہ کی ذات قادر مطلق ہے وہ جس کو چاہے جب اور جتنا نوازدے اور چاہے تو کسی کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ کرے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی مخلوق میں کوئی بھی شے اس لائق نہیں ہے کہ اس کی پرستش اور پوجا کی جائے، صرف اس کی ذات ہے جس کی ہمیں عبادت کرنی چاہیے، جس کے سامنے ہمیں اپنا سر جھکانا چاہیے، جس سے کہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے پورا ہونے کی امید رکھنی چاہیے۔ کوئی دوسرا نہیں جس کے سامنے ہاتھ پھیلایا جائے۔ انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ یہی وہ تعلیم ہے جس سے قرآن مجید کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو دعوت دی کہ اللہ کے علاوہ چیزوں کی عبادت کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی بندگی میں داخل ہو جائیں۔

محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ عقائد و اعمال کی تشریح صرف اور صرف خدا کا حق ہے۔ ان کے مطابق جن عقائد کو تسلیم کرنا اور جن اعمال کو کرنا ہے، انہیں اللہ تعالی نے قرآن میں اور اپنے رسول کے ذریعہ بیان کر دیا ہے، قانون سازی صرف اور صرف خدا کا حق ہے، کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے معاملات میں مداخلت کرے یا اس کے فیصلوں میں کسی طرح کا تغیر یا تبدیلی کرے۔ ان کے مطابق عقائد کے حوالے سے متکلمین کی موشگافیاں یا قانون سازی کے حوالے سے فقہا کی رائیں ہمارے لیے آخری حجت اور دلیل نہیں بن سکتیں۔ آخری فیصلہ اللہ کی کتاب اور سنت رسول کو کرنا ہے (حالانکہ اس پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کی کس تعبیر و تشریح کو حتمی مانا جائے) اور وہی ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ ان کے مطابق ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق قرآن و سنت سے استفادہ کر سکتا ہے اور دین پر عمل بھی کر سکتا ہے۔

محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں موجود بدعات و خرافات کے خاتمے پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور اس حوالے سے کئی بار ان کا اور ان کے متبعین کا رویہ انتہا پسندانہ بھی ہو جاتا ہے۔ انہوں نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر شاندار مقبرے تعمیر کرنے کے خلاف تحریک چلائی۔ انہوں نے استعانت (مدد چاہنے) کی غرض سے قبروں کی زیارت سے منع کیا، اسی طرح انہوں نے قبروں کے اطراف کو بطور مسجد استعمال کرنے سے بھی منع کیا۔ ان کے زمانے کے نجد و حجاز میں ایسے بہت سے درخت تھے جنہیں مذہبی تقدس کا لبادہ پہنا دیا گیا تھا انہوں نے ان درختوں کو کاٹ دینے اور پختہ قبروں کو منہدم کر دینے کے لیے تحریک چلائی اور جہاں جہاں انہیں موقع ملا انہوں نے خود ان کا خاتمہ کیا۔ اسی طرح ان پر اور ان کے متبعین پر یہ الزام بھی ہے کہ انہوں نے بہت سی ان کتابوں کو جلانے کا حکم دیا جو ان کے خیال میں بدعات و خرافات کے فروغ میں معاون تھیں۔

1.2.4 محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کا اثر

محمد بن عبد الوہاب کے بارے میں ہم یہ جان چکے ہیں کہ ان کا تعلق نجد کے علاقے سے تھا اور درعیہ کے حکمراں خاندان، جو بعد میں آل سعود کے نام سے مشہور ہوا، سے انہیں ان کی تحریک کے فروغ میں بھرپور تعاون ملا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی دعوت بہت جلد نجد کے علاقے میں پھیل گئی۔ حالانکہ نجد کے اندر بھی ابتدائی دور میں انہیں مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ انہیں عیینہ چھوڑ دینا پڑا۔ البتہ درعیہ پہنچنے کے بعد محمد بن سعود کی حمایت اور سیاسی پشت پناہی نے ان کی دعوت کے لیے ان تمام علاقوں میں راستہ ہموار کر دیا جو ابن سعود کے زیر تسلط آتے گئے۔ محمد بن سعود کو اس سیاسی حمایت اور پشت پناہی کا فائدہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت کو ہر جگہ مذہبی اعتبار حاصل ہوتا گیا۔ محمد بن سعود اور محمد بن عبد الوہاب کے درمیان جو سمجھوتہ ہوا تھا، اور جس پر سعودی عرب میں آج تک عمل جاری ہے، اس کی رو سے محمد بن سعود محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کو سیاسی طاقت کے ذریعہ آگے بڑھائیں گے، ضرورت پڑنے پر وہ اس کی توسیع اور دفاع کے لیے فوجی طاقت کے استعمال سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ اس کے بدلے محمد بن عبد الوہاب نہ صرف یہ کہ ان کی حکومت کو مذہبی اعتبار عطا کریں گے بلکہ اپنی دعوت کے ذریعہ اس کی توسیع میں معاون ہوں گے۔ معاہدے کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ سیاسی اختیارات و معاملات محمد بن سعود اور

ان کے خاندان کے حوالے رہیں گے جب کہ عوام کی مذہبی اور سماجی نگرانی محمد بن عبد الوہاب اور ان کے خاندان کے لوگوں کے ہاتھ میں رہے گی۔

اس معاہدے کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت جلد محمد بن عبد الوہاب کی دعوت ان تمام علاقوں میں پھیل گئی جو آل سعود کے زیر اقتدار آتے گئے۔ یہاں تک کہ بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں جب موجودہ سعودی عرب کی تشکیل عمل میں آئی تو اس وقت بھی سرکاری طور پر محمد بن عبد الوہاب کی تحریک کی حمایت جاری رہی۔ آج سعودی عرب وہابی تحریک کے سب سے بڑے مرکز کے طور پر جانا جاتا ہے اس کے علاوہ خلیج کے دوسرے ملکوں میں بھی سعودی اثرات کے سبب وہابی تحریک کی جڑیں کافی مضبوط ہیں۔ اس تحریک کے پیروکار بڑی تعداد میں خلیجی ملکوں کے علاوہ عرب دنیا کے دیگر ملکوں شام، مصر اور عراق میں بھی موجود ہیں۔ یہی نہیں اس تحریک کی وجہ سے عرب دنیا میں مذہبی بحث و مباحثے کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور تیسری صدی ہجری کے بعد سے عربوں میں ایک طرح کا جو فکری جمود آ گیا تھا، اس تحریک نے اس فکری جمود پر پڑی برف کو پگھلانے کا بھی کام کیا۔ اس کی وجہ سے عربوں کے اندر مذہبی و فکری بے داری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی۔ اور سعودی عرب کو تیل کی فراہمی سے ہونے والی بے پناہ آمدنی کے بعد اس کی سرپرستی میں دیگر ملکوں میں بھی اس کے اثرات بڑھے ہیں، اسی طرح سعودی عرب کی جانب سے فراہم کردہ دعاۃ نے بھی وہابی تحریک کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا ہے۔

1.3 سنوسی تحریک

انیسویں صدی عیسوی میں جب کہ عالم اسلام کا زوال اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا۔ مسلمانوں کا یہ زوال صرف سیاسی نوعیت کا نہیں تھا بلکہ مسلم سماج کی مذہبیت اور روحانیت بھی زوال پزیر تھی۔ ان حالات میں مسلم دنیا میں تجدید و اصلاح کی مختلف کوششیں مختلف علاقوں میں مختلف سطحوں پر ہوئیں۔ ان میں کئی کوششیں ایسی تھیں جنھوں نے آگے چل کر ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی اور اپنے اپنے حلقوں میں دیرپا اثر کی حامل قرار پائیں۔ ان تحریکات میں ایک اہم تحریک شمالی افریقہ کی سنوسی تحریک تھی، جس کا بظاہر آغاز تو عالم عرب سے ہوا لیکن اس کا اصل دائرہ کار شمالی افریقہ کا ملک لیبیا اور خاص طور پر اس کے جنوبی صحرائی علاقے تھے جہاں اس تحریک کے لوگوں نے مسلمانوں میں تجدید و اصلاح کے کام کے ساتھ ساتھ صحرائی غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا۔ گو یہ تحریک اپنی ابتدا میں خالص مذہبی نوعیت کی تھی لیکن بہت جلد اس نے سماجی اور پھر ایک سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر لی اور لیبیا کی جدوجہد آزادی میں اپنے رہنمائوں اور کارکنوں کے کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

1.3.1 پس منظر اور آغاز و ارتقاء

شمالی افریقہ، جس میں لیبیا بھی شامل ہے، میں اسلام کی دعوت اسلام کی پہلی صدی یعنی ساتویں صدی عیسوی میں ہی پہنچ چکی تھی۔ عربوں نے اس علاقے کو صرف فتح ہی نہیں کیا بلکہ یہاں اسلام کو پھیلایا بھی جس کی وجہ سے یہ پورا علاقہ ایک طویل عرصے کے لیے عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا گہوارہ بن گیا۔ مقامی آبادی کے علاوہ بڑی تعداد میں عرب بھی جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر یہاں آکر آباد

ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس علاقے میں عربوں کی آبادی میں اضافہ بارہویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ عباسیوں کے زوال کے ساتھ ان علاقوں کا اقتدار بھی کمزور پڑتا گیا یہاں تک کہ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں عثمانیوں نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سیاسی اقتدار تو مسلمانوں کا مستحکم ہو گیا البتہ مذہبی و سماجی زوال کا سلسلہ جاری رہا اور قبائلی عوام دھیرے دھیرے مذہب سے دور ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ مذہب کے نام پر بدعات و خرافات کا چلن عام ہو گیا۔ مسلمان ہونے کے باوجود بعض قبائل میں بت پرستی عام ہو گئی تھی۔ ارکان اسلام کا لوگوں کے اندر پاس و لحاظ باقی نہ رہا تھا۔ حج کے لیے مکہ معظمہ جانے کے بجائے وہ اپنے علاقے کے بعض مشہور مقامات کی زیارت کو حج کا بدل سمجھتے تھے۔ اسی طرح بعض قبائل روزہ سے اس طرح جان چھڑا لیتے تھے کہ ان کے تیس صحت مند نوجوان ایک ہی دن روزہ رکھ چھوڑتے اور یہ سمجھ لیا جاتا کہ پورے قبیلے کی جانب سے تیس روزے پورے ہو گئے۔ اسی طرح قبائل کے درمیان لوٹ مار اور قتل و غارت گری عام تھی۔ شمالی افریقہ خاص طور پر لیبیا کے یہ حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ مذہب اسلام، جس سے کہ توحید کا چشمہ صافی پھوٹتا ہے، کو باہر سے در آنے والی خرابیوں اور برائیوں سے پاک کیا جائے اور اسلام کی خالص توحید پر مبنی تعلیمات کو لوگوں میں عام کیا جائے۔ تجدید و اصلاح کا یہ کام جس شخصیت کے حصے میں آیا وہ کوئی اور نہیں محمد بن علی سنوسی تھے جنہیں سنوسی کبیر کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

محمد بن علی سنوسی نے اصلاح احوال کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ روحانیت اور عملیت کا ایک حسین امتزاج تھا۔ انہوں نے اس پورے علاقے میں صوفی خانقاہوں کی طرز پر سنوسی زاویے تعمیر کیے۔ بظاہر روحانی مذہبی تعلیم کے یہ مراکز فی الحقیقت دعوت و اصلاح کے مراکز تھے اور ان کے ذریعہ لیبیا میں اصلاح و دعوت کا وہ عظیم کام انجام پایا کہ جس نے لیبیا کے عوام میں مذہبی بے داری کے ساتھ ساتھ سیاسی بے داری بھی پیدا کی اور ان کی قیادت میں انہوں نے مغربی استعماری طاقتوں کا خوب جم کر مقابلہ کیا اور بالآخر لیبیا کو سیاسی آزادی ملی۔ سنوسی دعوت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے افریقہ کے نیم وحشی قبائل کے اندر بھی اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام بڑے پیمانے پر کیا۔ وہ لوگ ضلالت و گمراہی کی جس تاریکی میں بھٹک رہے تھے اس سے انہیں نکال کر ایمان و یقین کی روشنی میں لے آئے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا کہ وہی لوگ جو کچھ عرصہ پہلے تک ہر طرح کی برائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور انسانیت ایسا لگتا تھا کہ جنہیں چھو کر بھی نہیں گزری ہے، اسلام کی برکت سے اور سنوسی زاویوں کی کوششوں سے نیکی اور خیر و فلاح کی طرف دعوت دینے والے بن گئے۔ وہ لوگ کہ جو علم سے بالکل ہی بے بہرہ تھے، ان میں تعلیم عام ہو گئی اور ان کے اندر با عمل علماء پیدا ہونے لگے۔ یہ سنوسی زاویوں کی کوشش اور برکت ہی تھی کہ وہ علاقہ جہاں امن و امان نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی، لوٹ مار اور چوری وڈاکہ زنی جہاں عام تھی، وہاں پر اب ہر طرف امن و امان تھا، لوگوں کے پاس کام تھا اور ہر طرف خوش حالی تھی۔

1.3.2 بانی تحریک: محمد بن علی سنوسی

سنوسی تحریک کے بانی شہرہ آفاق عالم اور مصلح محمد بن علی سنوسی ہیں، جنہیں شمالی افریقہ کے عوام اور سنوسی حلقوں میں 'سنوسی کبیر' کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ وہ الجزائر کے ساحلی شہر مستغانم کے ایک محلے الواسطیہ میں 22 دسمبر 1787ء کو پیدا ہوئے۔ ان کا گھرانہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے معروف تھا اور شجرہ نسب مراکش کی ادریسی حکومت کے بانی ادریس بن عبد اللہ الکامل کے واسطے سے اللہ کے

رسولؐ سے جاملتا ہے۔ سنوسی کی نسبت کے بارے میں دو رائیں ہیں ایک یہ کہ سنوس نام کے قبیلے سے تعلق تھا اس لیے سنوسی کہلائے اور دوسری یہ کہ ان کے خاندان میں ایک بزرگ محمد بن یوسف بن عمر بن شعیب سنوسی گزرے ہیں اور انہیں کی نسبت سے سنوسی کہلاتے ہیں۔ صرف دو برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پرورش اور تعلیم و تربیت چچی سیدہ فاطمہ نے کی۔ بچپن میں ہی قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور مقامی علماء وفقہا سے تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں فاس کی مشہور جامعہ قزوین میں داخلہ لیا اور اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کی۔ یہیں پر انہوں نے طریقت (تصوف) کے آداب بھی سیکھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد تقریباً چودہ برس تک جامعہ قزوین میں درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ 1825ء میں انہوں نے مصر و حجاز کا رخ کیا تاکہ وہاں کے علماء سے مزید استفادہ کریں، حالانکہ اس وقت تک وہ خود بھی ایک ممتاز عالم کے طور پر شمالی افریقہ میں شہرت حاصل کرچکے تھے۔ چونکہ محمد بن علی سنوسی تعلیم اور مذہب کے حوالے سے اجتہادی نقطۂ نظر کے حامل تھے وہ ازہر کے مروجہ نظام تعلیم کو اصلاح طلب سمجھتے تھے نیز مذاہب اربعہ میں کسی ایک کی تقلید ضروری نہیں خیال کرتے تھے، اس لیے ازہری علماء نے انہیں مصر میں پریشان کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے وہ مصر چھوڑ کر حجاز چلے گئے، وہاں کے ممتاز علماء سے استفادہ کیا اور یہاں پر انہوں نے 1837ء میں مکہ مکرمہ کے مقدس شہر میں اپنے پہلے تعلیمی و اصلاحی مرکز یعنی زاویے کی بنیاد ڈالی۔ محمد بن علی سنوسی کا یہ زاویہ خانہ کعبہ سے قریب جبل ابوقبیس پر واقع تھا اسی لیے سنوسی حلقوں میں زاویہ ابی قبیس کے نام سے مشہور ہے۔ اس زاویے سے محمد بن علی سنوسی نے جس علمی و اصلاحی کام کا آغاز کیا آگے چل کر اس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کرلی اور سنوسی یا سنوسیہ تحریک کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ اس زاویے میں اپنے طالب علموں کو اسلام کے اوامر و نواہی کی پابندی کی تلقین کرتے اور ان سے مطالبہ کرتے کہ اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق کو قائم رکھیں۔

1840ء میں سنوسی کبیر نے زاویہ ابی قبیس کا انتظام اپنے ایک بااعتماد شاگرد کے حوالے کیا اور خود لیبیا کے لیے روانہ ہوئے تاکہ اپنے دعوتی و اصلاحی کام کو وہاں فروغ دے سکیں۔ یہاں پر انہوں نے البرقہ (ایک جگہ کا نام) کے قبائل کی درخواست پر جبل اخضر پر ایک تعلیمی و اصلاحی مرکز قائم کیا، اس کا نام انہوں نے زاویہ البیضاء رکھا۔ یہ لیبیا میں قائم ہونے والا پہلا سنوسی زاویہ تھا اور سنوسی زاویوں کی تاریخ میں ام الزوایا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اور یہاں سے لیبیا اور افریقہ کے دوسرے علاقوں میں سنوسی دعوت و تحریک کو فروغ ملا۔ اس زوایے کا افریقہ کے اندر مسلمانوں کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات کے فروغ میں بہت ہی اہم رول رہا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد صرف لیبیا میں ہی نہیں بلکہ مصر، سوڈان، حجاز، شام، انڈونیشیا اور ترکی تک ہر جگہ سنوسی زاویوں کا گویا ایک جال سا پھیل گیا۔

1846 میں محمد بن علی سنوسی حج کے ارادے سے دوبارہ حجاز کے لیے عازم سفر ہوئے، اس بار حجاز میں ان کا قیام 1853ء تک تقریباً سات برس رہا البتہ اس دوران بھی ان کا رابطہ افریقہ میں سنوسی کارکنان سے رہا کبھی خط و کتابت کے ذریعہ اور کبھی حج پر آنے والے سنوسی اخوان کے ذریعہ۔ 1854ء میں سنوسی کبیر برقہ واپس لوٹ آئے یہاں انہوں نے ایک دوسرا زاویہ العزیات کے نام سے قائم کیا، اور یہیں پر خود بھی قیام کیا۔ رفتہ رفتہ اس کی شہرت بھی پھیل گئی اور لوگ دور دراز سے آکر یہاں آباد ہونے لگے یہاں تک کہ یہ ایک بڑی آبادی بن گئی۔ صرف تین چار برس کے عرصے میں ہی تقریباً پورے صحرائے لیبیا کے قبائل ان کے مرید بن گئے۔ ان کے خلفا اور داعیوں

نے ان کے اندر کتاب و سنت پر عمل کی تحریک کو بڑھاوا دیا۔ محمد بن علی سنوسی کی روز افزوں مقبولیت نے سیاسی حلقوں میں بھی بے چینی پیدا کر دی، اس لیے انہوں نے مناسب خیال کیا کہ اپنا مرکزی زاویہ کسی ایسی جگہ قائم کریں جہاں عثمانی حکومت کا رسوخ کم سے کم تر ہو، اس کے لیے صحرائے لیبیا کے اندر جغبوب کا مقام انہیں مناسب لگا چنانچہ 1856ء میں وہ جغبوب منتقل ہو گئے اور وہاں ایک عظیم الشان زاویہ قائم کیا۔ اور پھر اندرون صحرا زاویوں کا ایک سلسلہ پھیلا دیا جس کی وجہ سے اسلام کی تعلیمات اور ان کی برکات سے یہ پورا علاقہ منور ہو گیا۔ انہوں نے صحراء کے اندر اپنی دینی دعوت اور اخوان کی جسمانی مشقت سے ایسا نظام قائم کیا کہ جہاں زندگی انتہائی مشکل ہوا کرتی تھی وہاں پر ہر طرف ہریالی و خوش حالی نظر آنے لگی۔ جغبوب منتقل ہونے کے تھوڑے دنوں بعد ہی سنوسی کبیر کی طبیعت ناساز رہنے لگی اور 7 ستمبر 1859ء کو انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جغبوب کی جامع مسجد کے برابر سپرد خاک ہوئے۔

اصلاحی کاموں اور روحانی تربیت کے ساتھ محمد بن علی سنوسی کو تصنیف و تالیف سے خاص شغف تھا اور مختلف موضوعات پر ان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصنیفات کی تعداد 60 تک بتائی جاتی ہے۔ ان کی آٹھ کتابوں پر مشتمل ایک مجموعہ "المجموعة المختارة" کے نام سے 1968ء میں بیروت سے شائع ہوا ہے۔

زاویوں کی ہیئت ترکیبی و نظام

اوپر بار بار زاویہ کا ذکر آیا ہے۔ طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ زاویہ ہے کیا چیز؟ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اس کی ہیئت اور نظام کا ذکر کر دیا جائے۔

سنوسی زاویہ عام طور پر ایک زرخیز قطعہ زمین میں قائم کیا جاتا اور اس میں درج ذیل عمارتیں ہوتی تھیں:

1. مسجد: یہ زاویے کا سب سے اہم حصہ ہوتی تھی، یہاں زاویے میں مقیم لوگ اور آس پاس کے قبائل کے افراد نمازیں ادا کرتے تھے۔
2. مدرسہ یا اسکول: عام طور پر انہیں مکاتب قرآنیہ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہاں پر سنوسی برادران کے بچوں کو قرآن، اصول و عقائد اسلام اور عربی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ تعلیم لازمی تھی اور کوئی شخص بلاوجہ اپنے بچوں کو ان مدارس سے نکال نہیں سکتا تھا۔
3. مضافہ یا مضیافہ (مہمان خانہ): مہمان خانے میں عام طور پر مسافر یا غریب لوگ ٹھہرتے تھے اور یہاں ان کی مہمان نوازی کی جاتی تھی۔ کچھ زاویوں میں تاجروں کے قیام کا انتظام بھی ہوتا تھا اور ان کے تجارتی سامان رکھنے کے لیے کمرے بھی ہوتے تھے گویا یہ زاویے کارواں سرائے کا کام بھی کرتے تھے اور ان سے زاویے کو مالی آمدنی بھی ہوتی تھی۔
4. مخزن: یعنی سامان رکھنے کے لیے گودام۔ یہاں زاویے کا سامان رکھا جاتا تھا۔
5. رہائشی مکانات: زاویہ کے شیخ اور اس کے دوسرے کارکنوں کی رہائش کے لیے زاویے کے اندر ہی مکانات تعمیر کیے جاتے تھے۔
6. طلبہ کے کمرے: دور دراز سے تعلیم کی غرض سے آنے والے طلبہ کے لیے زاویے میں الگ رہائشی کمرے ہوتے تھے۔

7. مطبخ: یہاں پر طلبہ اور مہمانوں کا کھانا تیار کیا جاتا تھا۔

8. ورکشاپ: بڑے زاویوں میں جہاں طلبہ کو تعلیم کے ساتھ ہنر بھی سکھایا جاتا تھا، وہاں ان کے لیے علیحدہ سے ورکشاپ بھی ہوتی تھی۔

9. اصطبل: زاویے کے گھوڑوں اور دیگر کار آمد جانوروں کو رکھنے کے لیے زاویے میں ایک اصطبل بھی ہوتا تھا۔

زاویوں کا نظام کچھ اس طرح ہوتا کہ ہر زاویہ کا ایک شیخ (امیر) ہوتا، جو اکثر اوقات منصف کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ زاویے کے دیگر ارکان جو اخوان کہلاتے تھے کے ذمے قبائل میں سنوسی دعوت کو پھیلانا ہوتا تھا۔ زاویے سے متعلق ہر فرد پر لازم تھا کہ وہ ہفتے میں باری باری ایک دن تعلیم و تعلم کے لیے، ایک دن زراعت و کاشت کاری اور باغبانی کے لیے اور ایک دن جہاد کی عملی تربیت حاصل کرنے کے لیے وقف کرے۔ اس طرح ہر زاویہ اپنے آپ میں خود کفیل ہوتا تھا۔ اس طرح زاویہ صرف خانقاہ نہ ہو کر ایک تعلیمی، روحانی، ثقافتی اور اقتصادی مرکز بھی ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر زاویوں میں تجارتی منڈی بھی ہوتی تھی جہاں آس پاس سے چیزیں فروخت کے لیے لائی جاتیں اور ضرورت مند خریدتے تھے۔ عام طور پر زاویوں کو سماجی بہبود کے ایسے مرکز کی حیثیت حاصل ہوتی تھی جہاں لوگ اپنے حالات زندگی اور ذرائع و وسائل کو بہتر بنا سکتے تھے۔ سنوسی اخوان میں محنت کو بہت اہمیت حاصل ہوتی تھی، کسب حلال پر خاص زور دیا جاتا تھا اور ایک نمونے کی آبادی تیار کی جاتی تھی جو دیگر آبادیوں کے لیے بھی مثال بن سکے۔

1.3.3 تعلیمی و تبلیغی خدمات

سنوسی تحریک اور اس کے کاموں کا اگر جائزہ لیا جائے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اپنے مزاج کے اعتبار سے یہ احیاء اسلام کی ایک تحریک تھی جس نے اپنی دعوت اور پروگراموں کے ذریعہ اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء اور اپنے زمانے کے مسلم سماج کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق تشکیل دینے کی کوشش کی۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء ہو یا سماج کی اسلامی اصولوں پر تشکیل، اس میں تعلیم کا کردار بہت ہی بنیادی اور کلیدی نوعیت کا ہوتا ہے۔ چنانچہ سنوسی تحریک نے اپنے زاویوں کے ذریعے اسلامی علوم و فنون کی ترویج و اشاعت پر بہت ہی زیادہ زور دیا، تحریک کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تعلیم کو اس میں تمام امور پر فوقیت اور برتری حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سنوسی تحریک کے زاویے اور خانقاہیں بنیادی طور پر تعلیم و تربیت کے مراکز اور اشاعت و تبلیغ دین کے سینٹر ہوا کرتے تھے۔ ان میں اپنے زمانے کے نامور اساتذہ طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوتے۔ تحریک کے رہنماؤں خاص طور پر بانی تحریک سنوسی کبیر نے سنوسی جامعات یا مدارس کے لیے ایک بہترین اور جامع نصاب تعلیم تیار کیا تھا جو تمام زاویوں کی تعلیم گاہوں میں یکساں تھا اور یہ تمام درس گاہیں ایک مرکز (جامعہ جغبوب) سے منسلک تھیں، جو اس زمانے میں جامعہ ازہر کے بعد عالم اسلام کی دوسری بڑی یونیورسٹی تھی۔

سنوسی تحریک کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ اس میں خواتین کو بھی خاص طور پر ان کی تعلیم کو یکساں اہمیت حاصل تھی۔ تحریک کے زاویوں میں خواتین کی تعلیم کے لیے علیحدہ نظم ہوتا تھا جہاں پر خواتین معلمات لڑکیوں کو تعلیم دیتیں اور ان کی تربیت کرتیں۔ خواتین کی ان درس گاہوں میں لڑکیوں کی تعلیم کے ساتھ انہیں دعوت و اصلاح کے کام کے لیے بھی تیار کیا جاتا تاکہ وہ خواتین میں دعوت کا کام

کر سکیں۔ اسی طرح امور خانہ داری کی تعلیم و تربیت پر بھی خاص توجہ دی جاتی تھی تا کہ وہ جس گھر میں بھی جائیں، بہتر طور پر اس کا انتظام و انصرام کر سکیں اور اس طرح سنوسی دعوت کے فروغ میں اپنا حصہ ادا کر سکیں۔

سنوسی تحریک کی تعلیمی و دعوتی خدمات کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ اس تحریک کے زاویوں کے اندر تعلیم بالغان کا الگ سے شعبہ ہوتا تھا۔ بڑوں کے لیے جو باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے تھے، ہفتے میں دو دن پیر اور جمعہ کو شام کے وقت کلاسوں کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ ان کے حالات اور ضروریات کے مطابق خود زاویے کا شیخ (سربراہ) ان کو پڑھاتا تھا۔ ان کلاسوں میں عام طور پر انہیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سکھائی جاتیں، قرآن مجید کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا سکھایا جاتا اور ضروری احکام و فرائض کی تعلیم دی جاتی تا کہ یہ لوگ اسلامی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال سکیں۔

تعلیم و تبلیغ کے میدان میں سنوسی تحریک کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے غلاموں کی تعلیم و تربیت پر خاص طور پر توجہ دی۔ اس زمانے کے افریقہ میں غلامی کا رواج عام تھا، انسان جانوروں کی طرح بازاروں میں بکا کرتے تھے۔ سنوسی تحریک کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس غیر انسانی رویے کو انسانی رویے میں تبدیل کر کے اسلام کے قرن اول کی یاد تازہ کر دی، اس مقصد کے لیے سنوسی لیڈران یہ کرتے کہ وسطی افریقہ سے غلام بچوں کو خرید لیتے، زاویوں میں رکھ کر ان کی بہترین تعلیم و تربیت کرتے اور جب وہ بڑے ہو جاتے اور تعلیم و تربیت کے زیور سے پوری طرح آراستہ ہو جاتے تو انہیں آزاد کر کے انہیں کے علاقوں میں دعوت و تعلیم کے کام کے لیے بھیج دیا جاتا۔ تا کہ وہ وہاں پر اسلام کی دعوت و اشاعت کا کام کریں۔ اندرون صحرا دور تک افریقی قبائل میں اسلام کی اشاعت انہیں آزاد کردہ غلاموں کی دعوتی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

1.3.4 سنوسی تحریک کے اثرات

سنوسی تحریک اور اس کی دعوت و تبلیغ کے کاموں کا اگر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جدید مسلم دنیا میں یہ ایک ایسی تحریک کے طور پر ابھری جس نے اپنے عروج کے زمانے میں شمالی اور وسطی افریقہ کی مسلم معاشرت، سیاست اور معیشت پر دوررس اثرات مرتب کیے۔ اس تحریک نے ایک طرف تو سیاسی میدان میں اطالوی، فرانسیسی اور برطانوی سامراجوں کا مقابلہ کیا، ان کے خلاف مسلمانوں کا محاذ بنایا اور ان سے آزادی کا راستہ ہموار کیا تو دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر تنظیم پیدا کی، انہیں اصول وضوابط کا پابند بنایا، ان کے اندر جو برائیاں اور کمزوریاں تھیں ان کو دور کر کے اسلامی روح کا حامل ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کی کامیاب کوشش کی جسے صحیح معنوں میں مثالی اسلامی معاشرہ کہا جا سکے۔ سیاست کے حوالے سے اس تحریک نے دین و دنیا کی تفریق کو ختم کیا اور کوشش کی کہ مذہب اور سیاست کو ہم آہنگ کر دیا جائے۔ چونکہ سنوسی تحریک کے رہنماؤں کو سماجی ضروریات کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے انہوں نے ایک ایسا سماجی نظام قائم کرنے کی کوشش کی جو اپنی ضروریات کے لیے بڑی حد تک خود کفیل ہو۔ انہوں نے اپنے زاویوں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم کو نصاب تعلیم کا لازمی جزو بنایا جس کا اثر یہ ہوا کہ بہت جلد نہ صرف یہ کہ سنوسی زاویے خود کفیل ہو گئے بلکہ ان کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں افریقہ کے اندر صنعت و حرفت، کاشت کاری اور مویشی پالن کو بھی کافی فروغ ملا جس کی وجہ سے ان علاقوں میں خوش حالی آگئی۔

شمالی و وسطی افریقہ کو سنوسی تحریک کی ایک دین یہ بھی ہے کہ گرچہ اس کے رہنما خود مالکی مذہب کے پیروکار تھے لیکن انہوں نے خود کو مسلکی اختلاف سے الگ رکھا، سنوسی تحریک کے دروازے تمام مسالک اور عقائد کے لوگوں کے لیے کھلے رکھے جس کی وجہ سے ان کی دعوت کو عوامی مقبولیت ملی۔ ان لوگوں نے اندھی تقلید کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے اندر وسیع المشربی اور روشن خیالی کو فروغ دینے کی کوشش کی تاکہ قرآن وسنت کی بنیاد پر ایک مثالی مسلم معاشرہ وجود میں آئے جو آگے چل کر دنیا کی جدید تعمیر کے لیے رہنما کا کام دے سکے۔

سنوسی تحریک اپنے مقاصد، دعوت، اصلاحی کوششوں کے حوالے سے انیسویں اور بیسویں صدی کے وسط تک عالم اسلام کی ایک اہم اور بڑی دعوت رہی البتہ مختلف وجوہ سے سیاست میں اس کا زیادہ اشتغال خاص طور پر لیبیا کے لیے مسلح جدوجہد آزادی کی تحریک نے اس کے دیگر اصلاحی اور دعوتی کاموں کو متاثر کیا اور بالآخر تحریک کا سیاسی زوال اس کے حتمی زوال کا سبب بن گیا۔ حالانکہ اپنے مقاصد کے اعتبار سے یہ ایک کامیاب تحریک تھی اور اس کے بارے میں سنوسی کبیر کے ایک سوانح نگار سید خالد محمود ترمذی نے بہت اچھی بات لکھی ہے اور اسی پر ہم اس موضوع کو ختم کرتے ہیں:

”سنوسی تحریک حقیقی معنوں میں دعوت الی اللہ کی تحریک تھی جس کے مقاصد میں سے پہلا مقصد مسلمانوں کو قرآن وسنت کی سختی سے پیروی کرنے کی دعوت دینا تھا، دوسرا مقصد مسلمانوں کے بچوں کو دینی وفنی تعلیم دینا تھا، جس سے وہ نابلد تھے۔ تحریک کا تیسرا مقصد قبائل کے آپس کے تنازعات کو ختم کرکے، ان میں اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرکے انہیں ایک عظیم مقصد یعنی تبلیغ اسلام کے لیے تیار کرنا تھا۔ چوتھا مقصد مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی پستی، معاشرتی بدحالی، سیاسی درماندگی اور معاشی پس ماندگی کی اصلاح کرکے ایک صحیح اسلامی معاشرے اور ریاست کا قیام تھا۔ الغرض سنوسی تحریک ایک ایسی جامع ومانع اصلاحی تحریک تھی۔ اس کا طریقہ کار شریعت وطریقت کا حسین امتزاج تھا۔ انسانی زندگی کے ہر عملی پہلو کو محیط، کسی پہلو کو خواہ معاشرتی ہو یا معاشی، اخلاقی و روحانی ہو یا سیاسی اس نے نظرانداز نہیں کیا تھا اور یہ ایک ایسی بین الاقوامی تحریک بن گئی تھی کہ تمام اسلامی ممالک میں اس کی شاخیں (زاویے) قائم ہو گئیں تھیں۔ بہرحال سنوسی تحریک تجدید واحیائے دین کے میدان میں جدید دنیائے اسلام کی سب سے موئثر اور طاقت ور تحریک تھی جس نے شمالی و وسطی افریقہ، مصرو سوڈان، حجاز وہند، انڈونیشیا، ترکی اور ایران میں لاکھوں لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی۔“

1.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- وہابی تحریک ایک ایسے زمانے میں شروع ہوئی جب صحرائے عرب کا علاقہ پھر سے دور جاہلیت کی مثال پیش کر رہا تھا، اس نے اپنی دعوت کا مرکز توحید کے پیغام کو بنایا اور قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرنے پر زور دیا۔ اس تحریک کو آل سعود کی سیاسی پشت پناہی حاصل رہی اور موجودہ جزیرۃ العرب کے اندر مذہبی وفکری اصلاح میں اس کا اہم رول رہا۔

- سنوسی تحریک کا میدان عمل شمالی افریقہ رہا۔ اس نے اپنے زاویوں کے توسط سے افریقہ کے قبائلی اور صحرائی علاقوں میں اسلام کے پیغام کو عام کیا۔ اس کے لیے جو طریقہ کار وضع کیا گیا اس میں روحانیت اور عملیت کا ایک امتزاج تھا اور اسی چیز نے اسے اپنے دور عروج میں شمالی افریقہ کی سب سے بڑی تحریک بنادیا۔ البتہ سیاست میں زیادہ مشغول ہو جانے کے سبب اس کا دعوتی کردار متاثر ہوا اور یہ زوال کا شکار ہوئی۔

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

1.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. محمد بن عبدالوہاب کس تحریک کے بانی ہیں؟

(a). وہابی (b). اخوان المسلمون (c). نورسی (d). سنوسی تحریک

2. محمد بن عبدالوہاب کہاں پیدا ہوئے؟

(a). عینیہ (b). درعیہ (c). مدینہ (d). سب غلط

3. سنوسی تحریک کے بانی کا نام بتائیں۔

(a). محمد بن علی سنوسی (b). محمد بن عبدالوہاب (c). سید قطب (d). بدیع الزماں نورسی

4. سنوسی تحریک کا پہلا زاویہ کہاں قائم ہوا؟

(a). مکہ مکرمہ (b). ہندوستان (c). ایران (d). لندن

5. کون سی تحریک لیبیا کی آزادی کی جدوجہد میں اپنے کارناموں کی وجہ سے یاد رکھی جائے گی؟

(a). سنوسی تحریک (b). وہابی تحریک (c). نورسی تحریک (d). اخوان المسلمون

6. جغبوب میں کس تحریک کا مرکز تھا؟

(a). نورسی تحریک (b). محمدیہ تحریک (c). سنوسی تحریک (d). تبلیغی جماعت

7. محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا سب سے بنیادی اور اہم عنصر کیا ہے۔

(a). توحید (b). سیاسی حالات میں بہتری (c). اخلاقی حالت میں درستگی (d). خلافت کو قائم کرنا

8. محمد بن علی سنوسی کب پیدا ہوئے؟

(a). 1787ء (b). 1802ء (c). 1857ء (d). 1800ء

9. محمد بن عبدالوہاب کا انتقال کب ہوا؟

(a). 1792ء (b). 1802ء (c). 1787ء (d). 1795ء

10. وہابی تحریک کے سب سے بڑا مرکز کہاں ہے۔

(a). سعودی عرب (b). ایران (c). ترکی (d). قطر

1.5.2 مختصر جوابی سوالات

1. وہابی تحریک کے پس منظر پر روشنی ڈالیے۔
2. محمد بن عبدالوہاب کی حالات زندگی کا جائزہ لیجیے۔
3. سنوسی تحریک کے آغاز وارتقا پر نوٹ لکھیے۔
4. زاویوں کی ہیئت ترکیبی ونظام پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
5. سنوسی تحریک کے اثرات پر مضمون لکھیے۔

1.5.3 طویل جوابی سوالات

1. وہابی تحریک کی دعوت اور اس کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
2. سنوسی تحریک کی تعلیمی و تبلیغی سرگرمیوں کا جائزہ لیجیے۔
3. محمد بن علی سنوسی کی حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ان کی کوششوں پر تفصیلی مضمون لکھیے۔

1.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ فکر اسلامی : محمد اجتباء ندوی
2. ایک مظلوم مصلح: محمد بن عبدالوہاب : مسعود عالم ندوی
3. مغربی افریقہ میں اسلام : شیث محمد اسماعیل اعظمی

اکائی 3: عالم اسلام کی تحریکات: نہضۃ العلماء نورسی تحریک

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 نہضۃ العلماء (انڈونیشیا)

3.2.1 پس منظر

3.2.2 نہضۃ العلماء: آغاز وارتقا

3.2.3 لائحہ عمل اور دائرہ اثر

3.3 نورسی تحریک

3.3.1 پس منظر اور آغاز وارتقا

3.3.2 بانی تحریک

3.3.3 نورسی تحریک کی خدمات

3.4 رسائل نور ایک مختصر تعارف

3.5 اکتسابی نتائج

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

3.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

3.6.2 مختصر جوابی سوالات

3.6.3 طویل جوابی سوالات

3.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

جدید مسلم دنیا کی مذہبی تحریکات اور اداروں کا مطالعہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ ان کے مطالعے سے ہمیں ان تحریکات کے اثر والے علاقوں کے مذہبی، سماجی اور سیاسی حالات کو جاننے میں کافی مدد ملتی ہے۔ اس اکائی میں نہضۃ العلماء اور نورسی تحریک کے بارے میں پڑھیں گے۔ نہضۃ العلماء انڈونیشیا میں روایتی علماء کی ایک ایسی تنظیم ہے جس نے نہ صرف علماء کے اندر بیداری پیدا کی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے (نہضۃ العلماء یعنی علماء کی بیداری) بلکہ اس تنظیم کا انڈونیشیا کی قومی بیداری اور آزادی کی تحریک میں بھی اس کا رول بہت اہم رہا ہے۔ ترکی کی نورسی تحریک ایک ایسے صوفی منش مذہبی رہنما سے منسوب ہے جس نے انتہائی ناساز گار حالات کے باوجود ترکی کی مذہبی نشاۃ ثانیہ میں اہم رول ادا کیا۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان تحریکوں کے وجود میں آنے کے پس منظر، آغاز وارتقا، لائحہ عمل اور ان تحریکوں کی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔ نہضۃ العلماء انڈونیشیا میں روایتی علماء کی ایک ایسی تنظیم ہے جس نے نہ صرف علماء کے اندر بیداری پیدا کی بلکہ اس تنظیم کا انڈونیشیا کی قومی بیداری اور آزادی کی تحریک میں بھی اس کا رول بہت اہم رہا ہے، اس تنظیم نے انڈونیشیا میں سیاسی بیداری کی تحریک شرکت اسلام پارٹی میں شمولیت کے ذریعہ عوامی بیداری میں بھرپور تعاون کیا۔ اسی طرح نورسی تحریک جس کے روح رواں بدیع الزماں سعید نورسی نے تن تنہا اپنی ذات سے ترکی میں ایک ایسی تحریک برپا کر دی جس نے ترکی کو نہ صرف یہ کہ مصطفی کمال پاشا اور ان کے ہم نواؤں کے انتہاپسندانہ ردعمل سے بچالیا بلکہ ترکی کے معاشرے کو اس کی بنیادی اسلامی مذہبی شناخت سے محروم نہ ہونے دینے میں ایک اہم رول ادا کیا۔

3.2 نہضۃ العلماء (انڈونیشیا)

3.2.1 پس منظر

آبادی کے لحاظ سے انڈونیشیا مسلم دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ مشرق بعید میں مختلف جزیروں پر مشتمل اس ملک کی آبادی میں 90٪ (نوے فیصد) سے زیادہ مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے دور زوال میں جب یورپی سامراج نے ایشیا اور افریقہ کے ایک بڑے علاقے میں اپنی کالونیاں قائم کیں تو اس وقت انڈونیشیا ہالینڈ کے حصے میں آیا اور دوسری عالمی جنگ کے دوران 1945-1942 تک ایک مختصر وقفے کو چھوڑ کر 1949ء تک انڈونیشیا پر ہالینڈ کا قبضہ رہا۔ (1942 سے 1945 تک انڈونیشیا پر جاپان کا قبضہ رہا)۔ البتہ انڈونیشیا کے مسلمانوں میں سیاسی واقتصادی بیداری اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کا آغاز بیسویں صدی کے بالکل آغاز میں ہو گیا تھا جب 1906 میں انڈونیشیا کی معیشت پر چینیوں کے غلبے کے خلاف جدوجہد کا آغاز ہوا اور جس نے آگے چل کر 1912ء میں شرکت اسلام پارٹی کی شکل اختیار کی، جو

انڈونیشیا کی پہلی مسلم غیر سیاسی جماعت تھی۔ شرکت اسلام کے رہنماؤں میں ایک عبدالوہاب حسب اللہ (1888-1971) تھے جن کا تعلق انڈونیشیا کے روایتی علماء کے طبقے سے تھا۔ ان کی کوششوں سے 1916 میں نہضۃ الوطن کے نام سے جزیرہ سورابایا میں ایک تنظیم قائم ہوئی اور اسی تنظیم کے ذریعہ انڈونیشیا میں روایت پسند علماء کی سب سے بڑی، مضبوط اور بااثر تنظیم نہضۃ العلماء کے قیام کا راستہ ہموار ہوا۔

نہضۃ العلماء کے قیام کا ایک اور پس منظر یہ بھی ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے ابتدائی سالوں میں انڈونیشیا کے اندر مصر کے مشہور عالم اور دانشور مفتی محمد عبدہ کے افکار کو بہت تیزی کے ساتھ فروغ مل رہا تھا۔ خاص طور سے محمدیہ تحریک کے قیام نے اس میں مزید سرعت پیدا کر دی کیونکہ محمدیہ تحریک کی قیادت نے بہت ہی منظم اور سائنٹفک انداز میں محمد عبدہ کی اصلاحات اور ان کے افکار کو انڈونیشیائی علماء اور سماج کے اندر متعارف کرایا اور اس کے دوررس اثرات بھی مرتب ہوئے۔ محمد عبدہٗ کے اصلاحی افکار انڈونیشیا کے روایتی علماء کے لیے قابل قبول نہیں تھے لیکن وہیں پر جدت پسند علماء کا طبقہ ان افکار و خیالات کی اشاعت میں بھرپور حصہ لے رہا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انڈونیشیا کے سماج میں جدت پسندی اور روایت پسندی کو لے کر ایک طرح کے ٹکراؤ اور تصادم کی صورت حال پیدا ہو گئی۔ اور چونکہ محمدیہ تحریک کی کوششیں منصوبہ بند اور منظم تھیں اس لیے اسے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے میں زیادہ کامیابی مل رہی تھی۔ روایت پسند علماء کا طبقہ، جو ابھی تک مذہبی طور پر غالب طبقہ تھا اس کے لیے مفتی محمد عبدہٗ کی اصلاحات بدعات کا درجہ رکھتی تھیں اور وہ انڈونیشیا کے سماج پر اپنا غلبہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔ عبدالوہاب حسب اللہ کا تعلق انڈونیشیا میں علماء کے اس روایت پسند طبقے سے تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ محمد عبدہٗ کی اصلاحات بدعت ہیں اور ان بدعات کے سبب انڈونیشی سماج کو جو خطرہ لاحق ہے اس کا ازالہ بہت ضروری ہے اور اس کے لیے منظم جدوجہد کی جانی چاہیے۔ چنانچہ حسب اللہ کی قیادت میں ان لوگوں نے روایتی علماء کی ایک تنظیم کے قیام کی تحریک شروع کی لیکن شروع میں اسے بہت زیادہ کامیابی اس لیے نہیں ملی کہ روایتی علماء خود آپس میں تقسیم تھے، البتہ 1926 میں یہ کوشش اس وقت کامیاب ہو گئی جب روایتی علماء کے طبقے کی اس وقت کی سب سے محترم شخصیت ہاشم اشعری (1871-1939) نے روایتی علماء کی تنظیم کے قیام کی ضروت پر حامی بھری۔ ہاشم اشعری مشرقی جاوا کے جزیرے میں ایک بڑے دینی مدرسے کے سربراہ تھے اور تنظیم کے قیام کے بعد وہی اس کے پہلے صدر بھی منتخب ہوئے۔

3.2.2 نہضۃ العلماء: آغاز وارتقا

نہضۃ العلماء کا باقاعدہ قیام 1926 میں عمل میں آیا، اس تنظیم کے محرک اول عبدالوہاب حسب اللہ تھے البتہ اس کا پہلا صدر ہاشم اشعری کو بنایا گیا۔ نہضۃ العلماء میں صدر کو رئیس اکبر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس وقت سے نہضۃ العلماء انڈونیشیا کی دو سب سے بڑی مذہبی تنظیموں (دوسری محمدیہ ہے) میں سے ایک ہے اور روایتی مذہبی کیریکٹر کے سبب نہضۃ العلماء کا عوام پر اثر زیادہ ہے۔ تنظیم پر روایتی علماء کا غلبہ ہے اور اس کے پیروکاروں کی اکثریت شافعی مسلک سے تعلق رکھتی ہے، جو انڈونیشیا کے مسلمانوں کا اکثریتی مسلک ہے۔ انڈونیشیا میں اس تنظیم کی مقبولیت کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں کے سماج میں اس کی جڑیں بہت گہرائی تک اتری ہوئی ہیں۔ اس کی طاقت و قوت کا اصل سرچشمہ انڈونیشیا کے وہ روایتی مذہبی ادارے (مدارس) ہیں جہاں بڑے پیمانے پر طلبہ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کے قیام و طعام کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ ان مدرسوں میں دینی علوم کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ مذہبی علماء کی نگرانی میں عربی زبان و ادب، فقہ، حدیث اور

تفسیر وغیرہ مختلف مذہبی علوم کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ انڈونیشیا میں اس طرح کے بڑے مدارس کی تعداد ایک اندازے کے مطابق دس ہزار کے قریب ہے اور تقریباً بیس لاکھ طلبہ ان میں تعلیم پاتے ہیں۔ یہ دینی مدارس عام طور پر انڈونیشیا کے دیہی علاقوں میں واقع ہیں اور تقریباً سبھی نہضۃ العلما سے کسی نہ کسی طور پر منسلک ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق انڈونیشیا میں نہضۃ العلماء کے ارکان اور حمایتیوں کی تعداد 3 کروڑ سے زیادہ ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انڈونیشیا کے سماج میں مذہب کا کردار کتنا وسیع اور اہم ہے۔

نہضۃ العلماء انڈونیشیا میں روایتی علماء کی ایک ایسی تنظیم ہے جس نے نہ صرف علماء کے اندر بیداری پیدا کی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے (نہضۃ العلماء یعنی علماء کی بیداری) بلکہ اس تنظیم کا انڈونیشیا کی قومی بیداری اور آزادی کی تحریک میں بھی اس کا رول بہت اہم رہا ہے، اس تنظیم نے انڈونیشیا میں سیاسی بیداری کی تحریک شرکت اسلام پارٹی میں شمولیت کے ذریعہ عوامی بیداری میں بھرپور تعاون کیا۔ اسی طرح نہضۃ العلماء نے اہل سنت والجماعت کے حصار کے اندر رہتے ہوئے انڈونیشیا کے روایتی مسلم سماج کو جوڑنے، اسے مذہب سے منسلک رکھنے اور اس کے اندر سماجی خدمت کے جذبے کو فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ 1926 میں تنظیم کا جو چارٹر تیار ہوا اس میں اس تنظیم کے مقاصد پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

"مختلف سنی مسالک کے علماء کے درمیان باہمی تعلقات کو فروغ دینا، درسی کتابوں کی اچھی طرح چھان بین کرنا کہ ان میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف کوئی چیز نہ آنے پائے۔ درسی کتب کو بدعات سے محفوظ رکھنا۔ چار معروف اسلامی مسالک کی بنیاد پر اسلام کی جو تصویر سامنے آتی ہے اس کے فروغ کے لیے کوشش کرنا، مدارس کا قیام، مساجد، خانقاہوں اور اقامت گاہوں کا انتظام وانصرام، یتیموں اور غریبوں کی دیکھ بھال، ایسی اجتماعیتوں کی تشکیل جو زراعت کو ترقی دے سکیں اور تجارت وصنعت کے شعبوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق فروغ دے سکیں۔"

نہضۃ العلماء کے مقاصد کے اس چارٹر سے ہی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نہضۃ العلماء کی قیادت کو تنظیم کے آغاز کے دنوں سے ہی انڈونیشیا کے سماج اور اس کی ضرورتوں کا بھرپور ادراک تھا، چنانچہ انہوں نے تنظیمی اقدامات کے علاوہ ظاہری مظاہرے سے بھی روایت پسند انڈونیشیائی سماج کے حالات اور ضرورتوں کو نمایاں کیا ہے۔ اس کا ایک اظہار تنظیم کے علامتی نشان یعنی جھنڈے میں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

1927ء میں نہضۃ العلماء نے اپنے لیے جس پرچم (جھنڈے) کا انتخاب کیا وہ بھی اس کی روایت پسندی کی دلیل ہے البتہ اس جھنڈے میں اس کی وسیع تر اسلامی اتحاد کی خواہش کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ نہضۃ العلماء کے جھنڈے میں کرہ زمین کے بالکل اوپر ایک بڑا سا ستارہ ہے جو حضرت محمد ﷺ کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس بڑے ستارے کے دونوں طرف چار نسبتاً چھوٹے ستارے ہیں جو حضرت محمدؐ کے چاروں خلفائے راشدین (حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کرۂ زمین کی نچلی سطح پر چار اور چھوٹے ستارے دکھائے گئے ہیں یہ اہل سنت والجماعت کے چار معروف مسالک (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ نو ستارے ایک ساتھ مل کر ان نو اولیاء اللہ کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے انڈونیشیا کے سب سے بڑے جزیرے جاوا میں

اسلام کی دعوت اور اس کے پیغام کو عام کیا۔ پرچم پر گلوب اور اس کی ہری رنگت انسانیت کو اس پیغام کی یاد دہانی کراتی ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا کیا ہے یعنی زمین جس سے وہ وجود میں آئی، اسی میں پلٹ کر جانا ہے اور اسی سے فیصلے کے دن اسے دوبارہ برپا کیا جائے گا۔ گلوب (کرۂ زمین) کے چاروں طرف 99 خوبصورت دائروں کے ساتھ ایک سنہری لڑی اس اللہ کے 99 ناموں کا اظہار ہے جن کے ذریعہ دنیا بھر کے مسلمانوں کا اتحاد عمل میں آتا ہے۔ اس طرح غور کیا جائے تو نہضۃ العلماء کا پرچم اس کی سنی روایت پسندی، تصوف کی جانب اس کے میلان اور خاص طور پر روایتی مسلم علماء کے افکار کا اظہار ہے۔

3.2.3 لائحہ عمل اور دائرہ اثر

نہضۃ العلماء نے انڈونیشیا میں اپنے قیام کے ساتھ ہی اپنا دائرہ کار اور طریقہ کار متعین کر لیا تھا اور اسی وقت ایسے اقدامات کرنے شروع کر دیے تھے جو مستقبل میں اس کی حیثیت کا تعین کر سکیں۔ چنانچہ مذہبی مدارس اور ان کے ارد گرد انہیں کے زیر اثر وجود میں آنے والی روایتی انڈونیشی اسلامی تہذیب و ثقافت کے فروغ اور اس سے وابستگی پر خاص زور دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی رہی کہ تنظیم میں اساسی حیثیت اور مرکزی کردار دونوں علماء کو حاصل تھا اور آج بھی حاصل ہے۔ ان علماء کو انڈونیشیا کی زبان میں کائی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انڈونیشیا میں سماجی طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ انہیں عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل ہونی چاہیے، بیشتر اوقات عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ میں ایک طویل عرصے تک قیام کو ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ عربی کے علاوہ دیگر اسلامی علوم میں بھی انہیں مہارت حاصل ہونی چاہیے یعنی بالعموم انہیں قرآن مجید پورا حفظ ہوتا ہے، حدیث و فقہ اور تصوف کی کتابوں کے بہت سارے متن بھی انہیں ازبر ہوتے ہیں اور ان کے لیے یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی تقریر اور گفتگو کے دوران موقع بہ موقع قرآن و حدیث کے متن حوالے کے طور پر پیش کرتے رہیں اور ان کی تفسیر و تشریح کریں۔ خاص طور پر حدیث کے علم میں سند و روایت کا سلسلہ اللہ کے رسولؐ تک پہنچنا ضروری خیال کیا جاتا ہے جسے 'اجازت' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہی ان علماء کو حدیث بیان کرنے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کرنے کا اہل سمجھا جاتا ہے۔ مدارس کے ان بڑے علماء کے بارے میں یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ انہیں اسلام کی مقامی روایت کا بھی بخوبی علم ہو خاص طور پر نو (9) صوفیا اور دیگر بڑے علماء کے بارے میں ان کی معلومات عام لوگوں سے زیادہ ہو۔ ان علماء کے لیے اسلامی علوم میں مہارت ہی کافی نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات ان کا صاحب کشف و کرامت ہونا بھی ضروری خیال کیا جاتا ہے اور اس کے لیے وہاں رائج طریقت کے مختلف سلسلوں میں سے کسی ایک سے ان کی وابستگی بھی ضروری قرار پاتی ہے۔ البتہ انڈونیشیا میں علماء صرف روحانی زاویوں تک محدود نہیں ہیں اور نہ ہی ان کی رہنمائی مدرسوں کی چہار دیواری تک محدود ہوتی ہے بلکہ ان علماء کا عوام کی معاشرتی اور مذہبی زندگی میں بھی خاصا دخل ہوتا ہے۔ ان کی اکثریت عام معاشرے میں اور عام لوگوں کے ساتھ رہتی ہے۔ عام نمازوں کے علاوہ جمعہ کے خطبوں اور دیگر اسلامی تہواروں (عیدین) کے موقعوں پر اپنی تقریروں میں یہ عام لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔ اگر ان کا تعلق تصوف کے کسی سلسلے سے بھی ہوتا ہے تو پھر یہ ذکر کی محفلیں منعقد کرتے ہیں جن میں لوگ بڑی تعداد میں نسبت اور برکت کے حصول کے لیے شریک ہوتے ہیں۔ مذہبی مسائل میں فتوی دینا بھی ان علماء کی ذمہ داری ہے۔ انڈونیشیا کے عام سماج پر علماء کا اثر اتنا زیادہ ہے کہ لوگ اکثر

اپنے گھریلو معاملات یہاں تک کہ بچوں کے شادی بیاہ اور تجارت میں بھی ان سے مشورہ کرتے ہیں۔ نکاح وطلاق اور وراثت کے امور یہی علماء طے کرتے ہیں۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں کو علماء کی ان ذمہ داریوں کا بھی احساس ہے چنانچہ عام طور پر انہیں وہ معاش کی تگ و دو سے آزاد رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر مقامی باشندے اپنے علما کے لیے چاول اور کھانے کی دوسری چیزیں باہمی تعاون سے جمع کرتے ہیں۔ ان کے لیے زندگی کی دوسری ضروریات اور عمارتوں کے لیے تعمیراتی سامان بھی یہی لوگ فراہم کرتے ہیں اور نذرانے کے طور پر انہیں کچھ رقم بھی دیتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء معاشی ذمہ داریوں سے آزاد رہ کر اپنے مذہبی و سماجی فرائض انجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مدارس کے لیے زمین اور عمارتیں بالعموم وقف ہوتی ہیں جس کی وجہ سے انڈونیشیا کے مدارس کی بڑی تعداد مالی طور پر خود کفیل اور سرکاری و عوامی دباؤ سے آزاد ہے۔

انڈونیشیا کے سماج پر اپنے اثر کو قائم و برقرار رکھنے اور اسے مزید وسعت دینے کے لیے نہضۃ العلماء کی قیادت نے وہاں کی مقبول عام مذہبی روایت کو ایک تنظیمی ڈھانچے میں تبدیل کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ سماج کے عام لوگوں کے ساتھ ان کا ربط ضبط رہتا ہے بلکہ وہ ان پر اپنے اثر کو مزید استحکام دینے میں بھی کامیاب رہتے ہیں مثلاً نہضۃ العلماء نے ابتدا سے ہی ایک مقامی روایت ''لیلۃ الاجتماع'' کو اپنے سرگرمیوں کا اہم حصہ بنائے رکھا ہے۔ لیلۃ الاجتماع ایک طرح کی ماہانہ میٹنگ ہوتی ہے جو قمری مہینوں کے پندرہویں دن مقامی علماء کے ذریعہ منعقد کی جاتی ہے۔ اس کا آغاز ان مقامی لوگوں کی غائبانہ نماز جنازہ سے ہوتا ہے جو اس دوران وفات پائے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد علماء کی تقریریں ہوتی ہیں جن میں وعظ و نصیحت کے ساتھ ساتھ نہضۃ العلماء کی پالیسیوں اور پروگراموں کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اسی میٹنگ میں تنظیم کی مقامی سرگرمیوں کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے اور انہیں مزید موثر بنانے کے لیے پروگرام بھی چاک آؤٹ کیا جاتا ہے۔ میٹنگ کا ایک سیشن (حصہ) سوال و جواب کے لیے ہوتا ہے۔ گویا مقامی لوگوں کو اس طرح ایک ایسا پلیٹ فارم مہیا کیا جاتا ہے جس میں وہ اپنے ذاتی و روحانی (مذہبی) مسائل اپنی مذہبی قیادت کے سامنے پیش کرتے ہیں اور پھر وہاں سے انہیں مطمئن کرنے کی کوشش بھی ہوتی ہے۔ مقامی علماء کی نگرانی میں انجام دی جانے والی صرف اس ایک سرگرمی سے ہی اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انڈونیشیا کے سماج میں نہضۃ العلماء کی جڑیں کتنی گہری اور مضبوط ہیں۔ یہاں لوگ ایک دوسرے کے مسائل کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ انہیں حل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں گویا ہر عالم (کائی) کی سرپرستی میں پورا ایک سماج مصروف عمل رہتا ہے۔ اپنی عوامی مقبولیت کے سبب ہی علما بالعموم سیکولر حکمرانوں کے دباؤ سے آزاد رہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس مذہبی اختیارات کے ساتھ ساتھ اقتصادی وسائل بھی ہوتے ہیں اور وہ حکومت پر منحصر نہیں ہوتے۔ اس لیے سیکولر حکمراں خود مجبور ہوتے ہیں کہ سماج کے بہتر نظم ونسق اور اس کے مختلف مسائل کو حل کرنے کے لیے علماء کا تعاون حاصل کریں۔ انڈونیشیا کے سماج میں علماء کی اس حیثیت نے جہاں ایک طرف حکمرانوں کو مجبور کیا کہ وہ علماء کا تعاون حاصل کریں اور انہیں تحفے تحائف دے کر اپنی موافقت پر آمادہ کریں تا کہ ان کا سیاسی اقتدار برقرار اور مستحکم رہے وہیں دوسری طرف حکمراں طبقے سے علماء کی قربت کے سبب ان میں بعض اخلاقی برائیاں بھی در آئی ہیں اور ان کی وجہ سے علما کی سماجی حیثیت کو کچھ نقصان بھی پہنچا ہے۔ بہرحال بحیثیت مجموعی نہضۃ العلماء علماء کی ایک ایسی تنظیم ہے جس میں وہ حکومت کے اثر سے آزاد رہ کر اپنی مذہبی و سماجی خدمات

کے ذریعہ عوام کو متحرک اور متاثر کرتے ہیں۔

نہضۃ العلماء کو انڈونیشیا میں قیام کے بعد کی پہلی دو دہائیوں کے دوران بہت تیزی کے ساتھ فروغ حاصل ہوا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ تنظیم کی قیادت نے عوامی روایت سے وابستگی کے ساتھ ساتھ نئی ضروریات اور تقاضوں کو محسوس کیا اور ایسے اقدامات کیے جو اسے سماج کے لیے سودمند بنائے رکھیں۔ اس نے محمدیہ تحریک کی اصلاحات کی مخالفت پر بس نہیں کیا بلکہ خود بھی اصلاح کے عمل سے گزری۔ چنانچہ تنظیم کی قیادت نے انڈونیشیا میں رائج مدارس کے قدیم نظام میں دوررس تبدیلیاں کیں اور ان مدارس کو نئے دور اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے سب سے اہم نام واحد ہاشم (1957-1900) کا ہے جو ہاشم اشعری کے صاحب زادے تھے۔ واحد ہاشم نے انڈونیشیا میں مدارس کا ایک نیا تعلیمی نظام متعارف کرایا، مدارس کے لیے ایک باقاعدہ نصاب تعلیم تیار ہوا اور درجہ بندی کے ساتھ اس کی تدریس و تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ واحد ہاشم نے لڑکیوں کی تعلیم کی اہمیت کو بھی محسوس کیا اور لڑکیوں کی تعلیم کے لیے الگ ادارے قائم کیے جہاں ان کی بہتر تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ خواتین سماج کا آدھا حصہ ہوتی ہیں انہیں بالکل بیکار نہیں چھوڑا جاسکتا۔ واحد ہاشم نے ان کی اہمیت کو بھی محسوس کیا اور نہضۃ العلماء کا ایک بازو مسلمات کے نام سے قائم کیا جو عورتوں میں کام کرے۔ اسی طرح نوجوان کسی بھی سماج کی اصل قوت ہوتے ہیں واحد ہاشم نے نوجوانوں کی قوت اور صلاحیت کو منظم کرنے کے لیے انصار کے نام سے نہضۃ العلماء کا نوجوان بازو تشکیل دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض ہوا انڈونیشیا بیسویں صدی کے وسط (1949ء) تک ہالینڈ کی کالونی رہا۔ بیسوی صدی کے آغاز میں انڈونیشیا کی آزادی کے لیے قومی تحریکوں کا آغاز ہوا تو نہضۃ العلماء نے بھی ان میں بھرپور حصہ لیا خاص طور پر ماشوی تحریک میں شامل رہی اور آزادی کے بعد اس نے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا خاص طور پر انڈونیشیا کی وزارت مذہبی امور کا قلمدان ایک طویل مدت تک نہضۃ العلماء کے رہنماؤں کے ہاتھ میں رہا۔ اس کے علاوہ بھی نہضۃ العلماء کے مختلف رہنما سیاست میں سرگرم رہے اور مختلف کابیناؤں کے رکن رہے جن میں ادہم خالد کا نام سب سے نمایاں ہے جو 1952ء میں انڈونیشیا کے پہلے نائب وزیر اعظم بنے۔ البتہ سیاست میں سرگرمی اور سیاست دانوں سے قربت نے اس دوران جب کہ انڈونیشیا میں ایک طرح کی جمہوری آمریت قائم تھی، نہضۃ العلماء کے مذہبی اور سماجی کردار کو مجروح بھی کیا جس کی وجہ سے 1980 کی دہائی میں ایک بار پھر تنظیم کو غیر سیاسی رخ دینے کی کوششیں ہوئیں اور اس میں بڑی حد تک کامیابی بھی ملی لیکن 1998 میں جنرل سوہارتو کی اقتدار سے بے دخلی کے بعد نہضۃ العلماء ایک بار پھر سیاست میں سرگرم ہوئی، اس کے سربراہ عبدالرحمان واحد نیشنل اویکینگ پارٹی بنا کر 1999ء کے انتخابات میں کامیاب بھی ہوئے اور دو سال تک انڈونیشیا کے صدر بھی رہے۔ البتہ سرگرم سیاست نہضۃ العلماء کو راس نہیں آئی، بہت جلد اس کا سیاسی بازو انتشار کا شکار ہو گیا اور اب ایک بار پھر نہضۃ العلماء نے 2010ء کے بعد سے خود کو سیاست سے پوری طرح الگ کر لیا ہے اور ایک سماجی مذہبی تنظیم کے طور پر کام کر رہی ہے۔

مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نہضۃ العلماء نے انڈونیشیا میں روایتی مذہبی علماء کی تنظیم کے طور پر اپنا سفر محمدیہ تحریک کے رد عمل کے طور پر شروع کیا۔ 1949ء میں انڈونیشیا کی آزادی تک اس کا کردار- خواہ مذہبی سماجی خدمات ہوں یا ملک کی آزادی کے لیے سیاسی

کوششیں- بہت ہی روشن رہا- البتہ آزادی کے بعد نامعلوم مصالح کے تحت نہضۃ العلماء سوہارتو کے آخری دور تک بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ارباب اقتدار کی حمایت کرتی رہی۔ اس کے اس رویے کے سبب نہضۃ العلماء کو اتنا فائدہ تو ضرور ملا کہ انڈونیشیا کی مذہبی بیوروکریسی پر اس کی گرفت مضبوط ہوگئی لیکن اقتدار سے قربت کے نتیجے میں تنظیم کے علماء میں اخلاقی زوال بھی دیکھنے کو ملا اور تنظیم کی عوامی ساکھ کو بھی نقصان پہنچا۔ 1983ء میں تنظیم کا سیاست سے الگ رہنے کا فیصلہ بھی سیاست سے اس کی وابستگی کو بالکل ختم نہیں کر سکا یہاں تک کہ 1998ء سے لے کر 2010 تک اس نے اپنے سیاسی بازو کے توسط سے انڈونیشیا کی سیاست میں بھرپور سرگرمی دکھائی۔ البتہ سیاست میں داخلے کا یہ فیصلہ بھی شاید درست نہیں تھا، اس دوران نہضۃ العلماء کی عوامی ساکھ کو مزید نقصان پہنچا۔ چنانچہ ایک بار پھر اس نے سیاست سے علیحدگی کا فیصلہ کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کب تک وہ اس فیصلے پر قائم رہتی ہے اور سماج و مذہب کی خدمت کے حوالے سے اپنے وقار کی بحالی میں کس حد تک کامیاب ہو پاتی ہے۔

3.3 نورسی تحریک

عالمی نقشے پر اگر نظر ڈالیں تو ترکی ایک ایسے مقام پر واقع ہے جہاں دو براعظم (ایشیا اور یورپ) ہی نہیں ملتے بلکہ دو تہذیبیں (مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب جو بنیادی طور پر عیسائی تہذیب ہے) بھی آپس میں ملتی اور ایک دوسرے سے لین دین کرتی نظر آتی ہیں۔ ایک طرف اسی راستے سے اسلامی تہذیب و ثقافت مشرقی یورپ کے ملکوں میں پہنچی تھی تو دوسری طرف اٹھارہویں صدی عیسوی تک یورپ کی نشاۃ ثانیہ نے اسے اس مقام تک پہنچا دیا تھا کہ اس کی تہذیب ترکی کے راستے مسلم دنیا پر اثر انداز ہونے لگی۔ 1727 میں ترکی میں پہلا پرنٹنگ پریس (چھاپہ خانہ) لگا، البتہ یہ ترکی کی تاریخ میں ایک اہم موڑ تھا۔ اس کے توسط سے چرچ اور ریاست کی علیحدگی کا مغربی تصور مسلم دنیا میں داخل ہوا۔ اور اس کے نتیجے میں ہی (کیونکہ ترکی کے طبقہ علماء نے مذہبی کتابوں کی پرنٹنگ پریس کے ذریعہ طباعت کی مخالفت کی تھی) مذہبی اور غیر مذہبی ادبیات کی تفریق عمل میں آئی اور ترکی کا پڑھا لکھا طبقہ قدیم و جدید میں تقسیم ہو گیا۔ قدیم و جدید کی اس تقسیم نے ترکی کو ایک ایسی ذہنی و فکری کشمکش سے دوچار کیا جو فوج کی اصلاح اور تنظیمات کے راستے سے ہوتی ہوئی بالآخر مصطفی کمال پاشا کے ذریعے ایک ایسے انقلاب پر منتج ہوئی جس کی بنیاد قدیم یعنی مذہب کو جدید یعنی لامذہبیت (زیادہ صحیح الفاظ میں مذہب مخالفت یا دشمنی) سے بدل ڈالنے کی کوشش پر تھی۔ ترکی میں کمالی انقلاب (مصطفی کمال پاشا کا لایا ہوا) کامیاب نہیں ہو سکا اور ترکی میں قدیم و جدید کی جو کشمکش تقریباً تین سو برس پہلے شروع ہوئی تھی آج بھی کسی منطقی نتیجے پر پہنچنے کے لیے کوشاں ہے۔ کمالی انقلاب جو قدیم و جدید کی کشمکش کا نقطۂ عروج قرار دیا جا سکتا ہے، اگر کامیاب نہیں ہوا تو اس کی بنیادی وجہ ترک معاشرے میں پیوست مذہب (اسلام) کی گہری جڑیں ہیں اور ان کی آبیاری دور جدید میں (کمالی انقلاب کے دوران اور اس کے بعد) ایک ایسی تحریک نے کی ہے جو نورسی تحریک کے نام سے دنیا بھر میں جانی جاتی ہے۔

3.3.1 پس منظر اور آغاز و ارتقا

اس میں شک نہیں کہ عثمانیوں کا نظام حکومت مذہب کے الہامی اصولوں پر مبنی نہیں تھا اور اپنے آخری دور میں استبداد کو جواز

فراہم کرنے کے لیے حکمرانوں نے مذہب کو سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے استعمال کیا تھا جس کا انتہائی نتیجہ مصطفی کمال پاشا کے ذریعہ انقلاب کی صورت میں برآمد ہوا۔ ترکوں کو اس انقلاب کا اس شدت کے ساتھ انتظار تھا کہ انہوں نے انقلاب کے لیڈر مصطفی کمال پاشا کو اتاترک (ترکوں کا باپ Father of the Turkish Nation) کا خطاب دے ڈالا۔ عثمانی استبداد سے ترکوں کا صرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہی نالاں نہیں تھا بلکہ ترکوں کے مذہبی طبقے میں بھی ایسے لوگ تھے جو عثمانی استبداد کو پسند نہیں کرتے تھے اور جنہوں نے مصطفی کمال پاشا کے انقلاب کی حمایت کی تھی۔ البتہ غور سے دیکھا جائے تو کمالی انقلاب کے بعد بھی ترکی کے حالات میں کوئی بہت بڑی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ انقلاب کے نتیجے میں بظاہر جدید اور نام کا جمہوری ترکی ضرور وجود میں آیا لیکن اس کی حیثیت یک جماعتی آمریت سے کچھ زیادہ نہ تھی جس میں تمام تر اختیارات مصطفی کمال پاشا کو حاصل تھے۔ انہوں نے جس استبداد اور آمریت کے خلاف انقلاب برپا کیا تھا اس کی کامیابی کے بعد خود بھی اسی راستے پر چل پڑے۔ انہوں نے بھی اپنے مخالفین کے خلاف وہی طریقے اور حربے استعمال کیے جو ان سے پہلے استعمال ہوتے رہے تھے۔

عثمانی حکومت کے استبداد سے جو لوگ نالاں تھے اور جنہوں نے ترکی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لیے کوشش کی ان میں مصطفی کمال پاشا اور ان کے ہم خیالوں کی طرح بعض دیگر شخصیات بھی تھیں، ان میں ایک نمایاں نام بدیع الزماں سعید نورسی کا ہے جنہوں نے تن تنہا اپنی ذات سے ترکی میں ایک ایسی تحریک برپا کر دی جس نے ترکی کو نہ صرف یہ کہ مصطفی کمال پاشا اور ان کے ہم نواؤں کے انتہا پسندانہ ردعمل سے بچا لیا بلکہ ترکی کے معاشرے کو اس کی بنیادی اسلامی مذہبی شناخت سے محروم نہ ہونے دینے میں ایک اہم رول ادا کیا۔ دنیا بدیع الزماں سعید نورسی کی اس تحریک کو ان کے نام کی نسبت سے نورسی تحریک کے نام سے جانتی ہے۔

3.3.2 بانی تحریک

بدیع الزماں سعید نورسی ترکی کے صوبے تبلیس (Bitlis) کے ایک گاؤں نورس میں 1877ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام میرزا بن علی بن خضر تھا اور والدہ کا نام نوریہ بنت ملا طاہر تھا۔ خود ان کا اصل نام سعید تھا، بدیع الزماں کا خطاب انہیں ان کی بے انتہا ذہانت اور اعلیٰ صلاحیتوں کی وجہ سے ان کے اساتذہ نے دیا تھا جو ہمیشہ کے لیے ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ اپنے وطن نورس کی نسبت سے نورسی کہلائے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اس کے بعد کچھ مزید روایتی تعلیم مقامی اور اطراف کے علماء سے حاصل کی، البتہ انہیں مطالعہ کا بچپن سے ہی بہت زیادہ شوق تھا، اس لیے کم عمری میں ہی بیشتر روایتی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کر لیا تھا۔ اسی دوران چودہ پندرہ برس کی عمر میں ان پر زہد و ریاضت کا غلبہ ہوا تو کچھ مدت خلوت نشینی میں مجاہدے اور ریاضت میں گزاری۔ بعد ازاں رشد و ہدایت کی ذمہ داریوں میں مشغول ہوئے اور اس کام کے لیے وان (ترکی کا ایک شہر) منتقل ہو گئے۔ وان میں بدیع الزماں سعید نورسی تقریباً پندرہ برس تک مقیم رہے۔ اس دوران انہوں نے رشد و ہدایت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے مطالعے کے شوق کو بھی جاری رکھا۔ یہاں پر انہوں نے مذہبی اور روایتی علوم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ جدید مغربی علوم کا مطالعہ بھی شروع کیا۔ وان میں قیام کے دوران انہوں نے تاریخ، جغرافیہ، ریاضی، طبعیات، جدید کیمیا، طبعیات الارض، ہیئت اور فلسفہ وغیرہ علوم کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، خاص طور پر علم ریاضی میں خصوصی

مہارت پیدا کرلی، ان علوم میں مہارت کی وجہ سے وان میں ان کا تعارف استاد بدیع الزماں سعید نورسی کے طور پر ہونے لگا۔ یہیں پر مطالعہ و تجربے کے دوران پہلی مرتبہ ان میں یہ احساس بھی پیدا ہوا کہ ان کے زمانے کا دینی تعلیمی نظام ناقص ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ مذہبی درسگاہوں میں دینی وشرعی علوم کے ساتھ ساتھ جدید سائنس اور حکمت کی تعلیم کو بھی شامل نصاب کیا جانا چاہیے۔ استاد سعید نورسی کے اندر یہ احساس اتنا شدید تھا کہ انہوں نے خود اپنے طور پر اس جانب پیش قدمی شروع کی۔ انہوں نے عثمانی خلافت کے مشرقی صوبے اناطولیہ میں قدیم وجدید تعلیم پر مشتمل ایک یونیورسٹی "مدینۃ الزہرا" کے نام سے بنانے کا منصوبہ اور خاکہ تیار کیا۔ اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے 1908ء میں انہوں نے عثمانی دارالحکومت استنبول کا سفر بھی کیا تاکہ اس کے لیے درکار وسائل فراہم کیے جاسکیں۔ انہوں نے سلطان سے ملاقات کر کے اس کے سامنے اپنے منصوبے کو رکھا اور سرکار عالی (عثمانی حکومت) سے مالی امداد حاصل کرنے میں انہیں کامیابی بھی مل گئی۔ البتہ اسی دوران عثمانی خلافت میں سیاسی اتھل پتھل اور پھر بعد ازاں پہلی عالمی جنگ نے ان کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہننے سے محروم کر دیا اور جامعۃ الزہرا کا ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔

بدیع الزماں سعید نورسی بنیادی طور پر درس و تدریس اور تبلیغ کے آدمی تھے اور اس کے لیے ان کی کوششیں جاری تھیں کہ پہلی عالمی جنگ نے انہیں مدرس سے مجاہد بنا دیا۔ روس کے خلاف جنگ میں انہوں نے بذات خود حصہ لیا اور ایک محاذ پر گرفتار ہو کر تقریباً دو برس تک قید کی زندگی گزاری۔ انقرہ میں نئی حکومت کے قیام کے بعد انہوں نے 13، اپریل 1920ء کو مجلس کبیر ملی (ترکی پارلیامنٹ) کے افتتاحی اجلاس میں شرکت کی۔ البتہ جب نئی حکومت کے عزائم ان پر واضح ہوئے تو انہوں نے سیاست سے علیحدگی اختیار کرلی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے دعوت و اصلاح کے کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ ان کی زندگی میں تبدیلی کا اہم موڑ تھا اور خود انہوں نے اس سے پہلے کی زندگی کو سعید قدیم اور اس کے بعد کی زندگی کو سعید جدید کے ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

ترکی میں انقلاب کے بعد مصطفی کمال پاشا نے اصلاحات کے نام پر مذہب اور مذہبی اداروں کی مخالفت اور انہیں ختم کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا، استاد بدیع الزماں سعید نورسی سیاسی اصلاحات کے حامی ہونے کے باوجود ان معاملات میں اس کا ساتھ نہیں دے سکے بلکہ انہوں نے اس کے ان اقدامات کی خاموشی کے ساتھ مخالفت کی جس کی وجہ سے انقرہ کی حکومت ان کی سخت مخالف ہو گئی۔ لہٰذا ان کی زندگی کے آئندہ تقریباً 30 برس قید و بند، نظر بندی اور ابتلا و آزمائش میں گزرے۔ البتہ اسی ابتلا و آزمائش کے دوران انہوں نے رسائل نور (بنیادی طور پر یہ رسائل قرآن مجید کی متفرق آیات کی تشریح و تفسیر پر مبنی ہیں) کی تالیف اور اپنے طلبہ (جو طلبہ نور کے نام سے معروف ہیں) کی تربیت کے ذریعہ ترکی میں مذہب اور مذہبی اقدار کے تحفظ کے حوالے سے ایک ایسا انقلاب برپا کرنے میں کامیابی حاصل کی جس نے کمالی انقلاب کی تمام سطوت و شوکت اور طاقت کے باوجود ترکی کو اس کی مسلم مذہبی شناخت سے محروم نہیں ہونے دیا۔ سیاسی جبر کے دوران، جب ترکی میں واحد سیاسی پارٹی نظام جاری رہا، انہوں نے حکومت سے براہ راست ٹکراؤ کے بجائے خاموشی کے ساتھ ایک ایسے لائحۂ عمل پر اپنا سفر جاری رکھا جو ترکی میں مذہب اسلام اور مذہبی اقدار کی بقا کا ضامن ہوا۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ 1950ء میں ترکی میں کثیر جماعتی سیاسی نظام متعارف ہونے کے بعد مختلف دستوری رکاوٹوں کے باوجود اسلامی بیداری کی ایک لہر وجود میں آئی جس نے یہ ثابت کر دیا کہ ترکی میں

کمالی انقلاب ناکام رہا اور اب ترکی ایک ایسے سفر پر گامزن ہے جہاں دستوری رکاوٹوں کی وجہ سے مذہب و لامذہبیت کے درمیان کشمکش تو ضرور جاری ہے لیکن ترکی میں مذہب کی جڑیں اتنی مضبوط ہو چکی ہیں کہ اسے ترک معاشرے اور سیاست سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ترکی آج جس مقام پر ہے اس میں اسے مغرب سے حذر تو نہیں لیکن وہ مشرق سے بے زار بھی نہیں، بلکہ مشرق کی طرف اس کی دل چسپی میں اضافہ ہوا ہے، اسے اس مقام تک پہنچانے میں سعید نورسی اور ان کے طلبہ نور کی کوششوں کا رول انتہائی اہم ہے۔ استاد بدیع الزماں سعید نورسی اپنی پوری زندگی خاص طور پر 1925ء کے بعد سے 23، مارچ 1960 میں اپنی وفات تک انہوں نے مشکلات اور مصائب کے باوجود دعوت و اصلاح کے کام کے لیے بھرپور جدوجہد کی اور جدید ترکی میں مذہب اور مذہبی اقدار کی بقا کا اہم کارنامہ انجام دیا۔

3.3.3 نورسی تحریک کی خدمات

نورسی تحریک ان معنوں میں کوئی منظم تحریک نہیں ہے کہ اس کا کوئی متحدہ پلیٹ فارم، دستور اور قیادت ہو بلکہ یہ ایک ایسی کوشش ہے جسے مذہب اور مذہبی اقدار کے دفاع و تحفظ کے لیے استاد سعید نورسی نے شروع کیا اور جسے ان کے طلبہ یا ان کے طلبہ کے شاگرد اور متاثرین آج مختلف تنظیمی ناموں اور اداروں کی شکل میں جاری رکھے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے طور پر مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ یہاں پر ہم نورسی تحریک کی ان خدمات کا ایک مختصر تعارف کرانا چاہیں گے جو اس نے ترکی میں تحفظ و دفاع اسلام کے حوالے سے انجام دی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ عثمانی حکومت میں سیاسی جبر و استبداد تھا، ترکی میں جو لوگ اس کے خلاف تھے ان میں مصطفی کمال اور ان کے ساتھیوں کے علاوہ علماء کا ایک طبقہ بھی تھا جس میں ایک نمایاں نام سعید نورسی کا ہے لیکن مصطفی کمال نے جدید ترکی میں جس طرح کے اقدامات کیے اور جو اصلاحات نافذ کیں وہ ترک سماج کے مزاج اور طبیعت کے خلاف تھیں۔ چنانچہ نورسی تحریک نے ان اقدامات کی مخالفت اور ان اصلاحات پر عمل نہ کرکے ترکی کے بنیادی کردار کی حفاظت میں اہم رول ادا کیا۔ نورسی تحریک کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انتہائی حکمت اور کامیابی کے ساتھ ترکی کے سماج کے اندر اسلام کی شمع کو روشن رکھا۔ اس نے حکومت سے ٹکراؤ اور تصادم کا راستہ نہیں اختیار کیا اور نہ ہی اپنا کوئی سیاسی ایجنڈا ترتیب دیا بلکہ خاموشی کے ساتھ اسلام کی دعوت عام لوگوں کے سامنے پیش کی۔ یہاں اس بات کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ نورسی تحریک کی سیاست سے بے تعلقی ترکی کے مخصوص حالات کے تقاضے کے تحت تھی نہ کہ صوفی رجحان کے سبب۔ کیونکہ ترکی کا آئین مذہب کے نام پر کسی طرح کی سیاسی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتا۔

نورسی تحریک کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ جدید ترکی کے حکمرانوں نے عربوں کی مخالفت اور دشمنی میں عربی زبان، جو قرآن کی زبان ہے، کی بھی مخالفت کی اور اس پر پابندی عائد کردی، نورسی تحریک نے ترکی کے لوگوں میں پہلے قرآن مجید کی اہمیت کو اجاگر کیا اور پھر اس بات کو ان میں عام کیا کہ قرآن مجید کے پیغام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے اس کا عربی زبان میں پڑھا جانا ضروری ہے۔ کسی دوسری زبان میں ترجمے کی مدد سے قرآن مجید کو پوری طرح نہیں سمجھا جاسکتا۔ خود بانی تحریک نے قرآن مجید سے محبت کو ترک عوام میں فروغ دینے کے لیے رسائل نور کی شکل میں قرآنی تعلیمات کو لوگوں کے اندر عام کیا۔

جدید ترکی کے حوالے سے نورسی تحریک کی ایک اہم خدمت یہ ہے کہ اس نے ترکوں میں محبت قرآن اور قرآنی تعلیمات کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ صاحب قرآن محمد رسول عربیؐ سے محبت اور پھر محبت رسول کے تقاضوں سے ترک سماج کو آشنا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ رسائل نور میں متعدد مقامات پر اللہ کے رسولؐ کی ذات وحیات کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ان کا پڑھنے والا حضور پر نورؐ کا شیدائی بن جائے۔

نورسی تحریک کی ایک بڑی خدمت یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے کاموں اور لٹریچر کے ذریعہ ترکی کے اندر کمیونزم، فری میسن اور قوم پرستی جیسی تحریکات کے فروغ پر قدغن لگانے کی بڑی حد تک کامیاب کوشش کی۔ رسائل نور کے اندر کمیونزم اور فری میسن کو ایسی تحریکات اور نظریات سے تعبیر کیا گیا ہے جو مذہب اسلام اور اسلامی عقائد کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔ اسی طرح قوم پرستی کے عفریت کو ایک ایسی بیماری سے تعبیر کیا گیا جو فرنگیوں (انگریزوں) نے مسلمانوں کو لگائی ہے اور جس کی وجہ سے انہوں نے مسلم قوم اور ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیابی حاصل کی۔ رسائل نور میں قرآنی تعلیم کے مطابق انسانوں کی قوموں اور قبیلوں میں تقسیم تعارف اور باہمی تعاون کے مقصد سے ہے۔ جھگڑے نفرت اور دشمنی سے اسے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

3.4 رسائل نور ایک مختصر تعارف

نورسی تحریک کے مطالعے کے دوران طلبہ نور اور رسائل نور جیسے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ طلبہ نور سے یہ سمجھنا تو آسان ہے کہ اس سے مراد نورسی تحریک اور اس کے افراد ہیں۔ البتہ رسائل نور کے حوالے سے طلبہ کے ذہن میں سوالات پیدا ہو سکتے ہیں اس لیے ذیل میں ان کا مختصر تعارف درج کیا جاتا ہے:

رسائل نور بنیادی طور پر ایسے رسائل کا مجموعہ ہیں جو قرآن مجید کی متفرق تعلیمات کی تشریح وتفسیر پر مبنی ہیں۔ کم وبیش 130 رسائل پر مبنی رسائل نور قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر وتشریح ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں جس میں ان سوالات اور اعتراضات کا جواب دینے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے جو سائنس اور فلسفے خاص طور پر مادی اور اثباتی فلسفے کے نام پر اسلام پر کیے جاتے ہیں۔ ان میں ایسا مثبت اور دل نشین پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ ان کے مطالعے سے جدید تعلیم یافتہ ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک وشبہات ہی رفع نہیں ہوتے بلکہ یہ اپنے قاری کو اسلام کا گرویدہ اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے والا بھی بنا دیتے ہیں۔ 130 رسائل پر مشتمل رسائل نور کو چار مجموعوں کی شکل میں شائع کیا گیا ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

1. مجموعہ سوزلر (sozler) یعنی کلمات: 720 صفحات پر مشتمل رسائل نور کا یہ سب سے زیادہ ضخیم مجموعہ ہے۔ اس میں 33 کلمات ہیں۔ یہ انقرہ یونیورسٹی سے پہلی بار 1957ء میں شائع ہوا تھا۔
2. مجموعہ لملر (lemalar) یعنی لمعات: یہ مجموعہ 430 صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں 31 لمعات شامل ہیں۔ رسائل نور کے اس مجموعے کو بھی انقرہ یونیورسٹی نے پہلی بار 1957ء میں شائع کیا تھا۔

3. مجموعہ مکتوبات (Letters): اس مجموعے کی ضخامت 500 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں استاد بدیع الزماں سعید نورسی کے 33 طویل خطوط ہیں جو مختلف موضوعات کی تشریح و تفسیر کرتے ہیں۔ 1958ء میں یہ مجموعہ انقرہ سے پہلی بار شائع ہوا۔

4. مجموعہ شاعلر (Sualar) یعنی شعاعیں (Rays): یہ مجموعہ 14 اشعاعوں پر مشتمل ہے اور اس کی ضخامت 495 صفحات ہے۔ 1959ء میں یہ مجموعہ پہلی بار استنبول سے شائع ہوا تھا۔

ان مجموعوں میں ان کے علاوہ بعض اضافی چیزیں مثلاً بعض خطبات اور ضمیمے وغیرہ بھی شامل ہیں۔ سعید نورسی کے کورٹ مارشل اور بعض دیگر مقدمات کی کاروائیاں بھی ان میں موجود ہیں۔ حال کے دنوں میں رسائل نور کے ان تمام مجموعوں کو ایک جگہ کلیات رسائل نور کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ عربی انگریزی اور اردو سمیت دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے مکمل یا منتشر ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

3.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- نہضۃ العلماء کا باقاعدہ قیام 1926 میں عمل میں آیا، اس تنظیم کے محرک اول عبدالوہاب حسب اللہ تھے البتہ اس کا پہلا صدر ہاشم اشعری کو بنایا گیا۔ نہضۃ العلماء میں صدر کو رئیس اکبر کے نام سے جانا جاتا ہے۔
- نہضۃ العلماء انڈونیشیا میں روایتی علماء کی ایک ایسی تنظیم ہے جس نے نہ صرف علماء کے اندر بیداری پیدا کی جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے (نہضۃ العلماء یعنی علماء کی بیداری) بلکہ اس تنظیم کا انڈونیشیا کی قومی بیداری اور آزادی کی تحریک میں بھی اس کا رول بہت اہم رہا ہے، اس تنظیم نے انڈونیشیا میں سیاسی بیداری کی تحریک شرکت اسلام پارٹی میں شمولیت کے ذریعہ عوامی بیداری میں بھرپور تعاون کیا۔
- نورسی تحریک کے رہنما بدیع الزماں سعید نورسی ہیں۔ آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مخالف حالات کے باوجود مغرب زدہ ترکی میں نہ صرف اسلام کے چراغ کو جلائے رکھا بلکہ اپنے طلبہ اور وسائل کی مدد سے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ترکی ایک بار پھر اسلام سے وابستہ اپنے ماضی کی دریافت کے راستے پر گامزن ہے۔
- عثمانی حکومت کے استبداد سے جو لوگ نالاں تھے اور جنہوں نے ترکی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لیے کوشش کی ان میں مصطفی کمال پاشا اور ان کے ہم خیالوں کی طرح بعض دیگر شخصیات بھی تھیں، ان میں ایک نمایاں نام بدیع الزماں سعید نورسی کا ہے جنہوں نے تن تنہا اپنی ذات سے ترکی میں ایک ایسی تحریک برپا کر دی جس نے ترکی کو نہ صرف یہ کہ مصطفی کمال پاشا اور ان کے ہم نواؤں کے انتہا پسندانہ ردعمل سے بچالیا بلکہ ترکی کے معاشرے کو اس کی بنیادی اسلامی مذہبی شناخت سے محروم نہ ہونے دینے میں ایک اہم رول ادا کیا۔

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

3.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. آبادی کے لحاظ مسلم دنیا کا سب سے بڑا ملک کون سا ہے؟

(a). انڈونیشیا (b). عمان (c). دبئ (d). بنگلہ دیش

2. نہضۃ العلماء کا قیام کب ہوا؟

(a). 1926ء (b). 1920ء (c). 1950ء (d). 1972ء

3. نہضۃ العلماء کا پہلا صدر کس کو بنایا گیا؟

(a). ہاشم اشعری (b). عبدالوہاب (c). واحد ہاشم (d). محمد عبدہ

4. انڈونیشیا کے مسلمانوں کا اکثریتی مسلک کون سا ہے؟

(a). شافعی (b). حنفی (c). مالکی (d). حنبلی

5. انڈونیشیا میں مدارس کا ایک نیا تعلیمی نظام کس نے متعارف کروایا؟

(a). ہاشم اشعری (b). عبدالوہاب (c). واحد ہاشم (d). محمد عبدہ

6. نہضۃ العلماء نے سیاست سے کب دوری اختیار کی؟

(a). 2010ء (b). 1926ء (c). 2021ء (d). 2015ء

7. Father of the Turkish Nation کو خطاب کس کو ملا؟

(a). مصطفیٰ کمال پاشا (b). سعید نورسی (c). طیب اردگان (d). فتح اللہ گولن

8. بدیع الزماں سعید نورسی کب پیدا ہوئے؟

(a). 1877ء (b). 1920ء (c). 1924ء (d). 1900ء

9. رسائل نور کے مصنف کون ہیں؟

(a). مصطفیٰ کمال پاشا (b). سعید نورسی (c). طیب اردگان (d). فتح اللہ گولن

10. نہضۃ العلماء میں صدر کو کیا کہا جاتا ہے؟

(a). رئیس اکبر (b). امیر (c). امام زماں (d). سب غلط

3.6.2 مختصر جوابی سوالات

1. واحد ہاشم کی انڈونیشیا میں تعلیمی کوششوں کا جائزہ لیجیے۔
2. نورسی تحریک کے پس منظر پر نوٹ لکھیے۔
3. نہضۃ العلماء کا پس منظر بیان کیجیے۔
4. سعید نورسی کی ابتدائی زندگی پر مختصر مضمون لکھیے۔
5. رسائل نور کا تعارف پیش کیجیے۔

3.6.3 طویل جوابی سوالات

1. نہضۃ العلماء کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالیے۔
2. نہضۃ العلماء کے لائحہ عمل اور دائرہ اثر پر مضمون لکھیے۔
3. نورسی تحریک کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

3.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. انڈونیشیا	:	شاہد رزاقی
2. جدید ترکی میں اسلامی بے داری	:	عبید اللہ فہد
3. مغربی افریقہ میں اسلام	:	شیث محمد اسماعیل اعظمی
4. استاد بدیع الزماں سعید نورسی	:	ثروت صولت

اکائی 4: عالم اسلامی کی تحریک: اخوان المسلمون (حصہ اول)

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید
4.1 مقاصد
4.2 اخوان المسلمون: ایک تعارف
4.2.1 قیام تحریک
4.2.2 میر کارواں: امام حسن البناؒ
4.2.3 تحریک کی اساس: تعمیر ملت
4.2.4 دین وسیاست کا امتزاج
4.2.5 تحریک اخوان کا تربیتی میدان
4.2.6 فکری اصلاح
4.2.7 عقیدۂ توحید کا تصور
4.2.8 افراد سازی
4.2.9 تعلیمی اصلاح
4.2.10 لٹریچر (ادب)
4.2.11 صحافت
4.3 اکتسابی نتائج
4.4 نمونہ امتحانی سوالات
4.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
4.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

4.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

4.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

بیسویں صدی میں عالم اسلام میں جو تحریکات، جماعتیں اور مختلف ادارے قائم ہوئے، ان میں ایک اہم جماعت "اخوان المسلون" ہے۔ خلافت اسلامیہ کے زوال کے بعد سے ہی یہ خیال ذہنوں میں راسخ کیا جانے لگا کہ اللہ کے رسول ﷺ جو اسلام لے کر آئے تھے، وہ صرف انسان کی انفرادی زندگی سے بحث کرتا ہے، اس کا تعلق اجتماعی زندگی سے نہیں ہے۔ نیز دور جدید کی چکا چوندھ کی ترقیون کے میدان میں اگر مسلمان اپنی شراکت داری ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ مغربی نظام زندگی کی پیروی کریں۔ اخوان المسلمون نے اس نظریہ کے خلاف زبردست محاذ آرائی کی اور مغربی نظام زندگی کو چیلنج کرتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ اسلام انسانی زندگی کے تمام گوشوں میں رہنمائی کے لیے آیا ہے، لہذا انفرادی زندگی کے ساتھ اجتماعی زندگی اور نظام سیاست بھی اس کا موضوع ہے، بلکہ اسلام کی مکمل تنفیذ کے لیے نظام سیاست کو اس کا اہم حصہ سمجھنا ضروری ہے۔

اس اکائی میں "اخوان المسلمون" کا تاریخی پس منظر، مقاصد، فکری بنیادیں اور زندگی کے مختلف میدانوں: فکر وعقیدہ، نظام تعلیم، افراد سازی، سیاست، صحافت اور اقتصادیات میں اس تحریک نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد آپ کو عالم اسلام کی اہم تحریک "اخوان المسلمون" سے روشناس کرانا ہے کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے مقصد سے اٹھنے والی یہ تحریک کن حالات میں منظر عام پر آئی ہے، اس کی فکری بنیادیں کیا تھیں، اس نے زندگی کے کن محاذ میں اپنے دوررس اثرات مرتب کیے ہیں اور اس کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کئے اس سے آگاہی حاصل ہوگی۔

4.2 اخوان المسلمون: ایک تعارف

بیسویں صدی کے نصف تک اخوان المسلمون شرق اوسط کی سب سے بڑی اسلامی تحریک کے طور پر عالم اسلام اور دیگر حلقوں میں متعارف ہو چکی تھی۔ اس تحریک کے بانی امام حسن البنا شہید ہیں جن کو 1949ء میں شہید کر دیا گیا۔ اس تحریک کا مقصد مکمل اسلامی نظام حیات کا نفاذ ہے جس کے لئے انہوں نے اسلامی نظام حکومت کا قیام، نئی نسل کی اسلامی نہج پر تربیت، عالم اسلام اور مسلمانوں کو مغرب کی غلامی سے آزاد کرانا، مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کو درست کرنا، انسانوں تک انسانیت کا پیغام پہنچانا اور حقوق انسانی کا تحفظ اپنا نصب العین بنایا۔

4.2.1 قیام تحریک

انقلاب قومیت، آزادی، جمہوریت اور سیکولرازم وہ اسباب ہیں جنہوں نے اسلامی نظام حیات پر زبردست چوٹ پہنچائی ہے۔ نیز خلافت عثمانیہ کے زوال سے عالم اسلام کو گہرا صدمہ لگا، جس سے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ایسے اسباب رونما ہوئے، جو بیداری اور ترقی کے نام پر ان کو جاہلیت اور مذہب بیزاری کی طرف لے جارہے تھے۔ زوال خلافت کے بعد عربوں اور مصر میں قومیت اور وطنیت کے نعرے بلند ہونے لگے۔ سعد زغلول کے نعرہ "الدین للله والوطن للجمیع" کو فروغ ہوا، وطنی تحریک نے وطن پرستی کی آڑ میں اور ترکوں کی تنسیخ خلافت کو بہانہ بنا کر الحاد، زندقہ، آوارہ خیالی اور مغرب پرستی کو ہوا دی۔ نتیجۃً اسلام اور تجدد (یا صحیح لفظوں میں مغرب پرستی) کی طویل اور دوررس نتائج کی حامل کشمکش کا آغاز ہوا۔ آزاد خیالی، ترقی پسندی اور تحریک نسواں نے اپنا سر اٹھانا شروع کر دیا تھا، چنانچہ مصر میں ایسے اہل قلم کی ایک کھیپ تیار ہوگئی، جو کھلم کھلا اس بات کا دعوی کرتے تھے کہ اسلا کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ علی عبدالرزاق کی کتاب "الاسلام واصول الحکم" (اسلام اور اصول حکمرانی) اسی مکتب فکر کی ترجمان تھی، جس میں دکھایا گیا کہ اسلام کا سیاسی امور سے کوئی تعلق نہیں ہے، دین صرف انسان کی روحانیت پر زور دیتا ہے۔ عورتوں کی آزادی اور فکر و نظر کی وسعت کے نام پر مغرب زدہ مفکرین کھلے عام اسلامی تعلیمات پر حملے کرنے لگے۔ اس فکر کی ترجمانی کرتے ہوئے قاسم امین نے "تحریر المرأة" (عورت کی آزادی) تیار کی، طہٰ حسین نے "مستقبل الثقافة فی مصر" (مصر میں ثقافت کا مستقبل) لکھ کر لوگوں کو یہ باور کرایا کہ عالم اسلام کی ترقی کا راز اسی میں چھپا ہے کہ مغرب کی مکمل پیروی کی جائے۔

ان حالات میں دین کا محاذ کمزور اور منفی نوعیت کا تھا۔ جمال الدین افغانی، محمد عبدہ اور رشید رضا وغیرہ نے اس مشن کو سنبھالا، لیکن ان کے بعد مصطفی صادق رافعی کو چھوڑ کر اس طوفان اباحیت کا خود اعتمادی سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ ان پرسوز حالات میں غیرت حق کو جنبش ہوئی اور محمودیہ کے ایک نوجوان سے مشیت ایزدی نے وہ کام لیا جو بڑے بڑے علماء وصلحاء سے بھی نہ ہو سکا۔ اس نوجوان کا نام امام حسن البنا تھا۔

4.2.2 میر کارواں: امام حسن البناؒ

حسن البنا 1906ء میں محمودیہ میں پیدا ہوئے۔ گھر کا ماحول خالص اسلامی تھا۔ ان کے والد شیخ احمد عبدالرحمان البنا کا پیشہ اگرچہ گھڑی سازی تھا مگر وہ خود بہت بڑے عالم تھے۔ فقہ وحدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی تربیت کا اثر ان کے صاحبزادے میں صاف جھلکتا ہے۔ حسن البنا بچپن سے ہی بہت دیندار اور برائیوں سے دور رہتے تھے۔ ان حالات میں جب انہوں نے زندگی کے میدان میں قدم رکھا اور نہایت پامردی کے ساتھ دعوت واصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے حسن البنا کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ سماجی برائیوں کی روک تھام تھا۔ بلوغت سے قبل ہی جب وہ مدرسۃ الرشاد الدینیہ کے طالب علم تھے، انہوں نے چند طلبہ کے ساتھ مل کر "جمعیة منع المحرمات" (انجمن انسداد محرمات) کی بنیاد ڈالی۔ اس انجمن کے ممبر کو جس شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے، ناپ تول میں کمی کرتا ہے، یا کسی دوسرے اخلاقی جرائم میں مبتلا ہے، اس کو خط لکھ کر تنبیہ کی جاتی اور خوف خدا کی یاد دہانی کرائی

جاتی۔اسی طرح جب اعلی تعلیم کے حصول کے لئے آپ قاہرہ گئے تو وہاں ''جمعیۃ مکارم الاخلاق'' کے ممبر کی حیثیت سے اصلاحی سرگرمیوں میں شریک ہوئے۔چند دنوں کے بعد انہوں نے ازہر کے چند طلبہ کے ساتھ بازاروں اور قہوہ خانوں میں وعظ وارشاد اور درس وتدریس کی ذمہ داری انجام دینے کا کام شروع کیا۔مارچ 1928ء میں جب حسن البنا کی عمر اکیس سال تھی،6افراد پر مشتمل ایک وفد انہی کے گھر(اسماعیلیہ)میں جمع ہوا اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے آپسی عہد وپیمان کے بعد تحریک ''الاخوان المسلمون''(مسلمان بھائی)کی بنیاد ڈالی۔پانچ سال تک اخوان المسلمون نے اپنی کوششوں کا دائرہ مساجد میں وعظ و تلقین علاقائی سطح پر اصلاحی سینٹر کا قیام، گاؤں اور قصبات کے لوگوں کو دین کی دعوت تک محدود رکھا۔اس کے بعد 1933ء میں یہ ایک عالم گیر تحریک کی حیثیت سے منظر عام پر آئی۔

4.2.3 تحریک کی اساس:تعمیر ملت

اخوان کا نصب العین روئے زمین پر مکمل اسلامی نظام حیات قائم کرنا ہے، جس کے لئے انہوں نے امت مسلمہ کی تعمیر اسوۂ مصطفوی پر لازم قرار دیا۔اس تعلق سے استاذ حسن البنا کی تحریر نقل کرتے ہیں:

''جو امت تعمیر ملت کے لئے کوشاں ہو، قوموں کی تربیت اس کا نصب العین ہو،اصولوں کی حمایت جس کا مقصد زیست ہو اور جو اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھنا چاہتی ہو یا کم از کم جو جماعت ان چیزوں کی داعی ہو، اس کے لئے زبردست باطن قوت کی ضرورت ہے۔ضروری ہے کہ اس کے اندر ایسی محکم قوت ارادی ہو جو کمزوری سے ناآشنا ہو۔اس میں ایسی محکم اور ٹھوس وفاداری ہو جو تلون سے مامون اور بے وفائی سے کوسوں دور ہو، جو حرص سے بیگانہ اور بخل سے بیزار ہو، جسے عزیز سے عزیز پونجی بھی قربان کردینے میں کوئی تامل نہ ہو۔اسے اپنے اصولوں کی ایسی جانکاری، ان پر ایسا ایمان اور ان کی قدر وقیمت کا ایسا شعور ہو کہ ان کے سلسلہ میں کبھی اس سے بھول نہ ہو''۔

(اخوان المسلمون۔مقصد۔مراحل۔طریق کار، مصنف پروفیسر سعید حوی، مترجم عبید اللہ فہد فلاحی، ص۔27)

4.2.4 دین وسیاست کا امتزاج

اخوان المسلمون کی فکری بنیادوں میں ایک اہم فکر یہ تھی کہ دین اور سیاست دو الگ چیزیں نہیں ہیں، دونوں لازم ملزوم ہیں،ان کے درمیان تفریق کا تصور اسلام کو تحریف کرنے کی ناکام کوشش ہے۔اخوان کے خاص نشان (Logo)میں اوپر کے حصہ میں قرآن مجید، بیچ میں تلوار کی تصویر اور سب سے نیچے قرآن کریم کی آیت ''وأعدو''کندہ ہے۔جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بیک وقت روحانی اور سیاسی دونوں قوت سے تعبیر ہے اور شریعت اسلامیہ کا مکمل نفاذ اسی وقت ممکن ہے جب دین وسیاست کا حسین سنگم ہو۔اخوان کے بانی امام حسن البنا نے اس فکر کو اپنی کتابوں اور مضامین میں جگہ جگہ واضح کیا ہے۔ان کے رسائل کو ان کی اہم تحریروں شمار کیا جاتا ہے، جن سے اخوانی تحریک کی بنیادی فکر اور فلسفہ ومقاصد کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ان میں سے کچھ اہم رسائل کا اردو ترجمہ مولانا عنایت اللہ اسد سبحانی نے ''مجاہد کی اذاں'' کے نام سے کیا ہے۔اس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اسلام جہاں ایک سچا عقیدہ ہے، ایک عبادت ہے، وہیں ایک ہمہ گیر نظام بھی ہے، جس کے دائرے سے زندگی کا کوئی گوشہ خارج نہیں؛ چنانچہ وہ حکومت وریاست کی باگ دوڑ بھی سنبھالتا ہے اور تعمیر وطن اور تشکیل امت کے لئے بھی جدوجہد کرتا ہے۔وہ اخلاق اور

رأفت ورحمت کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور قوت اور قانون عدل کا تازیانہ بھی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ وہ علم وثقافت کے گیسو بھی سنوارتا ہے اور فضل وقضا کی کرسی پر بھی نظر آتا ہے۔ وہ حصول رزق اور کسب مال راہیں بھی نکالتا ہے اور دولت وثروت کے خزانے بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ ایک دعوت اور ایک نظریہ بھی ہے اور ایک جہاد اور ایک لشکر بھی۔" (مجاہد کی اذاں۔ حسن البنا، ترجمہ: عنایت اللہ اسد سبحانی، ص۔ 46،47)

دین وسیاست کی جامعیت کا یہ نظریہ دراصل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مأخوذ ہے: جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر بنانے کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنا حصہ فراموش نہ کر۔ احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش نہ کر، اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ (ترجمہ سورہ قصص، آیت 77) جیسا کہ اس آیت میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ آخرت کے حصول کی کوشش کے ساتھ دنیوی زندگی سے بھی فائدہ اٹھانے کی تلقین کی گئی ہے، پھر اسلام کے بارے میں یہ تصور کیسے ممکن ہو گیا کہ روحانیت کی دعوت تو دیتا ہے؛ لیکن دنیا کو اپنی بحث کا حصہ نہیں سمجھتا اور اس بارے میں کوئی رہنمائی فراہم نہیں کرتا ہے۔

اخوان کے سیاسی نظریات کیخلاف جب چرچا شروع ہوا تو معترضین اور اسلام مخالف عناصر نے ایک سوال یہ بھی رکھا کہ اگر اخوان المسلمون اسلامی نظام حکومت قائم کرتی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ اس نظام حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کی پامالی ہو گی، ان کا وجود محال ہو جائیگا؛ کیوں کہ اخوان خالص قرآنی بنیادوں پر حکومت اسلامیہ کا قیام چاہتی ہے۔ اس موقع پر اخوان کے بانی حسن البنا نے یہ واضح کیا کہ اسلام کا پر حکمت دستور مقدس (قرآن کریم) اقلیتوں کی حفاظت اور حقوق کی ایک بہت واضح اور بین دفعہ لے کر آیا ہے: "جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کیا ہے اور نہ تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہے، ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل وانصاف کا معاملہ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا ہے، بلکہ وہ تو انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (ترجمہ: سورہ ممتحنہ، آیت،8) یہ صریح حکم اقلیات کی حفاظت ہی پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کی بھی تلقین کرتا ہے۔

4.2.5 تحریک اخوان کا تربیتی میدان

جیسا کہ اوپر یہ واضح کیا گیا ہے کہ اخوان المسلمون نے تربیت واصلاح کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس کے لئے ایک مکمل لائحہ عمل کی ضرورت ہے، اس ضرورت کے تحت اخوانیوں نے زندگی کے ہر میدان کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنایا اور ان میں بڑی بڑی خدمات انجام دی ہیں ان میں سے کچھ میدانوں کا تذکرہ مندرجہ ذیل میں کیا جارہا ہے:

4.2.6 فکری اصلاح

فکر وعقیدہ اس تحریک کی سرگرمیوں کا سب سے اہم میدان ہے۔ حسن البنا نے ابتدا سے اس پر توجہ دی کہ قرآن کریم کی آیات، سیرت رسول اکرم ﷺ، احادیث اور صحابہ کرام کے ایمان وعمل کے واقعات سنا کر عوام الناس کے ذہن ودماغ کو جلا بخشی جائے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو سمجھنے کے لئے فلسفیانہ نظریات منطقی قیاس آرائیوں سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت

نہیں ہے۔ بلکہ کائنات کے اندر ذات باری کی عظمت و کبریائی کی جو بے شمار نشانیاں ہیں، مخلوق کے اندر صفات خداوندی کی جو جلوہ آرائیاں ہیں، لوگوں کے ذہن کو ان چیزوں کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے۔ اسی اسے وہ خالق حقیقی کو مکمل طور پر پہچان سکتے ہیں۔ حسن البنا کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب تک وہ ذہنوں میں صحیح اور صالح عقیدہ تعمیر نہ کر دیتے، تب تک کسی فاسد اور غلط عقیدہ کو پاش پاش نہ کرتے؛ کیونکہ تعمیر کے بعد انہدام جتنا آسان تر ہے، تعمیر سے پہلے اتنا ہی دشوار تر۔ عصر جدید کے عظیم اسلامی مفکر اور اخوان المسلمون کے فکری رہنما لکھتے ہیں:

"وہ (امام حسن البنا) پوری توجہ اس بات پر صرف کرتے تھے کہ دلوں میں اللہ کی معرفت جڑ پکڑے، وہ اپنے رب کی رحمتوں سے متوقع، اس کی انعامات کا امیدوار اور اس کے غضب اور اس کی سزاؤں سے خائف رہے؛ اس کا دست سوال اسی کی طرف اٹھے، بھروسہ اسی پر کرے۔ محبت ہو تو اسی سے، خوشنودی کی طلب ہو تو اس کی، اسی کے قرب سے سکون وطمانیت حاصل کرے، اسی کی یاد میں اسے لذت وفرحت کا احساس ہو: ألا بذكر الله تطمئن القلوب (سورہ رعد: 28) سن لو ! اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔" (اخوان المسلمون کا تربیتی نظام، علامہ یوسف القرضاوی، ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی، ص: 23)

4.2.7 عقیدہ توحید کا تصور

عقیدہ وایمان کی قوت کا میزان رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی حالت ہے۔ اسی طرح عقیدہ کی صحت اور اس کی درستگی کی اصل کسوٹی وہ ہے جو رسول اکرم اور آپ کے صحابہ کی زندگی سے ہمیں ملتی ہے۔ امام شہیدؒ نے اس کے لئے 6 عناصر کا ذکر کیا ہے:

اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالی کی ذات واجب الوجود ہے، وہ ہر طرح کے صفات کمال سے متصف ہے۔ اپنی ذات وصفات میں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اس کی ذات سے ان تمام صفات کی نفی کرنا جس میں کسی قسم کا تشبہ، یا جن صفات سے اس کی ذات میں کسی قسم کا نقص محسوس ہو، مثال کے طور پر اس کا کوئی جسم نہیں کیوں کہ جسم میں تبدیلی ماہیت کی صفت ہوتی ہے، اور یہ تبدیلی مادہ کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالی کی ذات اس سے منزہ ہے۔ اسی طرح اس کی ذات سے تعدد کو منسوب کرنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ خدا ایک ہے جب کہ تعدد میں مختلف عناصر کی شمولیت ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اس جیسا کوئی نہیں (سورہ شوریٰ: آیت 11)

اللہ تعالی کی ذات وصفات کی حقیقت وماہیت کے پیچھے نہ پڑنا کہ اس کی ذات کیسی ہے، یا اس کی صورت کیسی ہے وغیرہ۔ کیونکہ انسانی حواس سے اس کا ادراک نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ: اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کر کے اس کی عظمت کا اعتراف کرو؛ لیکن خود اس کی ذات میں غور نہ کرو۔ خدا کی ذات کے ادراک کے سلسلے میں انسانی حواس کی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے ارشاد ہے: "نگاہیں اس کو نہیں پاسکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے" (سورہ انعام: 103)

موروثی اور آبائی رسم ورواج کے بندھن سے آزاد ہو کر کائنات کے اسرار ورموز پر عقل سلیم کے ساتھ غور وخوض کرنا۔

انسانی شعور و وجدان اور خالق کائنات کے درمیان کے رشتہ کو مضبوط کرنا، جو کہ خدا کی روحانی معرفت کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ فکر و عقل کا مقابلہ انسان کے شعور و وجدان میں اس بات کی زیادہ صلاحیت ہے کہ وہ ان اسرار و رموز تک پہنچ سکے، جن تک نہ انسانی نگاہیں جا سکتی ہیں اور نہ انسان کی عقل و حواس۔

مومن سے یہ مطالبہ ہے کہ اس کا قول و عمل خدائی صفات پر یقین کامل کا مظہر ہو، مثال کے طور پر ایک مومن کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالی قادر مطلق ہے تو پھر ہر پریشانی اور مصیبت کے وقت اس کی نظر اس کی ذات پر ہو، اسی پر توکل کرے اور اسی سے پناہ چاہے۔ اسی طرح مومن کو یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالی ہر چیز کو جاننے والا ہے تو اس علم کا تقاضا ہے کہ بندہ مومن صرف اسی کے سامنے دست سوال دراز کرے۔

4.2.8 افراد سازی

حالات پر نظر رکھنے والے کسی فرد سے یہ پوشیدہ نہیں کہ اخوان نے تربیت اسلامی کی ایک نہایت کامیاب مثال قائم کی ہے۔ ان کے سامنے جدید مسلم نسل کی تربیت و اصلاح کا مقصد تھا جو اسلام کو پورے شعور کے ساتھ سمجھ سکیں اس پر دل کی آمادگی کے ساتھ ایمان رکھے اور اس کے مطابق اپنی اور اپنے اہل و عیال کی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرے اور اللہ کے حکم کو بلند کرنے اس کی شریعت کو نافذ کرنے اور اس کی امت کو وحدت کی لڑی میں پرونے کے لئے جہاد کرے۔

اس تربیت و تعمیر کے لئے استاذ البناؒ کے مطابق تین قسم کے وسائل کی ضرورت ہے:

1۔ مربی 2۔ صالح ماحول 3۔ مناسب دستور العمل

مربی کا مطلب ہے ایسا شخص جو شریعت کا مکمل وارث ہو، اس لئے ضروری ہے کہ تعمیر سیرت اور تربیت کے کاز کے لئے نائب کو افضلیت دی جائے اگر نائب بھائی تربیت کی ذمہ داری نہ نبھا سکے تو نقیب بھائی اسے انجام دے ورنہ مجاہد بھائی اس کام کو پورا کرے لیکن تربیت یا علمی عطیہ سے نائب بھائی کا تعلق بر قرار رہنا چاہیئے تاکہ مشاہدہ بہترین ہو اور تربیت و نگرانی اچھی ہو سکے۔

صالح ماحول کا مطلب ہے ایسا ماحول جس میں مسلمان علم و عمل اور اخلاق سے متصف ہو سکے اور اس کے واسطے سے حرام تو کجا، لہو ولعب سے بھی دور رہے اور جس کا مظہر علم اور ذکر ہیں۔ ماحول یا تو علم کا رہے یا ذکر کا اگر یہ مسجد کی فضا میں ہو تو بہت بہتر ورنہ ہر مسلمان کا گھرانہ خیر و معروف کا بازار بن سکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس بیمار ماحول سے بچیں جو جماعت کے کنارے یا اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور ہماری ذمہ داری ہے کہ ان تمام بھائیوں کو دبائیں رکھیں جو اپنے گرد ایسے حلقے اور دائرے کھینچ لیتے ہیں جو کم یا بیش ان اخلاقی صفات سے دور ہوتے ہیں جو کسی مسلم عبادت گزار اور شب بیدار جماعت کے لئے ضروری ہیں۔

ان وسیلوں یا طریقوں کے بعد ایک مکمل اور مناسب دستور العمل کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے تربیت کا سارا کام انجام دیا جا سکتا ہو، اسی کے تناظر میں عورتوں اور بچوں کے لیے مناسب تعلیمی مواد فراہم کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ہر شعبہ کی دو شاخیں ہوں گی: ایک

نسوانی کام کے لیے اور دوسری بچوں کی صفوں میں کام کرنے کے لیے، ہر ایک کے حلقے ہوں گے، ہر ایک کی خاص رعایت ہوگی، ہر ایک کی مناسب کتابیں ہوں گی اور اس طرح کے ماحول میں کام کرنے سے جو فتنے پیدا ہو سکتے ہیں، ان سے بچنے کے لئے لازمی اور احتیاطی اقدامات کرنے چاہئیں۔ بچوں کی اس طرح اس تربیت کی جائے کہ وہ جسمانی، عقلی، قلبی، روحانی، عملی اور معاشی ہر طرح سے تیار ہو سکیں۔ بہادری کے کام اور بہادرانہ اخلاق کی ان کے اندر آبیاری ہو، ان کے لئے کھیل کود اور ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ بچپن میں چونکہ حافظہ تیز ہوتا ہے، اس لئے اسی عمر میں قرآن پاک، احادیث اور زیادہ سے زیادہ قواعد وآداب یاد کرادیں۔ مزید یہ کہ عورتوں کو ان کے خاص مسائل کے بارے میں بھی مکمل واقفیت ہو۔

تربیت کے میدان میں ہی امام حسن البناؒ نے سیاسی تربیت کی وکالت کی اور اس کی مندرجہ ذیل بنیادیں استوار کیں:

عوام کو اس بات کی تربیت دی جائے اور یہ باور کرایا جائے کہ عالم اسلام کو ہر غیر ملکی اقتدار سے آزاد ہونا چاہئے اور تمام اسلامی علاقوں سے غاصب سامراج کو کھسک جانا چاہئے۔ اس کے لئے تمام قانونی اور جائز وسائل استعمال کئے جائیں۔ اور جب آزادی مل جائے تو اسلامی حکومت کے قیام کی فرضیت کا احساس عام کیا جائے اور اس کے وجوب کا شعور بیدار کیا جائے کیونکہ یہ ایک شرعی فریضہ ہے اور ایک قومی وانسانی ضرورت بھی۔ اخوان کی سیاسی تربیت کی تیسری بنیاد "وحدت اسلامی" کی ضرورت واہمیت کا شعور بیدار کرنا ہے۔ اسلامی اتحاد ایک دینی فریضہ ہے اور دنیوی ضرورت بھی۔

اس مقصد کے تناظر میں ہی دوسرے تمام مقاصد آتے ہیں کیوں کہ جب ایسے افراد تیار ہو جاتے ہیں تو ان کی نگاہیں تقدیروں کو بدل دیتی ہیں جو ذرائع ووسائل کی محدودیت سے بالاتر ہو کر قضاوقدر کی موشگافیوں کے دلدل سے نکل کر اقامت دین کے لئے، تعمیر امت کے لئے اور احیائے اسلام کے لئے کام کرتا ہے اور حقیقت میں مسلم وہی ہے جو ایسے پیغام لیکر اٹھے۔

4.2.9 تعلیمی اصلاح

تربیت واصلاح کا کام تب تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ کسی قوم کے تعلیمی نظام کی اصلاح نہ ہو، اس لئے اخوان کے بانی اور وابستگان نے نظام تعلیم کو اپنی توجہات کا بنیادی مرکز بنایا، اور تعلیم کے چار مقاصد بیان کیے:

1. صالح نظریہ کی اشاعت
2. اخلاق فاضلہ کا فروغ
3. ماضی کے ساتھ وابستگی
4. علمی بنیادوں پر مختلف پہلوؤں میں ماہرین کی تیاری۔

اخوان کی تعلیمی پالیسی کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

سب سے پہلے، مستقل اور پائیدار پالیسی وضع کی جائے جو تعلیم کا معیار بلند کرے اور ان تمام اقسام میں وحدت پیدا کرے جو اغراض ومقاصد کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں۔ قوم کی مختلف ثقافتوں کو ایک دوسرے کے قریب کرے اور تعلیم کے ابتدائی مراحل کو اخلاقی

تربیت اور پاکیزہ وطنی روح کی تخلیق کے لئے مخصوص کرے۔اس کے علاوہ اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب وتمدن پر خصوصی توجہ دی جائے۔دینی تعلیم کو تمام تعلیمی مراحل میں بنیادی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے۔لڑکیوں کے تعلیمی نظام اور نصاب پر نظر ثانی کی جائے اور ہر ہر مرحلے پر لڑکوں اور لڑکیوں کے نصاب میں فرق کیا جائے۔ہر ایسے شخص کو تعلیم گاہوں سے دور رکھا جائے جو فساد عقیدہ اور فساد اخلاق میں مبتلا ہو۔سائنسی علوم پر پوری پوری توجہ دی جائے اور مغربی فلسفہ اور مغربی سائنس کا امتیاز واضح کر دیا جائے۔

تحریک اخوان نے اپنی تعلیمی اسکیم نافذ کرنے کے لئے پہلے حکومتی سطح پر اکتفا کیا۔ارباب اقتدار کو دعوتی خطوط لکھے گئے،ملکی قانون کو اسلامی قالب میں ڈھالنے کا مشورہ دیا گیا اور ان سے توقع ظاہر کی کہ مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے اسلامی ثقافت پر مبنی لٹریچر تیار کیا جائے۔لیکن جب ان کو حکومت کی طرف سے خاطر خواہ نتیجہ نہیں ملا تو بعد میں انہوں نے اپنی استطاعت کی حد تک انہیں خود نافذ کرنے کی کوشش کی۔اس غرض کے لئے انہوں نے ایک بورڈ کی تشکیل کی اور لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ ابتدائی اور ثانوی مدارس اور فنی درس گاہیں قائم کیں۔ناخواندگی کو ختم کرنے اور عوام کی دینی معلومات بڑھانے کے لئے انہوں نے مدارس کھولے،حفظ قرآن کی درس گاہیں قائم کیں،مزدوروں اور فلاّحین کے لئے شبینہ مدارس جاری کیے،امتحانوں میں ناکام ہونے والے طلبہ کے لئے کئی مرکز جاری کئے جن میں یونیورسٹی کے زیر اہتمام کوچنگ کلاسوں کا انتظام تھا۔کمسن بچے جو مزدوری کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے تھے،ان کی تعلیم وتربیت کے لئے شعبے قائم کئے،لڑکوں کی تعلیم کے لئے پرائیویٹ اسکول جاری کئے،مدارس امہات المومنین کے نام سے لڑکیوں کی تعلیم کا الگ انتظام کیا۔صنعتی تعلیم کے مراکز قائم کئے۔

الغرض اخوان نے وسیع پیانے پر تعلیمی مہم کو نافذ کیا۔ملک بھر میں جہاں جہاں اخوان کی شاخیں تھیں،ان میں کوئی ایسی شاخ نہ تھی جس کے ماتحت کوئی مدرسہ نہ ہو۔ان مدارس کی طرف عوام الناس کا جس قدر رجحان ہوتا تھا اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ تعلیم بالغان کے ایک مرکز میں 173 مزدور بیک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ان مدارس کی پوری تعداد کا شمار مشکل ہے۔صرف قاہرہ میں 31 تعلیم گاہیں تھیں جن میں 11 کالج تھے۔

4.2.10 لٹریچر (ادب)

تعلیمی اسکیم کے عملی نفاذ کے ساتھ اخوان نے اسلامی ثقافت پر مبنی لٹریچر کی تیاری اور اس کی نشرواشاعت پر بھرپور توجہ دی ہے۔اس کے لئے اخوان کے مرکز میں ایک شعبہ "اشاعت دعوت" کے نام سے قائم ہے،جو مختلف موضوعات پر لٹریچر کی تیاری کا کام انجام دیتا ہے۔اخوان کے بانی رہنمانے اس موضوع پر جو لٹریچر تیار کیا ہے،ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

دعوتنا (ہماری دعوت)	حسن البنا
هل نحن قوم عمليون (کیا ہم عملی لوگ ہیں)	حسن البنا
الاخوان المسلمون تحت رأية القرآن (اخوان پرچم قرآن کے نیچے)	حسن البنا

4.2.11 صحافت

صحافت سماجی تبدیلی کے لئے ایک موئثر ذریعہ تسلیم کیا جاتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بیسویں صدی میں عالم اسلام میں جو انقلابات رونما ہوئے ہیں ان میں سب سے موئثر کردار صحافت کا رہا ہے۔ 1884ء میں سید جمال الدین افغانی اور شیخ محمد عبدہ کی کوشش سے پہلا عربی مجلہ "العروۃ الوثقی" کے نام سے ہوا۔ اس کے بعد عالم عرب بالخصوص مصر میں مجلات ورسائل کا تانتا بندھ گیا، اس کے بعد ہر طرح کے سماجی، سیاسی اور ادبی معرکہ کا سب سے بڑا امیدان صحافت ہی کو تصور کیا جانے لگا۔

خلیل حامدی صاحب محب الدین الخطیب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ: مصری صحافت "ہالی وڈ" کی صحافت میں بدل چکی تھی۔ بیسویں صدی کے اوائل میں تو چند اخبارات ایسے ملتے ہیں جو اسلام کا نام لیتے رہے ہیں مثلاً شیخ علی یوسف کا اخبار المؤید، مصطفی کامل کا اللواء، الزافعی کا الاخبار اور شیخ عبد العزیز جاویش کا العلم۔ مگر اس کے بعد مصری صحافت پر خالص جاہلیت کا قبضہ تھا، آخر کار اخوان نے آکر اس بت خانے میں توحید کی اذان دی تھی۔ (اخوان المسلمون، تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل حامدی، ص۔99)

بانی تحریک امام البناؒ شہید نے آغاز میں ہی اس کی ضرورت محسوس کرلی تھی، لیکن ان کے پاس اپنا مخصوص مجلہ نہ ہونے کی وجہ سے دیگر رسائل کی مدد سے اپنے افکار و نظریات کی اشاعت جاری رکھی؛ لیکن تحریک کے بڑھتے اثرات نے تقاضا کیا کہ اخوان کے دفتر سے بھی ایک مجلہ جاری کیا جائے، چنانچہ مجلس شوری کے اتفاق سے 15 جون 1933ء میں "مجلۃ الاخوان المسلمین" کے نام سے پہلا شمارہ منظر عام پر آیا، جس کے ایڈیٹر شیخ طنطاوی جوہری منتخب ہوئے۔ جنوری 1938ء تک یہ مجلہ اخوان کے دفتر سے نکلتا رہا؛ لیکن چند اسباب کی وجہ سے یہ مجلہ اخوان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

دوبارہ اخوان نے "مجلۃ النذیر" کے نام سے مئی 1938ء میں دوسرا مجلہ جاری کیا، جس کے ایڈیٹر استاذ محمود ابو زید اور چیف ایڈیٹر استاذ صالح عشماوی منتخب ہوئے۔ اس مجلہ کے فرنٹ پر یہ الفاظ آویزاں تھے "سیاسۃ اسلامیۃ تصدرعلی مبادی الاخوان المسلمین"۔ اس مجلہ میں دینی، سیاسی، معاشرتی مسائل، جیسے نوجوان، مسلم خواتین، تعلیم اور سماجی اصلاحات پر مبنی مضامین شائع ہوتے تھے؛ بالخصوص عالم عرب جن چیلنجز کا سامنا کر رہا تھا، جیسے عیسائی مشنریز، قادیانیت، بہائیت، استشراق، صہیونیت، ان تمام میں اسلام کے پروزور وکیل کی حیثیت سے اس نے اپنی خدمات انجام دیں۔ اور پھر جب طہ حسین کی کتاب "مستقبل الثقافۃ فی مصر" (مصر کا ثقافتی مستقبل) منظر عام پر آئی اور انہوں نے کھلے عام مغرب کی اندھی تقلید کا نظریہ پیش کیا تو اخوانی رہنماؤں نے اس نظریہ کے بطلان کو واضح کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بقول خلیل حامدی "اخوان نے اپنی زور دار صحافت کے ذریعہ مصر کی صحافتی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ لوگ فحش قصوں اور سنسنی خیز خبروں میں دل چسپی لینے کے بجائے ٹھوس مسائل میں دل چسپی لینے لگے۔ (اخوان المسلمون،

تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل حامدی، ص۔99)

دوسری عالمی جنگ کے اثر سے 2 سال کی مدت تک یہ تحریک کوئی مجلہ شائع نہ کر سکی، 1942ء میں دوبارہ موقع ہاتھ آیا اور پھر "مجلة الاخوان المسلمون" ہی کے نام سے پندرہ روزہ رسالہ جاری ہوا۔ کچھ مہینے بعد ہفتہ واری نکلنے لگا اور پھر 1946ء میں یہ رسالہ، یومیہ جریدہ کی شکل میں بدل گیا اس کے بعد مختلف حالات کی بنا پر ناموں کی تبدیلی کے ساتھ اخوان کے دفتر سے مختلف رسائل وجرائد نکلتے رہے، اخیر میں 28 اکتوبر 2011ء میں "صحيفة الحرية والعدالة" کے نام سے ایک رسالہ منظر عام پر آیا؛ لیکن 2013ء میں اس پر بھی مکمل پابندی لگادی گئی۔

مخصوص رسائل وجرائد کے علاوہ کچھ ایسے رسائل بھی تھے جن کی اشاعت کا سلسلہ دوسرے لوگوں نے شروع کیا تھا؛ لیکن بوجوہ بند ہو گئے، ان رسائل کو اخوان نے عارضی مدت کے لئے اپنی تحویل میں لے لیا، جیسے "مجلة التعارف"، "مجلة المنار"، "مجلة المباحث القضائية"، "مجلة لواء الاسلام" اور صحيفة آفاق عربية" وغیرہ۔

4.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- یہ ایک ہمہ گیر تحریک ہے، جس میں اصلاح کے تمام پہلو موجود ہیں۔
- اخوان المسلمون کا مقصد عوام وخواص کی زندگی کو اسلامی نہج پر ڈھالنا ہے، جس کے لئے اسلامی نظام خلافت کا احیا اور مسلمانوں کو مغرب کی غلامی سے نجات دلانا ہے۔
- یہ تحریک اس بات کی قائل ہے کہ سیاست اسلام کا بنیادی حصہ ہے، اس کے بغیر دین کا ناقص تصور رہ جاتا ہے۔
- اس تحریک نے فکر وعقیدہ، نظام تعلیم وتربیت، سیاست، صحافت اور معیشت کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔
- سادگی، تلاوت، نماز وروزہ، سپہ گری، حسن اخلاق جیسے اہم عناصر پر توجہ مرکوز کے بعد ہی کسی کی شخصیت لائق تقلید شخصیت ہوتی ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اسلامی نظام زندگی کا لائق اتباع ماڈل لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

4.4 نمونہ امتحانی سوالات

4.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تحریک اخوان المسلمون کے مؤسس کون ہیں؟

(a). محمد الغزالی (b) حسن البنا (c) یوسف القرضاوی (d) سید قطب

2. اخوان المسلمون کے رہنما کو کیا کہا جاتا ہے؟

(a). قائد　　(b)عمید　　(c)مرشد عام　　(d)امیر

3. اخوان المسلمین کا قیام کس مقام پر عمل میں آیا؟

(a). قاہرہ　　(b)مشہد　　(c)اسکندریہ　　(d)اسماعیلیہ

4. اخوان المسلمون کے دفتر سے جاری ہونے والا پہلا رسالہ کون سا ہے؟

(a). مجلہ اخوان المسلمین　(b)مجلۃ المنار　　(c)مجلۃ النذیر　　(d)مجلۃ الفتح

5. تاسیس جماعت میں کل کتنے افراد شامل تھے؟

9.(a)　　8.(b)　　7.(c)　　6.(d)

4.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. قیام اخوان المسلمین سے پہلے حسن البنا کے اخلاقی پہلوؤں کو اجاگر کیجیے۔
2. اخوان المسلمون کے مقصد قیام پر مختصراً روشنی ڈالیے۔
3. اخوان المسلمین کی فکری بنیادوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. فکری انقلاب کے میدان میں اخوان کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
5. دین وسیاست کا سنگم کیوں ضروری ہے؟ اخوان کے حوالے سے مختصراً تشریح کیجیے۔

4.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اخوان المسلمون نے افراد سازی کے لئے کیا پالیسی بنائی؟ تفصیل سے بیان کیجیے۔
2. حسن البنا کے نزدیک اسلامی عقیدہ کے عناصر کیا ہیں؟ مضمون لکھیے۔
3. تعلیمی اصلاحات کے میدان میں اخوان کی کیا خدمات ہیں؟ بیان کیجیے۔

4.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5. تحریک اخوان المسلمون: ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی۔ مجلس نشریات، طبع دوم 1999ء۔

6. اخوان المسلمون کا تربیتی نظام۔ علامہ یوسف القرضاوی۔ ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی۔ ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی 1982ء۔

7. اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت، عبید اللہ فہد فلاحی۔ القلم پبلی کیشنز، کشمیر 2011ء۔

8. اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل احمد حامدی، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی 1981ء۔

9. اخوان المسلمون: مقصد، مراحل، طریق کار۔ پروفیسر سعید حوی۔ ترجمہ عبید اللہ فہد فلاحی، ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی، 1982ء۔

10. اردو دائرہ معارف اسلامیہ۔ جلد دوم، دانش گاہ، پنجاب، لاہور 1966ء۔

اکائی 5: اخوان المسلمون (حصہ دوم)

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 مہمات اخوان المسلمین اور آزمائشیں

5.2.1 عالم اسلام کا اتحاد

5.2.2 اجتماعی و ثقافتی پہلوؤں میں اصلاحات

5.2.3 اقتصادی اصلاحات

5.2.4 سیاسی اصلاحات سے مفر نہیں

5.3 اخوان پر مصائب کا آغاز

5.3.1 مرد حق کی شہادت

5.4 1952ء کا فوجی انقلاب اور اخوان کا کردار

5.5 اخوانی تحریک کے مختلف رہنما

5.5.1 حسن بن اسماعیل الہضیبی

5.5.2 سید عمر تلسمانی

5.5.3 محمد حامد ابو النصر

5.5.4 استاذ مصطفی مشہور

5.5.5 شیخ مامون الہضیبی

5.5.6 شیخ محمد بدیع

5.6 مسئلہ فلسطین کے تئیں موقف

5.7 اخوات مسلمات
5.7.1 مقاصد شعبہ اخوات مسلمات
5.7.2 ایام من حیاتی (زنداں کے شب وروز)
5.8 زمام اقتدار اخوانیوں کے ہاتھ میں
5.9 تحریک اخوان المسلمون کے گلوبل اثرات
5.10 اکتسابی نتائج
5.11 نمونہ امتحانی سوالات
5.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
5.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
5.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
5.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

اس اکائی میں یہ بتایا گیا ہے کہ اخوان المسلمون نے جب میدان سیاست میں قدم رکھا، حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید کی اور ظالم وجابر حکومت کی جگہ ایک متبادل اور اسلامی خصوصیات کی حامل نظام حکومت کے قیام کا منصوبہ پیش کیا تو استعماری طاقتوں کی نیندیں اڑ گئیں اور پھر اس کے بعد تحریک ابتلاء وآزمائشوں کے نرغے میں آگئی، اس کے رہ نماؤں کو قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں، یہاں تک کہ بانی تحریک کی شہادت کا سانحہ پیش آیا۔ اس کے بعد لگاتار آزمائشوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اس درمیان متعدد قائدین نے اس تحریک کی باگ ڈور سنبھالی اور راہ حق پر گامزن رہے۔ خواتین اسلام بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں، تحریک اسلامی کی راہ میں ان کا نمایاں کردار بھی ہے۔ دہائیوں کی کوشش کے بعد جب اس تحریک کو تخت سلطنت پر بیٹھنے کا موقع ملا تو اس نے وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے وہ سب کچھ کر دکھایا جس کا اس نے برسوں سے وعدہ کیا تھا ان تمام باتوں کا تفصیلی تذکرہ اس اکائی میں موجود ہے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد طلبہ کو یہ باور کرانا ہے کہ اخوان المسلمون نے جس راہ پر چلنے کی ٹھانی تھی وہ کوئی آسان راہ نہیں تھی، بلکہ وہ کانٹوں سے بھری اور آزمائشوں سے پر تھی۔ کیونکہ وہ حکومت الٰہیہ کے قیام اور دنیا پر اسلامی نظام زندگی کے خواہاں تھے، فطری طور پر وہ

لوگ جو اخوانیوں کے آراء سے اتفاق نہیں رکھتے تھے، ان سے ٹکراؤلازم تھا۔ اس ٹکراؤ اور آزمائش میں اس تحریک کے جیالوں نے قربانی کی جو انوکھی مثالیں پیش کیں اور راستہ کی تنگی کے باوجود جس طرح اپنے مقصد پر گامزن رہے وہ صبر واستقلال کی عظیم تاریخ ہے۔ اسی طرح یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ تحریک کے مختلف شعبوں کے ممبران نے کس طرح سے الگ الگ میدانوں میں اپنے کارنامے انجام دیے۔ اخوات مسلمات کے تحت اسلام کی سر بلندی کا خواب دیکھنے والی خواتین کی اس راہ میں کیا قربانیاں رہی ہیں۔ نیز جب زمام اقتدار اخوانیوں کے ہاتھ میں آیا تو انہوں نے کس طرح سے اپنے مشن کو آگے بڑھایا اور کیا کارہائے نمایاں انجام دیے۔

5.2 مہمات اخوان المسلمین اور آزمائشیں

قاہرہ کے ابتدائی سالوں میں یہ دعوت حسب سابق خاموشی اور پردہ داری کے ساتھ جاری رہی۔ مسجدوں میں وعظ و تذکیر ہوتی، متاثرین اور حامیوں کو منظم کیا جاتا، شاخوں کی تاسیس ہوتی، قصبوں اور شہروں کے دورے ہوتے رہے۔

محمد محمود پاشا سے لے کر دوسری جنگ عظیم کے آغاز تک جتنی وزارتیں ملک میں قائم ہوئیں امام حسن البنا نے ان کو جماعت کی طرف سے خطوط لکھے۔ ان خطوط میں داخلی اصلاحات تجویز کی گئیں، اجتماعی اور اقتصادی و ثقافتی پہلوؤں سے ملک کے حالات کو سدھارنے کا مشورہ دیا گیا اور اسلامی شریعت نافذ کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ ان اصلاحات کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کو متحد کرنے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی بھی بات کی گئی۔

5.2.1 عالم اسلام کا اتحاد

اخوان المسلمون عالم اسلام کے اتحاد خواہاں تھے اس لئے جہاں ایک طرف انہوں نے دیگر شعبوں میں اصلاحات کا نظریہ پیش کیا وہیں سیاسی اتحاد پر بھی اپنی توجہ رکھی۔ جیسا کہ گزشتہ اکائی میں یہ بتایا گیا تھا کہ تحریک نے سیاست کو اپنی سرگرمی کا اہم حصہ بنایا اور پختہ دلائل کی روشنی میں اس بات کو واضح کیا کہ اسلام کا سیاست سے بہت گہرا تعلق ہے۔ سیاست کے بغیر دین کا تصور ناقص اور بے مقصد ہو جاتا ہے۔ پانچ سال خاموش دعوت کے بعد 1933ء تا 1939ء اسلامی نظریہ سیاست کو پیش کرنے اور لوگوں میں سیاسی بیداری لانے کے لئے عام جلسوں، تقریروں اور کتابچوں کا سہارا لیا گیا۔ اس درمیان مسلم وزارتوں کو خطوط لکھنے کا سلسلہ جاری رہا۔ ان خطوط میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل چالیس صفحات پر مشتمل حسن البنا کا وہ خط مانا جاتا ہے، جو انہوں نے 1936ء میں شاہ مصر فاروق، مصر کے وزیر اعظم مصطفی نحاس پاش، عرب اور دیگر مسلمان ملکوں کے سربراہان کے نام لکھا۔ حسن البنا نے اس خط کو "نحو النور" (روشنی کا پیغام) کا نام دیا۔ اس خط کا بنیادی مقصد استعماری طاقتوں کے خلاف عالم اسلام کو متحد کرنا تھا۔ اس میں انہوں نے مسلم حکمرانوں کو ان کے منصب کی اہمیت اور ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے پر تین اہم شعبوں میں اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔

5.2.2 اجتماعی و ثقافتی پہلوؤں میں اصلاحات

اخوان المسلمون نے ایک ہمہ جہت اصلاحات کا پروگرام بنایا، جس کے تحت گروہ بندیوں اور سیاسی جماعت بازیوں کا خاتمہ کیا

جائے، امت کی تمام سیاسی توانائیوں کو ایک سمت میں لگایا جائے اور سب ایک پلیٹ فارم پر نظر آئیں۔ قانون کی اصلاح کی جائے، یہاں تک کہ وہ تمام شکلوں میں شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہو جائے۔ عسکری طاقت کو تقویت دی جائے، نوجوانوں کی زیادہ سے زیادہ ٹیمیں بنائی جائیں اور ان کے اندر اسلامی جذبہ پیدا کیا جائے تا کہ وہ دوسروں کے لئے ایک مثال بن سکیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے خلافت اسلامیہ کی بازیابی کے لئے تمام مسلم ممالک خاص طور سے عرب ممالک سے تعلقات استوار کرنے پر زور دیا۔ سرکاری دفتروں میں اسلامی اسپرٹ عام کی جائے، افسروں اور ملازموں کے شخصی معاملات کی نگرانی کی جائے، اگر ان میں سے کوئی رشوت لیتے پکڑا جائے تو اسے سخت قانونی سزا دی جائے۔

عوام کو اسلامی آداب کا خوگر بنایا جائے۔ عورت کے مسئلے کو اس طرح سے حل کیا جائے کہ وہ بھی ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں اور ان کی پاکدامنی اور عصمت پر کوئی حرف نہ آئے۔ مخفی یا ظاہر میں چلنے والی عصمت فروشی کا قلعہ قمع کیا جائے اور زنا کو انتہائی گھناؤنا اور سنگین جرم تصور کیا جائے۔ مخلوط تعلیم کی بجائے لڑکے اور لڑکیوں کے الگ علیحدہ اسکول قائم کیے جائیں اور ان کی تعلیم و تربیت کے لیے ایسے اساتذہ اور استانیاں مقرر کیے جائیں جو کسی طرح کی برائی میں ملوث نہ ہوں۔

5.2.3 اقتصادی اصلاحات

سب سے پہلے زکوٰۃ کا ایک فعال نظام قائم کیا جائے، تا کہ حاجت مندوں، مسکینوں اور محتاجوں کی کفالت کی جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ سود اور سودی کاروبار کا سدباب کیا جائے، غیر سودی بنک قائم کیے جائیں، تجارت اور بزنس کے فروغ اور معاشی استحکام کے لئے لوگوں کو صنعتی قرضے دئے جائیں، جو لوگ معاشی و اقتصادی اسکیم کا حصہ بننا چاہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ایسی کمپنیاں جو مزدوروں سے خوب کام لیتی ہیں لیکن ان کی محنت کے مطابق ادائیگی نہیں کرتی ہیں بلکہ ذخیرہ اندوزی کرتی ہیں تو ایسی کمپنیوں کی زیادتیوں پر روک لگائی جائے، اور مزدوروں کی صنعتی و معاشرتی ضروریات پر توجہ دی جائے اور ان کا معیار زندگی بہتر بنایا جائے۔

5.2.4 سیاسی اصلاحات سے مفر نہیں

اخوان المسلمون نے سیاسی اصلاحات کو ناگزیر قرار دیا، ان کے نزدیک سیاسی جمود اور حصار بندی، جس سے ملک گزر رہا ہے اور ملکی معیشت پر کاری ضرب لگا رہا ہے، سماجی تخریب اور فساد، علمی و تہذیبی پسماندگی، ان ساری کمزوریوں نے مصر کو کھوکھلا کر دیا ہے اور اس کا ثقافتی و تمدنی کردار ماند پڑ رہا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مصر میں سیاسی اصلاحات کا آغاز کیا جائے، عوامی شراکت کو یقینی بنایا جائے۔ سیاسی پارٹیوں سے پابندیاں فی الفور ہٹائی جائیں۔ افراد کو آزادی دی جائے۔ ذمہ دار اور جوابدہ حکومت کی تشکیل ہو، عدلیہ آزاد اور باوقار ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریک نے ایک آزاد اور مستقل بالذات عدالتی کمیشن کی تشکیل کیے جانے کا مطالبہ کیا، یہی کمیشن قومی انتخابات کی مکمل نگہبانی کرے اور امیدواروں کی نامزدگی سے لے کر نتیجہ کے اعلان تک سارے انتخابی عمل کی نگرانی کرے۔

5.3 اخوان پر مصائب کا آغاز

اخوان کی دعوت روز بروز عام ہوتی جا رہی تھی اور اس کی مقبولیت میں بھی اضافہ ہو رہا تھا، ان کی اصلاحات کا مطالبہ اب بر سر اقتدار لوگوں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگا تھا، نیز بیرونی طاقتیں بھی اس تحریک کو اپنے لیے ایک خطرہ سمجھ رہی تھیں۔ نتیجۃً مخالف جماعتوں نے اس تحریک کو نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا۔ سب سے پہلے حسین سری کے دورِ وزارت میں اخوان پر مصائب کا آغاز ہوا۔ چنانچہ ان کے ہفتہ وار جریدے ''تعارف''، ''شجاع'' اور ماہنامہ ''المنار'' کی اشاعت سرکاری طور پر بند کر دی گئی۔ ان کی تحریروں اور کتابچوں کی اشاعت و طباعت ممنوع قرار دی گئی، ان کا پریس بند کر دیا گیا۔ اخبارات کو تنبیہ کر دی گئی کہ اخوان اور ان کی کسی سرگرمی یا شخصیت کا کوئی ذکر نہ کیا جائے۔ ان کی تقریبات اور اجتماعات کو روک دیا گیا۔ اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ جماعت کے سرگردہ رہنماؤں کو دور دور شہروں میں ڈال دیا گیا، جماعت کے صدر حسن البنا کو دور جنوب کے شہر ''قنا'' اور نائب صدر کو شمال کے شہر دمیاط منتقل کر دیا گیا۔ بعد میں پارلیمنٹ کے مطالبہ اور اصرار پر دونوں حضرات کو واپس لایا گیا۔ لیکن چند ماہ کے بعد حسن البنا کو گرفتار کیا گیا اسی طرح اخوان کے جنرل سیکریٹری کو بھی۔ لیکن اخوان کو اپنے صدر کی گرفتاری سے جو صدمہ پہنچا اور انقلاب کی سی ایک لہر بیدار ہوئی تو ان کے خوف سے ان دونوں کو جلد ہی رہا کر دیا گیا۔

حسین سری کے بعد مصطفیٰ نحاس کی وفد پارٹی کے اقتدار میں آجانے کے بعد حسن البنا نے ''اسماعیلیہ'' حلقہ انتخاب سے پارلیمنٹ کا الیکشن لڑنا چاہا، لیکن وزیر اعظم نحاس نے حسن البنا کو نامزدگی واپس لینے کا مطالبہ کیا، مصلحت کے تحت حسن البنا نے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ اس سے پہلے حکومت نے اخوان پر جو پابندیاں لگائی تھیں ان میں تخفیف کر دی گئی۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہ رہ سکا۔ نحاس کے بعد احمد ماہر کی وزارت میں پہلے کے مقابلہ میں کہیں زیادہ تشدد کا معاملہ کیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مصری حکومت نے اتحادی طاقتوں کے دباؤ میں آکر جرمنی اور اٹلی کے خلاف اعلان جنگ کیا، اخوانی تحریک کی جانب سے اس کی پر زور مخالفت ہوئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1945ء میں جنگ کے خاتمہ کے بعد اخوانیوں پر ابتلاء و آزمائش کا شدید ترین مرحلہ شروع ہو گیا، لیکن یہی وہ دور بھی ہے جس میں اخوان پر ایک طرف آزمائشوں کا پہاڑ انڈیل دیا گیا تو وہیں دوسری طرف تحریک اخوان کی صدائے بازگشت مصر کے باہر بھی سنائی دینے لگی۔ تجارتی کمپنیوں کے قیام کے بعد مالی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ اب یہ منصوبہ بنایا گیا کہ امت مسلمہ کے ہر فرد کی روحانی تربیت کے ساتھ اس کی بدنی تربیت بھی کی جائے، اس کے لئے فوجی دستے قائم کئے، ٹریننگ کے لیے جگہیں خاص کی گئیں۔ ممبران کو مستقل ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ اخوان کے بڑھتے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان حالات کے عینی شاہد محمد شوقی ذکی لکھتے ہیں:

''صرف مصر میں اس کے باقاعدہ ممبروں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ تھی، تنہا مصر میں اس کے شعبوں کی تعداد دو ہزار ہے اور سوڈان میں پچاس شعبے، وہ شاخیں الگ ہیں جو بہت سے عربی ممالک اور اسلامی ممالک میں قائم ہیں۔ اسی طرح وہ مؤیدین بھی الگ ہیں جو تمام اسلامی ممالک اور یورپ و امریکہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جماعت کا یہ حیرت انگیز پھیلاؤ، قبولیت اور دقیق عصری تنظیم یہی وہ چیزیں تھیں، جو دوسری جنگ عظیم کے بعد آنے والی مصری حکومتوں کی طرف سے اس کے مقابلے اور اس پر سخت گیری کا سبب بنیں۔'' (تحریک اخوان المسلمون، ماضی و حال۔ محمد شوقی ذکی: 74۔75)

5.3.1 مردِ حق کی شہادت

دوسری جنگ عظیم کے بعد مصری اقتدار میں تبدیلی آئی، 10 دسمبر 1946 کو نقراشی پاشا کی وزارت بنی۔ اسی روز حسن البنا نے ایک مضمون شائع کیا جس میں نئی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ قوم کے لئے آسانیاں پیدا کرے، قوم کی خواہش کا لحاظ کرے اور سمجھوتے کی بات چیت ختم کرکے جہاد کا راستہ اختیار کرے۔ اس کے بعد وہ مسلسل اخبار میں مضامین کے ذریعے دباؤ ڈالتے رہے، جن میں یہ بتاتے ہوئے کہ حکومت نے اخوان کے استیصال کی کوشش کی، ان کے اسکول بند کر دئے، ان کے آزاد کارکنوں کو قید کیا اور ہر طرح ان پر زندگی و حرکت کا میدان تنگ کیا، اس کے طرز عمل پر کڑی تنقید کی۔ نقراشی اور اخوان کے مابین جنگ کا یہ نقطہ آغاز تھا۔ فلسطین کے مسئلہ نے اسے اور بڑھاوا دیا، جس میں اخوان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جو ایک طرف تو ان کی طاقت کی آزمائش اور کسوٹی ثابت ہوا اور دوسری طرف ان کے رسوخ اور مصر و عرب ممالک میں عزت و مقبولیت کا سبب بنا۔

وزیر اعظم نقراشی کو ان کی طاقت سے خطرہ لاحق ہوا۔ اس نے اندرون ملک واقع ہونے والے بعض حوادث وواقعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ ان میں اخوان کا ہاتھ ہے اور وہ ہر قیمت پر خونی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اس بہانے سے نقراشی نے 8 دسمبر 1948 کو ایک فوجی حکم جاری کیا، جس کی رو سے اخوان المسلمین اور اس کی تمام شاخوں کو ناجائز قرار دے دیا۔ ان کی عملی سرگرمیوں کے تمام مراکز بند کر دئے گئے اور جماعت کے تمام کاغذات، دستاویزات، رسالے، رقوم، بینک اکاؤنٹ اور تمام املاک پر قبضہ کر لیا گیا۔ حسن البنا نے چاہا کہ ان کو ذرا سا موقع دیا جائے، تاکہ وہ صورت حال ہموار کرنے کی کوشش کریں، لیکن نقراشی اور اس کی حکومت کی طرف سے اس پر مطلق توجہ کا اظہار نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ نقراشی کے قتل نے اس قسم کی کوششوں کا دروازہ بند کر دیا، اور اس قتل کا الزام بھی اخوان پر عائد کیا گیا اور اس طرح حکومت اور ان کے مابین کشمکش بڑھ گئی۔

اس کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اخوان المسلمون خلاف قانون قرار دی گئی اس کے ہزاروں ممبران کو گرفتار کر لیا گیا، مگر اس کے قائد امام حسن البنا گرفتار نہیں کئے گئے۔ کیونکہ ظالموں نے ان کے خلاف کچھ اور ہی منصوبے بنا رکھے تھے۔ انہیں مصر سے حکماً روک دیا گیا، بلکہ خود ملک کے اندر حکومت کی اجازت کے بغیر آمد و رفت پر پابندی لگا دی گئی۔ انہوں نے ایک 'اخ' کے زرعی فام میں منتقل ہو جانے کی اجازت طلب کی تو اس 'اخ' کو بھی نظر بند کر دیا گیا۔ اور 12 فروری 1949 کو جمعیت شبان المسلمین کے دفتر پر دھوکے سے بلایا گیا اور شام میں جب وہ اس دفتر سے باہر آرہے تھے قاتل نے ان پر فائرنگ کر دی۔ اس طرح سے اس پیکر صدق وصفا، کوہ عزم ووفا، برادر دین مبین اور داعی ایمان ویقین کو شبان المسلمین کے مرکز کے سامنے سربازار شہید کر دیا گیا۔ بعد کی عدالتی تحقیقات سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ اس قتل ناحق میں شاہ فاروق اور عبد الہادی پاشا ملوث تھے۔

5.4 1952ء کا فوجی انقلاب اور اخوان کا کردار

انیسویں صدی کے اواخر میں انگریزی استعمار نے مصر کے اندر اپنا نفوذ پیدا کرنا شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے خدیو مصر کو

اپنی جھولی میں ڈال لیا۔ حریت پسندوں نے یکے بعد دیگرے کئی تنظیمیں قائم کیں مگر کسی کی نہ بن آئی۔ 18 دسمبر 1914ء کو باقاعدہ مصر پر برطانوی تولیت کا اعلان کر دیا گیا مصری عوام اس تولیت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، اور پھر استعمار اور مصری عوام کے مابین کشمکش کا آغاز ہو گیا، آخر میں جا کر 26 اگست 1936ء کو مصر اور برطانیہ کے مابین ایک معاہدہ وجود میں آیا جس کا نام تھا "دوستی اور رفاقت کا معاہدہ"۔ اس معاہدے کی رو سے مصر نے برطانیہ کو یہ 'رخصت' دے دی کہ وہ سویز کے آس پاس انگریزی فوجوں کی چھاؤنیاں قائم کر سکتا ہے جو سویز کے تحفظ کی ضامن ہو نگی۔ اس طرح سے انگریز باقاعدہ جنگی قوت کے ساتھ مصر کے اندر اتر آیا اور مصر کی بد قسمتی کا دن طلوع ہو گیا۔

اس مایوسی اور پژمردگی کے دور میں امید کی کرن طلوع کرنے والی شخصیت امام حسن البنا کی تھی جنھوں نے اخوان المسلمین کی تاسیس کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ مصر کی مضمحل اور مایوس قوم کے اندر جہاد کا جذبہ پھونکا۔ اس کے ساتھ دوسرا بڑا کام یہ کیا کہ ملک کے اندر اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ کیونکہ پچھلے 50 سالوں سے غیر اسلامی قانون آزمائے جا رہے ہیں اور وہ سخت ناکام ہوئے ہیں۔ اب اسلامی شریعت کا تجربہ کیا جانا چاہئے۔ لیکن بادشاہی حکومت اور اس کی ہمنوا استعماری طاقتوں نے ان مطالبوں کی طرف توجہ نہیں دی، جس سے عوام میں یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جب تک ملک کے اندر سے بادشاہت کا خاتمہ نہیں ہو گا تب تک اس ملک میں کوئی اصلاحی کام صحیح طرح سے انجام نہیں دیا جا سکتا۔ اخوان نے اپنی دعوت، عوام کے ساتھ ساتھ فوج میں بھی پہنچائی کیونکہ اصلاحی کام کرنے کے لئے ضروری تھا کہ جس عنصر کے ہاتھ میں ملک کی اصل طاقت ہے خود اس کے ذہن و فکر میں تبدیلی ہو۔ حسن البنا کا مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح مصری فوج کے افسروں میں دین داری پیدا ہو۔ امام شہید کی موہوب شخصیت اور ان کی ربانی دعوت کی یہ معجزانہ تاثیر تھی کہ مصری فوج کے اندر اسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

اس طرح سے اخوان نے ہر محاذ پر انگریزوں کے تسلط اور بادشاہت کے استبداد سے مصری قوم کو نجات دلانے کے لئے زمین ہموار کی اور بالآخر جولائی 1952ء کو انقلاب برپا ہوا جس کے بعد مصر سے بادشاہت کا خاتمہ کر دیا گیا۔ انقلاب کی کامیابی صرف فوج کے سر نہیں ہے، نہ ہی عوام کے، بلکہ اس کے اصل ہیرو اخوان کی جماعت ہے جس نے تمام ابتلاء و آزمائش کے ساتھ اپنے دعوتی و اصلاحی کام کو جاری رکھا، جس کا مقصد انسانی زندگی کو خدا واحد کے بتائے ہوئے راستے پر لانا تھا۔

5.5 اخوانی تحریک کے مختلف رہنما

1949ء میں حسن البنا کی شہادت اور پھر 1952ء کا فوجی انقلاب، ان دونوں واقعات سے اخوان المسلمین کی شہرت اور اس کی وسعت میں اضافہ ہوا۔ لیکن کیا آزمائشوں اور دشواریوں کا دور بھی ختم ہو گیا تھا، جواب ہے نہیں، پہلے بادشاہت کو آلہ کار بنا کر استعماری طاقتیں غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو فروغ دے رہی تھیں، اور اب فوجی حکومت کے ذریعے سے وطنیت اور نیشنلزم کا نعرہ بلند کر رہی تھیں۔ ان غیر اسلامی عناصر کے خلاف اخوان ڈٹے ہوئے تھے جس کی پاداش میں انہیں مختلف قسم کی مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن تحریک کے افراد نے ہمت نہ ہاری، بلکہ اپنے مشن پر پہلے سے زیادہ مستعدی سے ڈٹ گئے۔ اس درمیان اخوان کے مختلف

رہنماؤں نے تحریک کی باگ ڈور سنبھالی اور تن من دھن سے تحریک کی آبیاری کرتے رہے۔ذیل میں چند رہنماؤں کا تذکرہ کیا جارہا ہے، جنہوں نے اسلامی تاریخ میں اپنے کردار اور خدمات سے لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔

5.5.1 حسن بن اسماعیل الھضیبی

حسن البنا کی شہادت کے بعد اخوان کی قیادت حسن الھضیبی (1891-1965) کے سپرد کی گئی۔ حسن البنا کے عربی علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے تھے اور ان کی تعلیم بھی روایتی انداز پر ہوئی تھی۔ ہضیبی نے ان کے برعکس جدید تعلیم حاصل کی تھی اور کئی زبانیں جانتے تھے۔ ہضیبی نے 1915ء میں مصری کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی، 1924ء تک وکالت کی اسی سال وہ عدلیہ مصر میں جج ہو گئے اور ستائیس سال تک اس عہدے پر کام کیا اور سپریم کورٹ کے مشیر رہے۔ وہ ساٹھ سال کی عمر میں 17 اکتوبر 1951ء کو اخوان المسلمین تحریک کے مرشد عام یعنی سربراہ منتخب ہوئے۔

حسن الھضیبی نے یہ کوشش کی کہ ممبران تحریک حکومت سے کسی طرح سے متصادم نہ ہوں اور ان کے اندر کسی طرح کا اکراہ وتشدد در نہ آنے پائے۔ اس سلسلہ میں انہیں اخوانی نوجوانوں کے ایک گروپ کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ نے تحریک کی فکر پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام تھا "دعاۃ لاقضاۃ" (ہم داعی ہیں، داروغہ نہیں) اس کتاب میں کل گیارہ فصلیں ہیں جن میں آپ نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ افراد و اقوام کو زبردستی وطاقت استعمال کر کے راہ راست پر لانا ہمارا کام نہیں ہے۔ بلکہ ان کی رہنمائی اور ہدایت کرنا ہمارا کام ہے۔ اسی طرح بعض اخوانی نوجوانوں کی طرف سے قوت کے استعمال یا دیگر مسائل میں سوالات پوچھے گئے، ان کا بھی کلام اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں تسلی بخش جواب دیا۔

1952ء کے فوجی انقلاب کے بعد جمال عبد الناصر اخوان کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا تھا لیکن اخوانی اس پر رضامند نہیں ہوئے۔ اور بعد میں فوج کی غلط پالیسیوں پر تحریک کی طرف سے تنقیدیں ہونے لگیں، جس سے اخوان اور عبد الناصر کے درمیان حالات کشیدہ ہو گئے۔ اسی دوران 1954ء کو جمال عبد الناصر پر قاتلانہ حملہ ہوا جس کا الزام اخوان پر لگایا گیا اور بلا کسی تفتیش و محاکمے کے چند ہفتوں میں پچاس ہزار اخوانیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ فوجی عدالت نے چھ ممتاز اخوانی رہنماؤں کے خلاف سزائے موت کا فیصلہ سنایا۔ اور حسن الھضیبی کو دراز عمر کی وجہ سے عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ 1964ء میں تمام قیدی رہا کر دئے گئے جس میں دوسرے مرشد عام بھی تھے۔ ایک سال کے اندر ہی جولائی 1965ء میں حکومت کا تختہ پلٹنے کی سازش میں پھر سے اخوانیوں کو عتاب کا سامنا کرنا پڑا۔ اس بار گرفتار ہونے والے رہنماؤں میں مرشد عام کے ساتھ، سید قطب، ان کے بھائی محمد قطب، ان کی دو بہنیں حمیدہ قطب اور امینہ قطب بھی شامل تھیں۔ تین سال قید بامشقت کے بعد شیخ ہضیبی رہا ہوئے، لیکن سلاخوں کے پیچھے جو زیادتیاں ہوئیں اور تعذیب کے جن مراحل سے گزرنا پڑا، ان سب کی وجہ سے وہ پہلے جیسے مستعد اور فعال نہ رہ سکے۔ پھر اسی حالت میں 1972ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

5.5.2 سید عمر تلسمانی

سید عمر تلسمانی 4 نومبر 1904ء کو قاہرہ کے ایک ممتاز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم روایتی رہی جس میں حفظ بھی شامل ہے

بعد میں لاء کی بھی پڑھائی کی۔ 1933ء کے اوائل میں ان کی پہلی مرتبہ امام حسن البنا سے ملاقات ہوئی، جس کے بعد وہ تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ دیگر رہنماؤں کی طرح ان کو بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ مرشد دوم کی شہادت کے بعد وہ بالاتفاق تیسرے مرشد عام منتخب ہوئے۔ آپ نے کل تیرہ سال تک اخوان کی قیادت کی۔ اس دوران انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ ذاتی دشمنی، گروہی تعصبات اور سیاسی مخاصمت سے دور رہنے کی پالیسی اپنائی۔ نیز اخوانی طلبہ کو ایک نئے پلیٹ فارم "الجماعة الاسلامية" پر اکٹھا کیا جس سے طلبہ مزید متحرک ہو کر کام کرنے لگے۔ آپ نے نفاذ شریعت کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں کے درمیان رابطہ اور اتحاد کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کی شخصیت کا ایک اور نمایاں رول پورے ملک میں زکوٰۃ کمیٹیوں کی تشکیل ہے۔ سید عمر تلسمانی نے زندگی بھر اسرائیلی ریاست کے قیام اور یہودیوں سے دوستانہ تعلقات رکھنے کی مخالفت کی۔ مئی 1986ء میں شیخ عمر تلسمانی کا انتقال ہوا، جس سے اخوانی نوجوانوں کے سروں سے دست شفقت اٹھ گیا۔

5.5.3 محمد حامد ابو النصر

تیسرے مرشد عام شیخ عمر تلسمانی کے انتقال کے بعد مکتب ارشاد نے اپنے ایک سینئر رکن سید محمد حامد ابو النصر کو اتفاق رائے سے نیا مرشد منتخب کیا۔ سید محمد حامد ابو النصر کی پیدائش 25 مارچ 1913ء کو دریائے نیل کے مغرب میں مصر سعید کے ایک شہر منفلوط میں پیدا ہوئے۔ ان کے دور میں تحریک اخوان کو پھر سے اندرونی استحکام نصیب ہوا۔ لوگوں میں احساس ذمہ داری اور باہمی تعاون کے جذبے کو فروغ ملا۔ موجودہ دور میں اسلامی تحریکات پر گہری نظر رکھنے والے اسکالر و مفکر پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی، اس دور کی کامیابیوں اور اخوان کی پالیسیوں اور ان کی سیاسی پوزیشن پر یوں قلم طراز ہیں:

"استاد محمد حامد ابو النصر کے دس سالہ دور قیادت میں اخوان نے سیاسی سطح پر غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ گرچہ تنظیمی سطح پر وہ اب بھی خلاف قانون رہیں، مگر عوام میں پھر اس کی جڑیں گہری ہوئیں اور اس کے وجود کو برابر تسلی کیا گیا۔ ملک کی پیشہ وارانہ تنظیموں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تدریسی انجمنوں پر اخوان کے کارکن اور رہنما حاوی رہے۔ ان کے تمام انتخابات میں اسلام پسندوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اپریل 1987ء کے پارلیمانی کے انتخابات میں حزب العمل اور حزب الأحرار سے مفاہمت کر کے اخوانی کارکنوں نے حصہ لیا اور پہلی بار جماعت کی تاریخ میں مصری پارلیمنٹ میں 36 اخوان امیدوار کامیاب ہو کر پہونچے اور کامیاب حزب اختلاف کا کردار ادا کیا۔ 1989ء کی مجلس شوری کے وسط مدتی انتخابات میں بھی اخوان نے حصہ لیا۔ 1990ء کے پارلیمانی انتخابات کے مقاطعہ میں بھی اخوانی کارکنوں نے قائدانہ رول ادا کیا، بعد میں دوسری سیاسی پارٹیوں کو بھی اس مقاطعہ میں شامل ہونا پڑا۔ اخوان نے بائیکاٹ کا یہ فیصلہ ایمرجنسی کے قانون کی توسیع کے خلاف کیا تھا۔ 1992ء کے مقامی انتخابات میں بھی اخوان شامل رہے۔" (اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت۔ عبید اللہ فہد فلاحی، ص 26۔27)

5.5.4 استاذ مصطفی مشہور

استاذ مصطفی مشہور پانچویں مرشد عام ڈیلٹا مصر کے مشرقی خطہ منیا القمح کے گاؤں السعدیین میں 1921ء میں پیدا ہوئے۔ 1938ء میں سترہ سال کی عمر میں اخوان المسلمین سے وابستہ ہوئے۔ ثانوی تعلیم کے بعد قاہرہ منتقل ہوگئے اور کلیۃ العلوم میں داخلہ لے لیا۔ وہاں سے 1943ء میں فلکیات میں گریجویشن کیا۔ اس کے بعد ملک کی رصد کاری کی فضائیہ میں ایک فضائی رصد کار کی حیثیت میں ملازمت کر لی۔ 1946ء میں فلکیات اور رصد کاری ہی میں اعلیٰ تر ڈپلوما بھی حاصل کر لیا۔

مصطفی مشہور کی شخصیت بحیثیت مرشد عام کئی اعتبار سے اہم ہے کیونکہ انہوں نے اپنی قیادت میں اخوان کی پالیسی اور منہج میں وقت کے لحاظ سے چنداں تبدیلیاں کیں۔ ان میں سے پہلی یہ کہ حکومت کے سخت رد عمل اور استعماری طاقتوں کے اثر و نفوذ کی وجہ سے بعض اخوان کی جانب سے تشدد کے واقعات رونما ہوئے۔ لیکن مصطفی مشہور نے اس کی مخالفت کی اور ملکی دستور کی حد بندیوں میں رہ کر ہی اپنی دعوت تبلیغ جاری رکھنے کی تلقین کی۔ استاد مصطفی مشہور کی شخصیت ایک ادیب، مصنف، خطیب و مفکر کی حیثیت سے ہے۔ ان کا ایک بڑا کارنامہ قضیہ تکفیر کا تجزیہ اور فکری انحراف کا محاکمہ ہے۔ قضیہ تکفیر کے سلسلے میں ان کے موقف کی تشریح پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

1. دوسروں کے ایمان واسلام کے بارے میں فیصلہ دینا کسی مسلمان پر واجب نہیں۔
2. ہر مسلمان کی جان ومال اور عزت وآبرو محترم ہے اسے تار تار کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔
3. راہ حق کی آزمائشیں انسانی غلطیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ سنت الٰہی کا حصہ ہیں۔ (اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت۔ عبید اللہ فہد فلاحی، ص39)

پروفیسر خورشید احمد کے حوالے سے عبید اللہ فہد فلاحی لکھتے ہیں کہ مصطفی مشہور کے تین کارنامے ایسے ہیں جو بیسویں صدی میں تحریک اسلامی کی خصوصیت سے عرب دنیامیں تحریک کی تاریخ میں نمایاں ہیں:

1. انہوں نے بڑے پر آشوب دور میں تحریک کے پیغام ہی نہیں اس کے نظام کو عالمی بنیادوں پر استوار کیا اور وہ ہزاروں اخوان جو ہجرت کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئے تھے ان کو پھر تحریک کے شیرازے میں منسلک کیا۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، جنوب مشرقی ایشیا غرض ہر وہ جگہ، لوگوں کو منظم و مجتمع کیا اور تحریک سے وابستہ کیا۔ ربط واتصال کا مستقل نظام بنایا اور اس طرح عالمی اسلامی احیا کے موجودہ دور کی شیرہ بندی کی۔
2. دوسری عظیم خدمت وہ حکمت عملی اور طریق کار کی تبدیلی ہے جو ان کی قیادت میں مصر میں تحریک اخوان المسلمون میں آخری 30 سالوں میں واقع ہوئی۔ بلاشبہ اس میں وہ اکیلے نہیں تھے لیکن اس زمانے میں انہوں نے تحریک کو دعوت و تربیت کے ساتھ اجتماعی نظام میں جمہوری ذرائع سے تبدیلی اور دوسری سیاسی واجتماعی قوتوں کے ساتھ تعاون والحاق کے ذریعہ تحریک کے لیے راستہ بنانے کی کوشش کی۔

3. نوجوانوں سے ان کی محبت اور انہیں اپنی طرف کھینچنے اور تحریک میں سمو دینے کی ان کے اندر بھرپور صلاحیت تھی۔ آج اخوان کی قیادت 60 اور 70 سال سے بلکہ اس سے بھی زیادہ عمر کے لوگوں کے ہاتھ میں ہے مگر اخوان کی قوت وہ ہزاروں لاکھوں نوجوان ہیں جو تحریک کے دست وبازو ہیں۔ (اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت۔ عبید اللہ فہد فلاحی، ص 42۔43)

5.5.5 شیخ مامون الہضیبی

استاذ مصطفی مشہور کی وفات کے بعد ان کے نائب مرشد عام محمد مامون الہضیبی چھٹے مرشد عام منتخب ہوئے۔ انہوں نے نوجوانوں کے فعال کردار کو خوب سراہا۔ مصطفی مشہور کے دور میں اخوان کی پالیسی اور طرز عمل میں جو تبدیلی ہوئی اس کو عملی جامہ پہنانے کا کام شیخ مامون الہضیبی نے کیا۔ قدرت نے ان کو خدمت کا زیادہ موقع نہیں دیا اور 14 مہینے کی خدمت کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

5.5.6 محمد مہدی عاکف (1928۔2010)

شیخ مامون الہضیبی کے بعد استاد محمد مہدی عاکف ساتویں مرشد عام منتخب ہوئے۔ ساتویں مرشد عام کے دور کا سب سے اہم کارنامہ دسمبر 2005ء کے پارلیمانی انتخابات میں اخوان المسلمین کے کارکنوں کا آزاد امیدواروں کی حیثیت سے حصہ لینا تھا۔ کیونکہ ان کو اخوان المسلمون کا نام استعمال کرنے پر پابندی تھی، اس کے باوجود اخوان نے 454 نشستوں والی پارلیمنٹری انتخاب کی صرف 150 سیٹوں پر الیکشن لڑا اس میں سے 88 سیٹوں پر وہ کامیاب ہوئے، نیز حزب اختلاف کا درجہ بھی حاصل کیا۔ اس کے علاوہ مہدی عاکف نے جہاد استعمار اور یہودیوں کے خلاف مسلح مزاحمت کی وکالت کی۔

5.5.7 شیخ محمد بدیع

شیخ محمد بدیع 2010ء سے 2013ء تک مرشد عام کے عہدہ پر فائز رہے۔ انہوں نے شخصی اقتدار کی مخالفت کی، اور حکمرانوں میں سے کسی کے خلاف تکفیر کے فتوے جاری کرنے کو غلط سمجھتے تھے۔

شیخ محمد بدیع کے بعد شیخ محمود عزت ابراہیم کو قائم مقام مرشد عام بنایا گیا، وہ 2020ء تک اپنے فرائض وذمہ داریاں کرتے رہے۔ ان کو قید میں ڈال دیا گیا جس کے ابراہیم منیر کو قائم مقام کا عہدہ دیا گیا، ایک سال تک اس عہدہ پر فائز رہنے کے بعد وہ اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ اس کے بعد مرشد عام کی جگہ ایک کمیٹی قائم کر دی گئی، جو مرشد عام کے امور کو انجام دیتی ہے۔ اس کمیٹی کے سربراہ مصطفی فہمی طلبہ حسن ہیں۔

5.6 مسئلہ فلسطین کے تئیں موقف

اخوان المسلمون نے اس مسئلہ کو اپنی اولیت میں شمار کیا ہے، اور فلسطینی عوام کی جتنی بھی ممکن مدد کرنی چاہئے بلکہ ان کے نزدیک فلسطینی عوام کی مدد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی لکھتے ہیں:

"جہاں تک مسئلہ فلسطین کا تعلق ہے، ہمارے نزدیک اس مسئلے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ ہمارے دین کا جز بھی اور اس کے

لئے مدد بھی ہم پر فرض ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز ہم سے اس بارے میں پوچھا جاناہے، اور قیامت کے دن یقیناً تمام حکمرانوں سے بھی ضرور پوچھا جائے گا کہ اس معاملے میں کیوں کوتاہی کی اور فلسطینیوں کو دشمن کا تر نوالہ بننے کے لئے تنہا چھوڑ دیا کہ شارون اور اس کے حواری جب چاہیں انہیں گرفتار اور قتل کرتے پھریں۔ (اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت۔ عبید اللہ فہد فلاحی، ص 51)

5.7 اخوات مسلمات

انسانی سماج کی کئی اکائیوں میں سے ایک اکائی خواتین ہیں۔ اگر اس اکائی کو تعمیری و ترقی کاموں شامل نہ کیا جائے تو وہ معاشرہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ اسلام میں بھی خواتین کو معاشرہ کا اہم جز قرار دیا گیا ہے اور ان کی ذمہ داریاں و فرائض اور ان کی ادائیگی کے طریق کار کو واضح کیا گیا ہے۔ اخوان المسلمون نے بھی خواتین کو اپنی تحریک میں شامل کیا اور انہیں بھی ذمہ داریاں سونپی۔ 1933ء میں 'فرق الاخوات المسلمات" (اخوات مسلمات کا گروہ) کے نام اخوات مسلمات کی ایک پہلی کمیٹی اسماعیلیہ کے شہر میں تشکیل پذیر ہوئی۔ جس کی پہلی سربراہ سیدہ لبیبہ احمد منتخب ہوئیں۔

5.7.1 مقاصد شعبہ اخوات مسلمات

جہاں تک "شعبہ اخوات" قائم کرنے کے مقصد کا تعلق ہے وہ مندرجہ ذیل پیش کیا جارہا ہے:

1. دینی روح پیدا کرنا، اسلامی تعلیمات کی اشاعت کرنا، جو ایسی سنجیدہ اور تعلیم یافتہ خواتین تیار کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ جو اپنی متعلقہ خدمات و فرائض کو بخوبی انجام دے سکیں۔
2. اسلامی اخلاق و آداب کا پرچار کرنا، جو روح کو پاکیزہ بناتے اور نیکی و کمال کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، ساتھ ہی عورت کے جو حقوق ہیں اور اس پر جو ذمہ داریاں ہیں ان سے ان کو آگاہ کرنا۔
3. صحیح و مفید اسلامی تربیتی طریقوں کی طرف ان کی رہنمائی، جن کے ذریعے ان کے بچے جسمانی و عقلی نشو و نما پا سکیں اور خرابی صحت اور کمزوری عقل سے محفوظ رہیں۔
4. گھر کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنا، قرآن کریم سنت رسول ﷺ اور سیرت امہات المؤمنین کی تعلیمات عام کرنا اور ان باکمال عورتوں کی تاریخ کی اشاعت جن سے اسلامی تاریخ بھری پڑی ہے۔
5. بدعات و خرافات، جھوٹے افسانوں اور کہانیوں، غلط افکار اور بری عادات کا قلع قمع کرنا جو عورتوں میں عام اور مقبول ہیں۔
6. امور خانہ داری پر توجہ اس طرح پر کہ عورت گھر کو ایسی جنت مسرت بنا دے، جس میں ایک سعید خاندان پاکیزہ و محکم بنیادوں پر زندگی گزار سکے۔
7. اپنے حالات اور طاقت کے مطابق اور اپنے نسوانی دائرے کے اندر نفع بخش سماجی منصوبوں میں حصہ لینا۔ جیسے دواخانے، بچوں کی تربیت گاہیں، بچوں کے کلب، مدارس، یتیموں کی نگہداشت، غریب خاندانوں کی امداد کی تنظیم وغیرہ۔ (تحریک اخوان المسلمین:

اس کی خدمات واثرات۔ محمد شوقی زکی۔ اردو ترجمہ: سید رضوان علی ندوی، مکتبہ الحسنات رام پور یوپی، ص299-298)

شعبہ اخوات نے اپنی تربیت اور کارکردگیوں سے یہ ثابت کر دیا کہ جن مقاصد کے تحت یہ گروہ قائم کیا گیا تھا وہ ان پر کھری اتریں۔ آج جب ہم اخوان کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بہت سی ایسی اخوات کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے اپنے عزم مصمم اور بلند ہمتی سے مصر کی بادشاہی اور استعماری طاقتوں کے سامنے بھرپور مزاحمت کا سامنا کیا۔ قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا۔ جو اخوانی اس جہاد میں قربان ہوئے ان کے بچوں وخاندان کی حتی المقدور کفالت کی۔ انہی اخوات میں سے ایک نام زینب الغزالی کا ہے جنہوں نے اپنی قید کی داستان قلمبند کی ہے، جس کا اردو عنوان "زنداں کے شب وروز" ہے۔

5.7.2 ایام من حیاتی (زنداں کے شب وروز)

محترمہ زینب الغزالی کی خودنوشت "ایام من حیاتی" (جس کا اردو ترجمہ 'زنداں کے شب وروز' کے نام سے خلیل احمد حامدی نے کیا ہے) کا امتیاز یہ ہے کہ یہ اس بلند حوصلہ اور جرأت وشجاعت، تحریر وصحافت کی درشہوار اور عظیم داعیہ حق کی آپ بیتی ہے۔ جس نے جمال عبد الناصر کے دور میں جیل کی بدترین آزمائشوں اور ابتلاؤں کو انگیز کیا مگر پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی۔

زینب الغزالی نے 1937ء میں سیدات مسلمات کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی، جس کا مقصد دعوت حق کی اشاعت اور ایک ایسی مسلم امت تیار کرنا تھا، جو اسلام کی عزت وآبرو اور اسلام کی حکمرانی بحال کرے۔ بعد میں یہ تنظیم اخوان المسلمون میں ضم ہوگئی اور زینب الغزالی ایک فعال اور متحرک کارکن کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیتی رہیں۔ فاضل مصنفہ نے اپنی خودنوشت کا انتساب ان اخوانی اور پاکیزہ روحوں کے نام کیا جو اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے۔ مقدمہ میں مصنفہ نے تحریک اسلامی کے طریق کار اور اپنی مومنانہ بصیرت کا اظہار کیا ہے، جن سے ان کی فکری پختگی، تحریکات اسلامی کی تاریخ اور منہج عمل سے بھرپور واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور اسلام کی راہ میں ہر مصیبت وابتلاء کو خندہ پیشانی سے قبول کرنے کی جرأت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ آپ بیتی آیات قرآنی کے استعمال واستشہاد سے پر ہے۔ فاضل مصنفہ نے قرآنی آیتوں کا اس طرح برمحل استعمال کیا ہے جیسے انگشتری میں نگینہ جڑ گیا ہو۔ الغرض یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اخوانی رہنماؤں کی آپ بیتیاں عربی ادب کے ذخیرہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہیں۔ ان میں جذبہ کی تپش، نصب العین کی صداقت، مقصد کی صراحت اور ایمان کی حرارت بھی ہے۔

5.8 زمام اقتدار اخوانیوں کے ہاتھ میں

اپنی تاسیس سے لے کر تقریبا سات دہائیوں تک اخوان نے ایک صالح معاشرہ کی تشکیل اور اسلامی حکومت قائم کرنے کی لگاتار کوشش کی، اور آخر کار یہ زریں موقع 24 جون 2012ء کو اخوانیوں کے ہاتھ آیا جب ان کے مشہور اخوانی رہنما ڈاکٹر محمد مرسی عوام کی بھرپور تائید کے بعد باقاعدہ صدر منتخب ہوئے۔ یہ حکومت 3 جولائی 2013ء تک رہی۔ اس ایک سالہ حکومت کے دوران اخوانیوں نے مصری سیاست میں جو تبدیلیاں لائیں اور جو کارنامے واصلاحات انجام دئے وہ ایک نظیر بن گئے۔ اس حکومت نے 60 سالہ اقتدار پر قابض رہنے والی

فوج کو بے دخل کر کے عدل وانصاف پر مبنی نظام قائم کیا۔ صدر کی من مانی کو کنٹرول کرنے کے لئے صدارتی کونسل کی تشکیل کی جن میں مختلف میدانوں کے ماہرین کو داخلی، خارجی اور سیاسی امور کی ذمہ داریاں دی گئیں۔ انتظامی اداروں سے بدعنوان افسر کو برطرف کر کے لائق اور ایمان دار افسران کی تقرری کی اور جدید آلات کے تناظر میں نئی منصوبہ بندی کی تاکہ ارتقاء کے عمل میں تیزی لائی جاسکے۔ بہت سے بے گناہ قیدیوں کی رہائی ملی۔ مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لئے سنجیدہ کوششیں کیں، حماس کو خاطر خواہ توجہ دی، فلسطینیوں کی ہر ممکن مدد کی، اسرائیل پر معاہدات کی پاسداری کرنے کی تلقین کی۔ اس کے علاوہ اسلامی اتحاد کے تناظر میں دیگر ممالک سے روابط مضبوط کیے۔ نیز معاشی واقتصادی اصلاحات کی اور تعلیم کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ثانوی درجات کے اسکولوں کی تعداد میں اضافہ کیا، سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں اعلی سطح کے اداروں کے قیام کے لئے کئی نئے پروجیکٹ شروع کرائے۔

5.9 تحریک اخوان المسلمون کے گلوبل اثرات

مصر کے ایک گاؤں اسماعیلیہ سے اٹھنے والی تحریک بہت جلد ایک عالمی تحریک بن جائیگی کسی نے یہ سوچا بھی نہیں ہوگا۔ لیکن اس تحریک کے جیالوں کے عزائم ومقاصد، عظیم کارناموں اور اس کے قائدین کی قربانیوں نے بہت ہی جلد اس تحریک کو گلوبل سطح پر متعارف کرادیا۔ اس تحریک کی برکت سے عربی ممالک میں دماغی، ادبی واخلاقی اور تہذیبی سوچ کارخ بدل گیا، قوم پرستی، الحاد اور مغربی تقلید کا زور ماند پڑ گیا۔

جو خطہ سب سے زیادہ متاثر نظر آتا ہے وہ عالم عرب ہے، اس کے علاوہ افریقی ممالک میں بھی ایسے افراد کی جماعت موجود ہے جو اخوان کی اسلامی تحریک سے متاثر اور وابستہ ہیں۔ یورپ وامریکہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں موجود اکثر اسلامی تحریکات اخوان المسلمون کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، چونکہ ایسے افراد جو لوگ مصری حکومت کی زیادتیوں سے تنگ آکر مغربی ممالک میں منتقل ہوئے انہوں نے باضابطہ وہاں اخوان کے طرز پر تحریکیں قائم کیں، جو اسی روح کے ساتھ کارفرما ہیں۔ ایک جائزہ کے مطابق فرانس، اٹلی وغیرہ میں کئی ایسے مدارس اور مسجدیں ہیں جو اخوانیوں کے زیر اثر چل رہے ہیں۔

5.10 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تحریک اخوان نے جب دعوتی وتربیتی میدان سے باہر نکل کر سیاسی امور میں حصہ لینا شروع کیا، تو یہ بات استعماری طاقتوں اور ان کی ہمنوا حکومتوں کو پسند نہیں آئی، نتیجۃ اخوان اور ارباب اقتدار کے مابین کشمکش شروع ہوگئی اور ان پر مشکلات کا دور شروع ہوگیا، جس میں ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں اخوانی کارکنوں کو گرفتار کیا گیا، قید وبند کی مشکلیں جھیلنی پڑیں۔ بہت سے رہنما اور قائدین کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کے جان کی قربانیاں تک دینی پڑیں۔ لیکن اس تحریک کے جیالے عزم مصمم کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے اور حسب ضرورت منہج میں تبدیلی لاکر اپنے مشن پر لگے رہے۔

- دینی غیرت وحمیت رکھنے والی اخوات نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح اس تحریک میں حصہ لیا، اور اپنی بساط وطاقت کے اعتبار سے فی سبیل اللہ جہاد کیا، ضرورت پڑنے پر مجاہد بھائیوں کی طرح قربانیاں بھی پیش کیں۔
- اخوان نے اپنی ایک سالہ جمہوری حکومت میں جو اصلاحات اور تبدیلیاں لائیں، وہ پچھلی کسی حکومت میں نظر نہیں آتا۔
- مصر کے اسماعیلیہ گاؤں سے پیدا ہونے والی جماعت آج دنیا کی بڑی تحریک بن چکی ہے۔ اس جماعت کی شاخیں عرب و مسلم ممالک کے علاوہ یورپ وامریکہ میں بھی قائم ہو چکی ہیں جہاں وہ دینی وملی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

5.11 نمونہ امتحانی سوالات

5.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اخوان پر سب سے پہلے پابندی کس سن میں لگائی گئی؟

(a).1945ء (b).1948ء (c).1952ء (d).1966ء

2. امام حسن البنا کی شہادت کب ہوئی؟

(a).14/جولائی1948 (b).26/دسمبر1950 (c).14/جولائی1949 (d).12/فروری1949

3. اخوان کی حکومت کس کی صدارت میں قائم ہوئی؟

(a).ڈاکٹر محمد مرسی (b).امام حسن البنا (c).مامون الہضیبی (d).مہدی عاکف

4. اخوان کے تیسرے مرشد عام کون تھے؟

(a).امام حسن الہضیبی (b). محمد حامد ابوالنصر (c).سید عمر تلسمانی (d). مصطفی مشہور

5. مندرجہ ذیل میں زینب الغزالی کی کون سی تصنیف ہے؟

(a).زنداں کے شب وروز (b). نحو النور (c). دعاۃ لا قضاۃ (d). العدل الاجتماعی فی الاسلام

5.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. 'نحو النور' رسالے کا مختصر تجزیہ پیش کریں۔
2. اخوان پر مکمل پابندی کے بیرونی اسباب بیان کیجیے۔
3. پروفیسر عبید اللہ فہد کے مطابق محمد حامد ابوالنصر کی بطور مرشد عام کیا کامیابیاں ہیں؟ تحریر کریں۔
4. حسن بن اسماعیل الہضیبی کی تصنیف 'دعاۃ لا قضاۃ' کے مرکزی خیال کو اپنے الفاظ میں مختصراً پیش کریں۔
5. زنداں کے شب وروز میں کس چیز کی روداد بیان کی گئی ہے؟ مختصر اجائزہ لیں۔

5.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. عالم اسلام کو متحد کرنے کے لیے پہلے مرشد عام نے کون سا طریقہ اپنایا؟ بیان کیجیے۔
2. 'ایام من حیاتی' کے تناظر میں اخوات مسلمات کی قربانیوں کا جائزہ لیجیے۔
3. اخوان المسلمون کی ایک سالہ حکومت میں انجام دی گئی اصلاحات کا تجزیہ کیجیے۔

5.12 تجویز کردہ اکتسابی مواد

---

1. اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت۔ پروفیسر عبید اللہ فہد۔ القلم پبلی کیشنز، کشمیر 2011ء
2. تحریک اخوان المسلمون: ماضی وحال۔ محمد شوقی ذکی۔ اردو ترجمہ: ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، مجلس نشریات اسلام۔
3. زنداں کے شب وروز، زینب الغزالی۔ ترجمہ: خلیل احمد حامدی۔ ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی
4. اخوان المسلمون: مقصد۔ مراحل۔ طریق کار، پروفیسر سعید حوی۔ اردو ترجمہ: عبید اللہ فہد فلاحی، ہندوستان پبلی کیشنز، دہلی۔
5. اخوان المسلمون: تاریخ، دعوت، خدمات۔ خلیل احمد حامدی، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی

اکائی 6: سید جمال الدین افغانی

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 سید جمال الدین افغانی

6.2.1 ابتدائی زندگی

6.2.2 پہلا دور

6.2.3 دوسرا دور

6.2.4 تیسرا دور

6.2.5 العروۃ الوثقیٰ کے اغراض و مقاصد

6.2.6 روس، ایران و ترکی

6.2.7 پان اسلامی تحریک

6.2.8 تصانیف

6.3 اکتسابی نتائج

6.4 نمونہ امتحانی سوالات

6.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

6.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

6.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

6.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

انیسویں صدی جو مغربی استعمار کی بلندی اور اسلامی ممالک کے تنزلی کا دور تھا۔ قومی شعور کا احساس بالکل ختم ہو چکا تھا، سیاسی حقوق دن بہ دن کم تر ہوتے جا رہے تھے اور پورا اسلامی معاشرہ زوال اور بد نظمی کا شکار تھا۔ اس عہد کی عالم اسلام کی جو عظیم شخصیات ہیں ان میں سید جمال الدین افغانی ہی وہ شخصیت ہیں جن کے افکار و آثار کی گونج پوری اسلامی دنیا میں سنی گئی۔ سید جمال الدین اپنی انقلابی شخصیت سے سامراجی اور مطلق العنان بادشاہوں کو خواب غفلت سے جگایا، جس ملک میں بھی آپ نے قدم رکھا وہاں پر اپنے اثرات چھوڑے۔ آپ نے اسلامی حکومتوں میں جو کمیاں یا خامیاں پیدا ہو گئیں تھیں اس کو دور کرنے کی تدابیر تجویز کی۔ مسلم معاشرہ میں جن برائیوں نے اپنی بنیادیں مضبوط کر لی تھیں ان کی شناخت کر کے ان کو دور کرنے کی تجویز پیش کی۔ سید جمال الدین افغانی نے جس تحریک کی ابتدا کی تھی وہ فکری اور اجتماعی تھی۔ جہاں وہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ مسلمان اپنے خیالات میں وسعت پیدا کریں اور اس کے ساتھ ہی وہ نظام زندگی میں بھی تبدیلی چاہتے ہیں۔

سید جمال الدین افغانی بذات خود مولوی تو تھے اس کے باوجود مسلم معاشرہ کے بگاڑ کی اصل وجہ مولویوں کو ہی قرار دیا۔ آپ نے علماؤں کی تقلید جامد کو مسترد کرتے ہوئے لوگوں کو نئے علوم سیکھنے کی طرف راغب کیا۔ آپ کی تصنیفات تو کم ہیں لیکن عملی زندگی میں انہوں نے ایسے لوگوں کی جماعت تیار کر دی جن میں کا ہر فرد جمال الدین افغانی کے فکر و عمل کے آگے بڑھانے والا تھا۔ آپ نے کئی سارے ملکوں کا دورہ کیا تاکہ وہاں کے حالات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔ سید کے نزدیک دو برائی بہت اہم ہیں جن سے مسلم معاشرہ کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اندرونی استبداد اور بیرونی استعمار۔ آپ نے ان کے خاتمے کے لیے جدوجہد بھی کی، ان دونوں عناصر کے مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں میں سیاسی بیداری ہو اور وہ سیاست میں حصہ لیں۔ آپ ذاتی مفاد اور مقاصد سے بے پرواہ تھے، آپ کے مطمح نظر صرف دینی اغراض اور ملی مفاد تھا جس کے حصول کے لیے عمر بھر سر گرداں رہے۔ اسلامی ممالک کی بیداری کے لیے پیہم کوششیں کرتے رہے اور یورپ کی جارحیت کے خلاف باہمی اتحاد قائم کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ جمال الدین افغانی کو پان اسلام ازم تحریک کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ آپ انیسویں صدی کے باثر مسلمانوں میں سے ایک کامیاب سیاسی مصلح، مذہبی رہنما، فلسفی، مصنف اور صحافی رہے ہیں۔ دوسرے مصلحین سے جن باتوں پر فوقیت حاصل ہے وہ یہ کہ مصلحین نے صرف اپنے ملک کی اصلاحات پر توجہ دی، مگر جمال الدین افغانی تمام دنیائے اسلام کی نجات اور ہوا خواہی کی آواز بلند کی۔

6.1 مقاصد

اس اکائی میں آپ جمال الدین افغانی کی ابتدائی زندگی اور ان کی اتحاد اسلامی سے متعلق کوششوں کا جائزہ لے سکیں گے۔ اس کے علاوہ جمال الدین افغانی نے کس طرح ایک ملک سے دوسرے ملک میں رہ کر ان خدمات کو انجام دے اور عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوشش کی اس کے بارے میں آپ آگاہی حاصل کر سکیں گے۔

6.2 سید جمال الدین افغانی

سید جمال الدین افغانی نے افغانستان سے اپنی تبلیغی اور فکری سرگرمیوں کی شروعات کی۔ ہندوستان، مصر، ایران اور استنبول کا دورہ کر کے ان ممالک میں اسلام اور اس کی تہذیب کو مغرب کے خطرات سے متنبہ کیا۔۔

6.2.1 ابتدائی زندگی

سید جمال الدین افغانی افغانستان کے شہر اسعد آباد میں 1838ء کو پیدا ہوئے۔ جائے پیدائش کو لے کر اختلاف ہے کہ وہ ایران کے شہر ہمدان کے پاس ایک جگہ اسد آباد میں پیدا ہوئے، جب کہ دوسرے مورخین کا ماننا ہے کہ ان کی پیدائش افغانستان میں اسعد آباد نامی جگہ پر ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید صفدر تھا اور والدہ کا نام سکینہ بیگم تھا۔ آپ ایک مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ بچپن کابل میں گزرا اور ابتدائی تعلیم وہیں پر حاصل کی۔ اٹھارہ سال کی عمر تک آپ نے کابل کے ممتاز علمائے کرام سے مروجہ علوم حاصل کیا۔ اس کے بعد سائنس کی تعلیم حاصل کی۔ کئی زبانوں پر مہارت رکھتے تھے مثلاً فارسی، عربی، ترکی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور روسی ان زبانوں پر آپ کو لکھنے پڑھنے تک کی قدرت حاصل تھی۔ کابل میں رہتے ہوئے آپ نے افغانستان کے حالات کا بغور مشاہدہ کیا۔ سید جمال الدین افغانی کی زندگی کا اگر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو وہ ہمیں تین ادوار میں منقسم دکھائی دیتی ہے۔ پہلا دور ان کی زندگی کا ابتدائی دور ہے یہ 1838ء سے لے کر 1868ء تک کا ہے۔

6.2.2 پہلا دور

سید جمال الدین افغانی کا پہلا دور تیس برس کی عمر تک ہے جس میں تعلیم کی تکمیل، سفر حج وغیرہ۔ جمال الدین کو افغانستان، ہندوستان اور ترکستان کے حالات سے باخبری ان کو پریشان کرتی تھی۔ والد محترم کی وفات کے بعد وہ افغانستان سے نکل کر دوسری ملکوں کے حالات اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کا مشاہدہ کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں وہ سب سے پہلے ہندوستان آئے اور ایک سال تک قیام کیا۔ جمال الدین افغانی جب ہندوستان آئے تھے تو اس وقت ہندوستان کے حالات کروٹ لے رہے تھے کیوں کہ آٹھ سو سال حکومت کرنے کے بعد مسلمان قوم کی طاقت بالکل ختم ہونے والی تھی اور بادشاہ برائے نام تھا۔ انگریزی حکومت کا سورج طلوع ہو چکا تھا۔ آپ نے یہاں کے مسلمانوں کے حالات سے نصیحت حاصل کی اور اسلام و مسلمانوں کے لیے انگریزی اقتدار نے جو پریشانیاں پیدا کر رکھی تھی اس کو محسوس کیا۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے آپ نے سید احمد بریلوی اور شاہ ولی اللہ کے افکار کا باریک بینی سے مطالعہ کیا۔

1857ء کے شروعات میں حجاز گیے اور وہاں حج کیا، وہاں کے علماء سے ملاقات کی اور تبادلہ خیال ہوا۔ مکہ میں آپ نے ”ام القری“ نام سے ایک انجمن بنائی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں بھائی چارے بڑھاوا دیا جائے اور پوری اسلامی دنیا کو ایک خلیفہ کی سرکردگی میں جمع کیا جائے۔ ایک سال ٹھہرنے کے بعد شام، فلسطین، عراق اور ایران میں سیر وسیاحت کرتے ہوئے افغانستان واپس آئے۔ ان اسفار میں آپ نے استنبول اور بخارا کا بھی سفر کیا۔ ان مقامات پر آپ نے نئے علوم سے بھی فائدہ اٹھایا اور وہاں کے لوگوں کے مسائل و حالات سے

باخبر ہوئے۔ اسی معلومات کو بنیاد بنا کر آپ نے "اتحاد اسلامی" کا عظیم منصوبہ بنایا اور اس کو مکمل کرنے کی غرض سے پوری زندگی کوشش کرتے رہے۔

وہاں سے واپسی پر سید جمال الدین افغانی اپنے ملک واپس آئے اور اپنے دوست امیر محمد خاں کے دربار میں حاضر ہوئے، امیر ان سے اہم معاملات میں مشورہ دریافت کرتا، اس کے بعد امیر اعظم کے عہد میں مشیر خاص اور وزیر اعظم کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی۔ افغانستان کے بدلے ہوئے حالات نے ان کے لیے حالات ناموافق بنا دیے اور مجبوراً ملک کو چھوڑ کر ہندوستان آئے۔ انگریزی حکومت نے پابندی لگادی کہ وہ پنجاب کی سرحد سے تجاوز نہ کریں۔ افغانستان میں رہتے ہوئے جمال الدین افغانی نے اپنے ملک کی بھلائی اور فائدے کی ہر ممکن کوشش کی، فوج کو جدید اصولوں پر منظم کیا، محکموں کو بہتر بنانے کے لیے اصول بنائے، حکومت کے دفاتر، رسل ورسائل کو بہتر بنایا۔ تعلیمی ترقی کے لیے سرکاری مدارس، سرکاری شفاخانے کا نظم قائم کیا اور ایک نیا شہر "شیر پور" کے نام سے آباد کیا۔ اخبار کی اہمیت سے جمال الدین افغانی بخوبی واقف تھے اس لیے انہوں نے قوم کی بہتری کے لیے شیر علی سے اخبار شروع کرنے کی اجازت طلب کی۔ "شمس النہار" کے نام سے اخبار شائع کرایا جو کہ افغانستان کا پہلا اخبار تھا۔ اس اخبار کے پرچے ملک وبیرون ملک جاتے تھے۔ آپ کی جدوجہد دیکھنے کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ افغانستان جیسے غیر ترقی یافتہ ملک میں جنم لینے کے باوجود سید جمال الدین افغانی اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے ہی زمانے اور حالات کے تقاضوں سے باخبر تھے اور اس بات کے خواہاں تھے کہ افغانستان ایک جدید اور ترقی یافتہ ملک بنے۔

6.2.3 دوسرا دور

1868ء دسمبر میں جب تیسری بار جمال الدین افغانی ہندوستان پہنچے تو ہندوستان کے حالات بدل چکے تھے۔ غدر کا سانحہ گزرے دس سال کا عرصہ ہوا تھا، گویا آگ بجھ چکی تھی لیکن راکھ میں چنگاری موجود تھی۔ ایسے میں جمال الدین افغانی جیسے شخص کا ہندوستان آنا حکومت کی نظر میں کہاں پسندیدہ عمل ہو سکتا تھا۔ سختی اتنی تھی کہ وہ جب کسی سے ملتے یا بات کرتے تو حکومتی کارندے ان کے آس پاس رہتے۔ بمشکل تین مہینے قیام کیا اور مصر کے لیے روانہ ہوگیے۔ 1969 مارچ میں مصر پہنچ گیے اور قاہرہ میں قیام کیا۔ آپ اکثر جامعہ ازہر جاکر وہاں کے طلبا سے خطاب کرتے اور علمی مباحث ہوتی۔ کچھ طلبا آپ کے مکان پر بھی سیکھنے کی غرض سے چلے آتے۔ طالب علموں کی گزارش پر افغانی شرح اظہار کی کلاس لینے لگے اور اپنے لیکچر میں علمی بحثوں کے ساتھ سیاسی امور پر بھی گفتگو کرتے، انگریزوں پر تنقید کے معاملے میں جمال الدین افغانی کا رویہ سخت ہو جاتا۔ افغانی کے شاگرد ہی آگے جاکر مصر میں سیاسی بیداری اور قومی آزادی تحریک کا علمبر دار ہوئے۔ جمال الدین افغانی ان علماوں کو ملی سماج کے لیے نقصان دہ تصور کرتے تھے جن کے خیالات وسیع نہ ہوں۔ اس لیے آپ نے علما کی اصلاح ضروری سمجھی اور شاگردوں میں ملی وسیاسی شعور بیدار کرنے کی سعی کی۔ سید جمال الدین افغانی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دیکھ کر انگریز وخدیو مصر اپنے لیے مضر سمجھنے لگے اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ مصر کا ایک عیسائی جو جمال الدین کی شخصیت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا تو عیسائیوں نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ مسلمانوں نے جمال الدین کی پرزور تائید کی لیکن حکومت نے مصر میں ان کے قیام کو عوام کے لیے نقصان دہ بتا کر ان کو نکل جانے کا حکم دیا۔ غرض 40 دن کے قیام کے بعد وہی حالات پھر سے پیدا ہوگیے۔ اس قلیل مدت میں بھی شیخ

نے مصریوں کے قلب میں وہ تخم عمل بیج بو دیا تھا جو ہر قسم کی پریشانیوں کے بعد بھی مصر کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

1869ء میں ہی آپ مصر سے نکل کر استنبول پہنچے، کچھ ہی دنوں بعد آپ کی ملاقات وزیر اعظم عالی پاشا سے ہوئی۔ تقریباً دو سال تک یہاں قیام کیا۔ دینی اور علمی مجلسوں میں افغانی کو بڑی عزت دی گئی۔ حکومتی اداروں سے بھی آپ کی خاطر خواہ عزت کی گئی، چنانچہ آپ انجمن معارف، انجمن دانش اور دارالفنون جیسے بڑے علمی اداروں کا رکن بنایا گیا۔ اس کے علاوہ جامعہ کبیر سلطان احمد اور آیا صوفیہ میں پند و نصائح شروع کر دیا جس کی گونج ترکی سے ہوتے ہوئے شام و حجاز تک پہنچنے لگی۔ عوام و خواص غرض ہر طبقہ ان کی شخصیت سے متاثر ہو گیا۔ عثمانی سلطنت کے لیے یہ دور مصیبت و پریشانی کا تھا، آپسی کشیدگی اور بیرونی خطرات کا عہد تھا۔ ایسے وقت میں جمال الدین افغانی استنبول پہنچ کر عثمانی سلطنت میں نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور استنبول پہنچتے ہی وہ اپنے مقصد کے لیے فعال ہو گیے۔ آپ کے نزدیک دستوری نظام، سیاسی آزادی اور اسلامی اتحاد وہ بنیادی اصول و مقاصد ہیں جن کے لیے آپ نے ترکی، مصر، ایران اور یورپ کے علاقے میں کوشش کرتے رہے۔ لیکن جمود پسند با اثر علماء اور جاہ پسند امراء کو جمال الدین افغانی کے اصلاح پسند خیالات پسند نہ تھے، مطلق العنانی کے حامی امرا اور سلطان اپنے مفاد کے لیے جمال الدین افغانی کی سرگرمیوں کو نقصان دہ تصور کرتے تھے۔ مجبوراً افغانی کو دو سال بعد استنبول بھی چھوڑنا پڑا اور وہ ایک بار پھر مصر پہنچ گئے۔

1871ء میں ایک بار پھر آپ مصر پہنچ گیے۔ اس مرتبہ آپ کے چاہنے والوں نے خوشی کا اظہار کیا اور خواہش کی کہ وہ مستقل طور پر جامعہ ازہر قاہرہ میں سکونت اختیار کریں۔ علمائے کرام نے بھی اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی کہ آپ طلبا کی رہنمائی کریں اور باقاعدہ جامعہ ازہر میں درس دیں۔ اس بار سید افغانی کو مصر کی زمین اپنے کام کے لیے بہت زیادہ ہموار ملی۔ کچھ ہی دنوں میں آپ کی شہرت کا چرچا وزیر اعظم ریاض پاشا تک جا پہنچا۔ پہلی ملاقات میں اعظم پاشا افغانی کی صلاحیت و قابلیت سے اتنا متاثر ہوا کہ مصر میں لمبے وقت تک ٹھہرنے کی گزارش کی۔ ریاض پاشا کی کوشش سے ہی ایک ہزار قرش ماہانہ اعزازی وظیفہ اسماعیل خدیو نے مقرر کیا۔ سید جمال الدین افغانی نے اس بار اپنی تحریک کے لیے جامعہ ازہر کو منتخب کیا۔ اس وقت ازہر میں قدیم نصاب تعلیم مروج تھا جو اس وقت کے تقاضوں کی تکمیل نہیں کر رہا تھا۔ جدید علوم کی تحصیل کو بدعت سمجھا جاتا تھا، جمال الدین افغانی نے اپنی کوششوں سے جامعہ ازہر کے شیوخ کو نصاب تعلیم میں تبدیلی کے لیے راضی کیا اور طریقہ تعلیم کو بھی بدلا۔ غرض آپ کے حلقہ درس میں طلبا کے ساتھ علما سرکاری عہدہ دار اور امرا کی شمولیت ہونے لگی۔ جامعہ ازہر میں ان کی مقبولیت میں دن بہ دن اضافہ ہوتا گیا۔ جمال الدین افغانی نے ملی بیداری اور اصلاح و ترقی کی کوششوں کا کامیاب بنانے کے لیے علما اور نوجوانوں کی خدمات حاصل کرنے لگے۔ اس کے لیے آپ نے جماعتیں اور انجمنیں قائم کیں جس کا مقصد سیاسی ہوتا تھا۔ ان میں سب سے مشہور نام "انجمن حیات الوطنی" جس کو "محفل وطنی" کے نام سے شہرت ملی۔ 1876ء میں افغانی میسن لاج کے رکن بنے اور اپنے دوستوں کو بھی تیار کرا کر اس میں شامل کرایا۔ 1879ء میں افغانی کی جدوجہد سے سیاسی جماعت "حزب القوم" کے نام سے بنائی گئی۔ اس کے علاوہ جمال الدین نے مصر میں سب سے بڑا کام صحافت کی بنیاد ڈالنا تھا۔ اس صحافتی مشن نے صرف مصر کی سیاست پر ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام پر دور رس اثرات مرتب کیے۔ جمال الدین افغانی مصر میں داخل ہوتے ہی اس کی صحافت کی شروعات کرنا چاہتے تھے لیکن اجازت نہ

ملی۔ 1877ء میں ادیب اسحاق نے ہفت روزہ ''مصر'' کی شروعات کی جس میں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ سید افغانی کے جامعہ ازہر کے لیکچر بھی اس ہفت روزہ کی زینت بنتے تھے۔ اس کے علاوہ بھی مصر میں کئی اخبار اور جرائد نکلتے تھے جس میں افغانی کے مضامین چھپتے تھے۔ کئی اخبار اور جرائد کے اجازت نامے اور سرمایہ بھی افغانی نے فراہم کروایا۔ مصر میں جمال الدین افغانی جلسوں میں اپنی شعلہ بیانی سے عوام کے اندر زبردست ہیجان پیدا کر دیتے تھے۔ افغانی کی ان کوششوں کو دیکھ کر اور روزبروز اس کے اثرات کو بڑھتے دیکھ کر برطانوی حکمراں اور خدیو توفیق سہمے رہتے تھے۔ غرض اگست 1879ء رات کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ مصر چھوڑ دیں اور ان کو اتنی مہلت نہ دی گئی کہ وہ اپنا سازوسامان رکھ پاتے۔ آپ کو گرفتار کرکے بڑی سروسامانی کی حالت میں راتوں رات سویز پہنچا دیا گیا۔ آپ کی خواہش تھی کہ استنبول، پیرس یا مکہ معظمہ جانے دیا جائے مگر سویز سے ان کو بمبئی روانہ کر دیا گیا۔

1879ء میں آپ ممبئی پہنچے اور وہاں سے حیدرآباد چلے گیے۔ آپ کی امیدوں کے مطابق یہاں بھی وہ آزاد نہ تھے کیوں کہ حیدرآباد میں ان کی حالت نظربندی جیسی تھی اور مستقل آپ کی نگرانی کی جارہی تھی۔ لوگ ملاقات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ دو سال آپ یہاں ٹھہرے لیکن یہ دو سال بڑی خاموشی سے بسر کیے اور اپنے مقاصد کی اشاعت کے لیے مضامین لکھنے پر زیادہ توجہ دی۔ البتہ آپ نے قومی زبان کے فروغ اور تعلیمی اصلاح کے لیے ایک تجویز پیش کی جس پر چالیس سال بعد عمل کیا گیا۔ وہ تجویز یہ تھی کہ حیدرآباد میں مسلمانوں کے لیے ایک یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں مادری زبان (یعنی اردو) میں پوری تعلیم دی جائے۔ جامعہ عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام ہندوستانی تاریخ میں ایک بڑا علمی کارنامہ تسلیم کیا گیا۔ حیدرآباد میں آپ نے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا لیکن اپنی تقریروں، تحریروں اور علمی مجالس سے اپنے مقاصد و نظریات کو فروغ دیتے رہے، جس سے ان کی شہرت میں روز بہ روز اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر انگریز حکومت اور نظام حکومت نے ان کو حیدرآباد سے کلکتہ منتقل ہو جانے کو کہا گیا۔ 1881ء کے آخر میں آپ حیدرآباد سے بھوپال گیے جہاں تھوڑے دن رہنے کے بعد ان کو کلکتہ منتقل کر دیا گیا۔ کلکتہ میں بھی آپ پر برابر پابندیاں عائد رہیں اور مسلسل آپ نگرانی میں رہے۔ 1882ء میں آپ کلکتہ سے روانہ ہوئے اور مختلف مقامات پر ٹھہرتے ہوئے پیرس میں قیام کیا۔

دوسرا دور جمال الدین افغانی کی زندگی کا مشکلات بھرا رہا لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ آپ کی شخصیت مشرق میں سیاسی آزادی کے سربراہ کے طور پر منظر عام پر آئی۔ آپ نے مسلمانوں کے جمود کو توڑنے کی مسلسل کوشش کی اور نظریہ و عمل کا ایک ایسا نقشہ دیا جس سے مسلمانوں کے اتحاد کے ذریعہ مغرب کے تسلط کو ختم کیا جاسکتا تھا اور اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کیا جاسکتا تھا۔

6.2.4 تیسرا دور

یہ 1887ء سے 1897 تک پر مشتمل ہے۔ جمال الدین پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے مغربی غلبے کو اچھی طرح سے محسوس کر لیا تھا اور اپنی پوری زندگی اسلامی دنیا کو اس خطرے سے آگاہ کرنے اور اس کی روک تھام کے لیے محاذ بنانے میں صرف کر دی۔ کلکتہ سے نکلنے کے بعد جمال الدین افغانی نے اسلامی ممالک کے بجائے پیرس کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا۔ افغانی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اخبارات ورسائل عوام اور حکومت کو متاثر کرنے کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ اس لیے نشرواشاعت کی زبردست مہم شروع کی اور نہ صرف عربی میں مضامین لکھے بلکہ

انگریزی اور فرانسیسی زبان میں بھی مضامین لکھے۔ آپ نے العروۃ الوثقی کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ جس کو پہلے دن سے ہی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے مضمون فرانس، برطانیہ، روس اور اسلامی ممالک کے جرائد کی زینت بننے لگے۔ جمال الدین افغانی جب پیرس میں مستقل سکونت اختیار کی تو ان کے شاگرد و دوست محمد عبدہ اور سعد زاغلول وغیرہ ملاقات کے غرض سے پیرس پہنچے۔ افغانی کے رفقاء جب پیرس پہنچے تو انہوں نے ایک تنظیم "جمعیۃ العروۃ الوثقی" کے نام سے بنائی۔ یہ بین الاسلامی اتحاد کے لیے بنائی گئی اور اس میں ترکی، شام، مصر، تونس، الجزائر، مراکش، ایران، ہندوستان اور بعض ممالک کے لوگ اس کے رکن بنے۔ افغانی نے اپنی اس تحریک کو لوگوں تک پہنچانے اور اس کے فروغ کے لیے ہفتہ وار جریدہ "العروۃ الوثقی" نکالنے کا فیصلہ کیا۔ مالی حالت خستہ ہونے کے باوجود آپ نے یہ فیصلہ کیا اور اس کا پہلا شمارہ 13 / مارچ 1884ء کو منظر عام پر آیا اور آخری شمارہ اکتوبر 1884ء کو آیا۔ محض اٹھارہ شمارے ہی اس جریدے کے نکل پائے تھے لیکن اتنے شمارے ہی جدید اسلامی دنیا کی بیداری اور سامراج کے خلاف ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

6.2.5 العروۃ الوثقی کے اغراض و مقاصد

"مشرقی قوموں کی بربادی کی اب کوئی حد نہیں رہی اور وہ انتہا درجہ تباہ حال ہو چکی ہیں۔ خصوصاً مسلمان جن میں کے بہت سے تاجدار اپنے تاج و تخت سے محروم کر دیے گئے، ان میں بے شمار صاحب جاہ و عزت تھے جو ذلیل ہو گئے۔ بے شمار ارباب شوکت و جلال تھے جو حقیر ہو گئے اور بے شمار اصحاب دولت و مال تھے جو فقیر ہو گئے۔۔۔ ان کا کوئی طبقہ، کوئی فرقہ اور کوئی گروہ ایسا نہیں جو اس عام تباہی و بربادی سے محفوظ ہو۔۔"

"یہ رسالہ بقدر امکان مشرقی قوموں کے لیے ان ضروری کاموں کو صاف صاف بیان کرے گا جن میں کسی بھی طرح کی کرنا ان کی بربادی، کمزوری اور تباہی کا سبب ہے، اور ان راستوں کی طرف علانیہ رہنمائی کرے گا جن پر چلنا تلافی مافات کے لئے از حد ضروری ہے۔ نیز آئندہ مشکلات سے عہدہ بر آہونے کی صورتیں بھی پیش کرتا رہے گا۔"

"یہ رسالہ مشرق وسطیٰ کے اعلیٰ طبقے کی نگاہوں سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرے گا اور ان شبہوں اور وہموں کو دور کرے گا جن کی وجہ سے ہدایت و کامیابی کا راستہ ان پر ملتبس ہو گیا ہے۔ ان کے ان وسوسوں کو رفع کرے گا جن کی بنا پر وہ مرض کے علاج و شفا کی طرف سے مایوس ہو چکے ہیں اور عام طور پر وہ سمجھنے لگے ہیں کہ مصیبت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے اور تدارک و تلافی کا زمانہ گزر چکا ہے۔"

"یہ رسالہ سمجھائے گا کہ تمام مشرقی قوموں کے لیے باہمی امداد و اعانت کا طریقہ نہایت ضروری ہے اور یہی ان کے سیاسی روابط اور وطنی تعلقات کا محافظ ہو سکتا ہے، اس لیے کہ اسی طریقے کے فقدان کا یہ نتیجہ ہے کہ آج قوی نے ضعیف کو دبا رکھا ہے۔"

"یہ رسالہ اعدائے مشرق کی محبت اور خیر خواہی کی اس منقش چادر کو جو رنگارنگ ملاطفت اور نرم خوئی سے رنگین ہے، چاک کر کے جو کچھ پس پردہ ہے، اس کو علانیہ دکھادے گا، اور حریص و طماع مغرب، مشرق کی تاریکی و غفلت میں آہستہ آہستہ جس مخفی راہ سے چل رہا ہے اس پر کافی روشنی ڈالے گا۔"

"یہ رسالہ اس امر کی خاص کوشش کرے گا کہ مشرقی قوموں پر جو غلط الزام لگائے جاتے ہیں اور خاص کر مسلمانوں پر جو

جھوٹی تہمتیں لگا کر ان کو بدنام کیا جاتا ہے، ان کی اچھی طرح پردہ دری کرے اور اصلی حقیقت کو سمجھائے۔ نیز بعض ناواقفوں کے اس خیال کی تردید کرے گا جو یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان ترقی و تمدن کے برکات سے اس وقت تک مستفید نہیں ہو سکتے، جب تک کہ وہ انہی اصولوں پر کار بند رہیں گے جن پر آج سے سیکڑوں برس پہلے کاربند ہو کر ان کے اسلاف نے فائدہ اٹھایا تھا۔"

"یہ رسالہ تمام مشرقی اقوام کو سیاسی حوادث عامہ سے باخبر کرنے کی ہر وقت کوشش کرے گا اور ان کے متعلق سیاسی جماعتیں جو طرز عمل اختیار کرتی رہیں گی، ان کے انکشاف اور پردہ دری سے غافل نہ ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام مشرقی قوموں کے باہمی تعلقات کی تقویت اور استحکام اور ان کے افراد میں باہمی محبت و الفت کی تلقین و تحکیم کی خاص طور پر رعایت رکھے گا اور ان کے منافع مشترکہ کی تائید و حفاظت کو اپنا سب سے بڑا فرض سمجھے گا۔"

(عبد الغفار، آثار جمال الدین افغانی، ص 173-175ء بحوالہ شاید حسین رزاقی، افغانستان کے پہلے مرد مجاہد سید جمال الدین افغانی: حیات و افکار، ص 105-107)

سید جمال الدین افغانی نے "عروۃ الوثقی" کے پہلے شمارے میں افتتاحیہ لکھا اور اس کے علاوہ ایک سیاسی مضمون لکھا جس میں مشرق میں برطانوی حکمت عملی کو واضح کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ دینی و اصلاحی مضامین بھی لکھتے تھے۔ اس اخبار کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مشرقی ممالک اور بطور خاص اسلامی دنیا میں سیاسی و ملی بیداری پیدا کرنا اور دینی و معاشرتی اصلاح کرنا تھا۔ بہت مختصر وقت میں اس اخبار نے مقبولیت کی بلندیوں کو حاصل کر لیا۔ اس کے مضمون و تبصرے عربی اخباروں میں نقل کیے جاتے تھے۔ غرض ان مضامین نے آزادی کی خواہش رکھنے والے محبان وطن میں ایک نئی جان ڈال دی، مسلم ممالک میں طوفان سا آگیا اور سامراجی ممالک کے لیے یہ اخبار پریشانی کا سبب بن گیا۔ مصر اور ہندوستان میں اس اخبار پر پابندی عائد کی گئی اور اس اخبار کو رکھنا سزا کا مستوجب قرار پایا۔

6.2.6 روس، ایران و ترکی

تین سال پیرس میں رہنے کے بعد 1885ء کے آخر میں آپ روس چلے گیے، آپ نے کوشش کی کہ برطانوی استعمار کے خلاف روس اور افغانستان کا اتحاد بن جائے لیکن اس میں خاطر خواہ کامیابی نہ ملنے کے بعد آپ نے اپنی توجہ ایران پر مذکور کر دی۔ علامہ افغانی کو ایران کی طرف سے دعوت دی گئی تو جمال الدین تہران کے لیے نکلے، شیراز ہوتے ہوئے اصفہان پہنچے اور آخر میں تہران پہنچے جہاں حکومت کی جانب سے آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ جمال الدین افغانی نے جیسے ہی ایران میں اصلاحات کا کام شروع کیا تو حکومت کے لیے خطرہ ہو گیے۔ کیوں کہ وہ لوگ ایسی کوئی تبدیلی نہیں چاہتے تھے جس سے ان کے اقتدار میں کمی آئے اور عوام حق حکمرانی میں شریک ہوں۔ درباری لوگوں نے بھی اہم کردار ادا کیا اور شاہ ایران میں افغانی کے قیام کو نقصان دہ سمجھنے لگا۔ جمال الدین افغانی کو جب اطلاع ملی تو انہوں شاہ کو لکھا کہ "آپ کی دعوت پر میں تہران آیا تھا اور یہاں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اب میں یورپ واپس جانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔" شاہ کی طرف سے اجازت مل گئی۔

ایران سے نکل کر علامہ افغانی نے 1887ء میں پھر سے روس کی جانب رخت سفر باندھا اور دو سال تک مقیم رہے۔ 1889ء میں

آپ شاہ کی دعوت پر پھر سے ایران تشریف لائے لیکن اس بار بھی وعدہ خلافی ہوئی اور جمال الدین افغانی کے خیالات سے حکومت کو پھر سے ڈرستانے لگا۔ شاہ ایران کی طرف سے آپ کو قم جانے کو کہا گیا لیکن آپ نے درگاہ شاہ عبد العظیم جانا پسند کیا۔ ایرانی مذہبی روایات کے مطابق یہاں کسی شخص کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تقریباً سات مہینے تک شاہ عبد العظیم میں آپ کا قیام رہا اور یہاں سے دعوتی کام جاری وساری رہا۔ صورت حال پھر سے نازک ہوئی تو علامہ کو ایران سے نکل جانے کا حکم آیا اور درگاہ شاہ عبد العظیم کے روایتی احترام کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے ان کو گرفتار کرلیا گیا۔ ایران سے نکالے جانے کے بعد مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ترکی پہنچے۔ سید جمال الدین افغانی جب بصرہ میں قیام پذیر تھے تو عثمان سلطان عبد الحمید نے ان کو ترکی آنے کی دعوت دی تو افغانی نے بڑی مشکل سے قبول کیا اور 1892ء میں استنبول پہنچے۔ دارالسلطنت میں بڑی گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا گیا۔ اس موقع پر سلطان نے دوسو پونڈ ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کیا۔ استنبول میں قیام کرنے کے بعد جمال الدین افغانی نے اپنی پوری توانائی بین الاقوامی اتحاد کے منصوبے کو عملی شکل دینے پر مرتکز کی۔ علامہ افغانی اپنے تصور ”اتحاد اسلامی“ کو پوری دنیا میں پھیلا دینا چاہتے تھے۔ شاہد حسین رزاقی لکھتے ہیں:

”علامہ افغانی اتحاد اسلامی کے تصور عملی حقیقت بنانے کے لیے اس تحریک کو عالم اسلامی کے گوشے گوشے میں پھیلا دینا چاہتے تھے۔ وہ اس مقصد کے لیے علما کے اثرات، حکومت کی حمایت، دانش مندوں اور مدبروں کی قابلیت، محبان ملت کے جوش عمل، ہر ایک تعمیری قوت سے کام لینا چاہتے تھے۔ مساجد کو اسلامی تحریک کے مرکز بنا دینے کے خواہاں تھے۔ ہر ایک ملک میں اور اس کے ہر حصے میں اسلامی انجمنیں اور ادارے قائم کرکے تحریک اتحاد اسلامی کی تنظیم واشاعت کرنا ضروری خیال کرتے تھے اور اس کے لیے مجاہدانہ جوش و خروش اور آہنی عزم و استقلال سے کام کرکے اسے کامیاب بنانے کے قائل تھے۔ اسلامی اتحاد کا حصول ان کے لیے ایک اہم ترین مقصد حیات تھا اور اسی مقصد کی خاطر انہوں نے سلطان عبد الحمید کی دعوت قبول کرلی، اور استنبول کو اپنی سرگرمیوں اور امیدوں کو مرکز بنا دیا۔“ ص181-182

غرض جمال الدین افغانی نے کوشش کی کسی طرح سے مسلم ممالک میں اتحاد قائم ہوجائے لیکن ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ کچھ وقفے کے بعد سلطان عبد الحمید کے دل میں بھی علامہ کی طرف شکوک پیدا ہوگیے اور سلطان علامہ افغانی کی کارکردگی پر نظر رکھنے لگا اور علامہ کو شاہی قیدیوں کی طرح جاسوسوں اور پولیس کی سخت نگرانی میں رہنا پڑا۔ نظربندی کے دوران علامہ افغانی کو سرطان کی بیماری ہوئی، ڈاکٹر کی تجویز و دواؤں سے زیادہ افاقہ نہ ہوا بلکہ اضافہ ہوتا گیا۔ افغانی نے سلطان سے ویانا بغرض علاج کی اجازت مانگی جو نہ مل سکی اور 9 مارچ 1897ء کو انتقال ہوگیا۔ استنبول میں ہی آپ کو دفن کیا گیا۔

6.2.7 پان اسلامی تحریک

اس تحریک کے شروعات سید جمال الدین افغان نے کی، جس کا مقصد پوری دنیا کے مسلمانوں کو ایک اسلامی ریاست یا خلافت کے تحت متحد کرنا تھا۔ یہ تحریک مغربی طاقتوں کے مسلمانوں کی زمینوں پر نوآبادیاتی قبضے کے ردعمل میں ابھری، خاص طور پر 16 ویں سے 18 ویں صدی کے دوران، جس کی وجہ سے مسلم دنیا کے اندر اہم سماجی، اقتصادی اور سیاسی بحران پیدا ہوئے۔ افغانی کا نقطہ نظر مغربی طرز کی

جمہوریت کو مسترد کرنے اور غیر موثر حکمرانوں کو مضبوط، محب وطن لیڈروں کے ساتھ تبدیل کرنے پر مرکوز تھا جو اپنے لوگوں اور اسلامی عقیدے کے مفادات کو ترجیح دیتے تھے۔ ان کی تحریروں اور سرگرمی نے اس خیال کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا کہ مسلمانوں کو بیرونی تسلط کے خلاف مزاحمت کرنے اور اپنی خودمختاری کا دوبارہ دعوی کرنے کے لیے اکٹھا ہونا چاہیے۔

پان اسلام ازم کے مقاصد، خاص طور پر سید جمال الدین افغان کی طرف سے بیان کیے گئے مقاصد کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے:

1. امت مسلمہ کا اتحاد: پان اسلام ازم کا بنیادی ہدف نسلی، ثقافتی اور قومی سرحدوں سے بالاتر ہو کر دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک اسلامی تشخص کے تحت متحد کرنا ہے۔ افغان نے تاریخی تقسیم پر قابو پانے کے لیے باہمی احترام اور افہام و تفہیم کو فروغ دیتے ہوئے سنی اور شیعہ مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی۔

2. مغربی سامراج کے خلاف مزاحمت: پان اسلام ازم مغربی طاقتوں کی طرف سے مسلم سرزمین پر استعماری قبضے کے رد عمل کے طور پر ابھرا۔ افغان کا مقصد سامراجی قوتوں کے خلاف اجتماعی کارروائی کی وکالت کرتے ہوئے غیر ملکی تسلط کے خلاف مزاحمت اور اپنی خودمختاری کا دوبارہ دعویٰ کرنے کے لیے مسلمانوں کو متحرک کرنا تھا۔

3. ایک اسلامی ریاست کا قیام: افغان نے ایک متحد اسلامی ریاست یا خلافت کے قیام کا تصور کیا جو مسلمانوں کے لیے سیاسی اور روحانی رہنما کے طور پر کام کرے گی۔ یہ ریاست اسلامی اصولوں اور اقدار پر مبنی ہو گی، حکمرانی کے لیے ایسا فریم ورک تیار کرے گی جو اسلامی تعلیمات کی عکاسی کرے۔

4. سماجی اور اخلاقی اصلاحات: سیاسی اتحاد کے علاوہ، پان اسلام ازم کا مقصد مسلم معاشروں میں سماجی اصلاحات بھی تھا۔ افغان نے تعلیم، انصاف اور اخلاقی اقدار کی اہمیت پر زور دیا، ایک بہتر اور ہم آہنگ معاشرے کی تشکیل کے لیے ناخواندگی اور ناانصافی کے خاتمے کی وکالت کی۔

5. اسلامی نظریات کا فروغ: افغان نے روایتی اسلامی نظریات اور اقدار کو زندہ کرنے کی کوشش کی، مسلمانوں کو انصاف، مساوات اور رواداری کے اصولوں پر عمل کرنے کی ترغیب دی جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں کا مقصد مسلم کمیونٹی کو مضبوط کرنے کے ذریعہ ان بنیادی اقدار کی طرف واپسی کی ترغیب دینا تھا۔

خلاصہ یہ کہ پان اسلام ازم کے مقاصد جیسا کہ سید جمال الدین افغان نے فروغ دیا تھا مسلمانوں کے اتحاد، استعمار کے خلاف مزاحمت، اسلامی ریاست کا قیام، سماجی اصلاحات اور اسلامی نظریات کی ترویج پر مرکوز تھے۔

6.2.8 تصانیف

جمال الدین الافغانی ایک نامور مصنف اور مفکر تھے جن کی تخلیقات مذہب، سیاست اور تعلیم سمیت مختلف موضوعات پر پھیلی ہوئی تھیں۔ حالانکہ آپ نے لکھا کم ہے اور کہا زیادہ ہے۔ ان کے چند قابل ذکر کام یہ ہیں:

رد علی الدھرین: یہ تصنیف ہندوستان کے قیام کے دوران آپ نے فارسی میں ایک مبسوط رسالہ ''رڈ دہریان'' لکھا تھا، جس کو شیخ محمد عبدہؒ، نے اسے ''الرد علی الدھرئین'' کے عنوان اور ایک مفصل مقدمے کے ساتھ عربی میں ترجمہ کر کے چھپوادیا۔ اس مضمون میں مادہ پرست اور ملحدانہ فلسفوں کے خلاف اسلامی عقائد کا دفاع ہے۔ یہ جدید سیکولر فکر کی طرف سے درپیش چیلنجوں کا ازالہ کرتا ہے اور خدا پر ایمان کی اہمیت کی تصدیق کرتا ہے۔

العروۃ الوثقیٰ: ہفت روزہ ''العروۃ الوثقیٰ'' کی اشاعت کا مقصد البتہ وسیع تر اور عالمی تھا۔ جس میں مختلف سیاسی بیانات و مقالات کے علاوہ اس ہفت روزہ مجلہ میں کوئی ڈیڑھ درجن فکر انگیز مضامین چھپے ہیں جو بظاہر شیخ محمد عبدہ کی تحریر اور جمال الدین کی فکر کا نتیجہ ہیں۔ بیشتر مقالات کے عنوانات قرآن مجید کی آیات کریمہ ہیں۔ اس مجلے نے بلادِ اسلامیہ اور یورپ میں ایک انقلابی کیفیت پیدا کر دی تھی۔

افغانی کی تحریریں اسلامی فکر اور عمل کی اصلاح کے لیے ان کے عزم کی عکاسی کرتی ہیں، اسلام کی ایک ایسی جدید تشریح کی وکالت کرتی ہیں جو اپنے وقت کے چیلنجوں سے نمٹتی ہو۔ ان کی تخلیقات اسلامی اصلاحات اور جدیدیت کے بارے میں عصری مباحث کو متاثر کرتی رہیں۔

6.3 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- جمال الدین افغانی ایک روشن خیال وسیع المشرب مسلمان عالم ورہنما تھے جنہوں نے اپنی پوری عمر مذہبی عقلیت، رد دہریت، آزادی و جمہوریت اور اتحاد اسلامی کی کوششوں میں صرف کی۔ جدید تاریخ میں انہوں نے سب سے پہلے مسلم ممالک کا ایک بلاک بنانے کی ضرورت کو محسوس کیا۔ وہ بلاشبہ عہد جدید میں عالم اسلام کے ہی نہیں مشرق کے ایک بڑے مفکر تھے اور مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے اولین بنیاد گزار بھی۔
- پیرس کے زمانہ قیام میں جمال الدین نے اپنے شاگرد محمد عبدہ، کی رفاقت میں ایک عربی ہفتہ وار جریدہ العروۃ الوثقیٰ جاری کیا جو مارچ1884ء سے اکتوبر1884ء تک نکلتا رہا اور اسی نام کی ایک خفیہ جماعت کو دنیا میں ارسال کیا جاتا تھا۔ اس جریدے میں بلادِ اسلامیہ میں برطانیہ کی استعماری حکمت عملی پر شدید نکتہ چینی کی جاتی تھی اور ان عقائد اور اصولوں پر زور دیا جاتا تھا جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمان دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی قوت و شوکت حاصل کر سکتے تھے۔ حکومت برطانیہ نے مصر اور ہندوستان میں عروۃ الوثقیٰ کا داخلہ بند کر دیا اور جن لوگوں کے پاس یہ اخبار خفیہ طور پر جاتا تھا ان پر سختی و نگرانی شروع کر دی۔

6.4 نمونہ امتحانی سوالات

6.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. پان اسلام ازم کا بانی کون ہے؟

(a). جمال الدین افغانی (b). سر سید احمد (c). محمد علی جوہر (d). احمد رضا خان

2. الرد علی دہرین کے مصنف کون ہیں؟

(a). ابو الکلام آزاد (b). سر سید احمد (c). محمد علی جوہر (d). جمال الدین افغانی

3. مورخین جمال الدین افغانی کے عہد کو کتنے دور میں منقسم کرتے ہیں؟

(a). تین (b). پانچ (c). سات (d). دس

4. جمال الدین افغانی کب پیدا ہوئے؟

(a). 1838ء (b). 1938ء (c). 1857ء (d). 1920ء

5. "العروۃ الوثقی" کے کتنے شمارے نکلے تھے کہ پابندی عائد کر دی گئی؟

(a). 18 (b). 10 (c). 20 (d). سب غلط

6. جمال الدین افغانی کو کہاں دفن کیا گیا؟

(a). اسعد آباد (b). استنبول (c). پیرس (d). ایران

7. "ام القری" نام سے جمال الدین افغانی کہاں انجمن بنائی؟

(a). ہندوستان (b). پیرس (c). ایران (d). مکہ

8. افغانستان کا پہلا اخبار کون تھا؟

(a). شمس النہار (b). الہلال (c). تہذیب الاخلاق (d). سب غلط

9. کس کی رفاقت میں آپ نے ہفتہ وار جریدہ العروۃ الوثقیٰ جاری کیا؟

(a). رشید رضا (b). محمد عبدہ (c). علی شریعتی (d). شاہ ولی اللہ

10. پان اسلام ازم کا مقصد کیا تھا؟

(a). مسلمانوں کے اتحاد (b). اسلامی ریاست کا قیام (c). استعمار کے خلاف مزاحمت (d). سب غلط

6.4.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. جمال الدین افغانی کی ابتدائی زندگی کا جائزہ لیجیے۔
2. افغانستان میں بطور وزیر اعظم آپ کی اصلاحات پر گفتگو کیجیے۔
3. جمال الدین افغانی کے تیسرے دور پر نوٹ لکھیے۔
4. افغانی کی تصانیف کا جائزہ لیجیے۔
5. ترکی میں آپ کی اصلاحی کوششوں کا جائزہ لیجیے۔

6.4.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. پان اسلامی تحریک پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. جمال الدین افغانی کی مصر میں اصلاحات کا جائزہ لیجیے۔
3. العروۃ الوثقی کے اغراض و مقاصد بیان کیجیے۔

6.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.	سید جمال الدین افغانی حیات وافکار	:	شاہد حسین رزاقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور طبع دوم 1986ء
2.	اشخاص وافکار	:	ضیاء الحسن فاروقی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ نئی دہلی، جنوری 1973ء
3.	اسلام اور تحریک تجدد مصر میں	:	چارلس سی آدم، مترجم: عبد المجید سالک، مجلس ترقی ادب اردو، کلب روڈ لاہور
4.	بیسویں صدی کی اسلامی تحریکیں	:	شہید مرتضیٰ مظہری، ترجمہ: ڈاکٹر ناصر حسین نقوی
5.	آثار جمال الدین افغانی	:	قاضی عبد الغفار، انجمن ترقی اردو ہند دہلی، 1940
6.	سید جمال الدین افغانی	:	ضیاء الدین احمد برنی، نیوٹائڈ پرنٹنگ پریس، کراچی 1953

اکائی 7: عالم اسلام کی شخصیات: محمد عبدہ، رشید رضا

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید
7.1 مقاصد
7.2 محمد عبدہ
7.2.1 ابتدائی تعلیم
7.2.2 استادی اور اخبار نویسی
7.2.3 ملک بدر کی زندگی اور واپسی
7.2.4 اصلاح نصاب اور طریقہ تعلیم
7.2.5 محمد عبدہ کے کارنامے
7.2.6 تصنیف و تالیف
7.3 رشید رضا
7.3.1 ابتدائی زندگی
7.3.2 اصلاحی کوششیں
7.3.3 مجلہ المنار
7.3.4 جمعیۃ الدعوہ والارشاد
7.3.5 تفسیر منار
7.3.6 تصانیف
7.4 اکتسابی نتائج
7.5 نمونہ امتحانی سوالات

7.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
7.5.2 مختصر جوابی سوالات
7.5.3 طویل جوابی سوالات
7.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

شیخ محمد عبدہ(1849-1905)ایک معروف مصری عالم دین، مفکر، اور اصلاح پسند تھے۔ انہوں نے اسلامی تعلیمات کو جدیدیت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی اور اسلامی معاشرت میں اصلاحات کی ضرورت پر زور دیا۔ عبدہ نے اپنے دور کے کئی اہم مسائل پر روشنی ڈالی، جیسے تعلیم، سیاست، اور سماجیات۔ وہ نہ صرف ایک عالم تھے بلکہ ایک مصلح بھی تھے، جنہوں نے اسلامی معاشرت میں ترقی اور خود انحصاری کی ضرورت محسوس کی۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "الاسلام والعدید" ہے، جس میں انہوں نے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو جدید چیلنجز کے تناظر میں پیش کیا۔ عبدہ کا اثر آج بھی بہت سے لوگوں پر موجود ہے، اور انہیں اسلامی اصلاحات کے اہم رہنماؤں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ محمد عبدہ کی تعلیمات نے مصر اور اس کے علاوہ دیگر اسلامی ملکوں پر بھی اپنے اثرات چھوڑے۔

سید رشید رضا(1865-1935)ایک معروف مصری عالم، مفکر، اور اسلامی مصلح تھے۔ وہ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رہے اور ان کے نظریات کو آگے بڑھایا۔ رشید رضا نے اسلامی فکروں کو جدیدیت کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی اور اسلامی معاشرت میں اصلاحات کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "المنار" ہے، جو ایک معروف اسلامی رسالہ ہے جس میں انہوں نے مختلف مذہبی، سماجی، اور سیاسی موضوعات پر لکھا۔ انہوں نے خلافت کے تصور کو بھی اہمیت دی اور مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔ رشید رضا نے تعلیم کے میدان میں بھی اہم کردار ادا کیا، اور انہوں نے جدید تعلیمی نظام کی حمایت کی۔ ان کا اثر اسلامی دنیا میں آج بھی محسوس کیا جاتا ہے، اور انہیں ایک اہم مصلح کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ محمد عبدہ اور رشید رضا کے بارے میں جانیں گے کہ کس طریقے سے ان لوگوں نے نصاب اور طریقہ تعلیم کی اصلاح کی۔ اس کے علاوہ اس وقت کی سماجی برائیوں کی تہہ تک پہنچے اور اس کے سدباب کی کوشش کی۔ روایت پسندی سے ہٹ کر کس طریقے سے وہ لوگ مسلم معاشرے کو اسلامی معاشرے میں ڈھالنے کے لیے کوشاں رہے۔

7.2 محمد عبدہ

محمد عبدہ کی شخصیت انقلابی نہ تھی بلکہ ایک مصلح کی تھی جو تعلیم واصلاح کی تخم ریزی کر کے رزلٹ کا انتظار کر سکتے تھے اور آپ کا خیال تھا کہ پہلے ذہنوں میں انقلاب پیدا کرنا چاہیے، ذہنی بیداری ہی پائیدار سیاسی انقلاب لا سکتی ہے۔ آپ سماج میں اصلاح کے خواہشمند تھے اور اپنی پوری زندگی سماج کی ہمہ جہتی کوششیں اس سلسلے میں کیں۔ مذہبی تعلیم کی اصلاح کے علاوہ آپ نے اس کی تجدید کی بھی شروعات کی اور کتاب وسنت کی حقیقی تعلیم پر مضر صوفیانہ تصورات اور صدیوں کے تباہ کن اثرات کے جو پردے پڑے ہوئے تھے اس کو ہٹا کر اسلامی تعلیمات کے صحیح خدوخال کو پیش کیا۔ آپ نے اپنی پوری زندگی دفاع اسلام، اصلاح تعلیم، مذہبی اصلاح، عربی زبان وادب کی احیااور بہتر اخلاقی اقدار کو فروغ دینے کی سعی کی۔ آپ نے روایتی تھیالوجی کی اصطلاحوں سے کام تو لیا لیکن اس لیے کہ جدیدیت کے لیے راہ ہموار کریں اور یہ ان کا نمایاں کام ہے۔

7.2.1 ابتدائی تعلیم

مصر کے مشہور اسلامی اسکالر اور قاضی القضاۃ محمد عبدہ 1849ء میں پیدا ہوئے۔ محمد عبدہ کی تربیت مصری گاؤں کے رائج طرز پر ہوئی۔ تیراکی، نشانہ بازی اور گھوڑسواری جیسے فن میں مہارت حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم کا انتظام والد محترم نے گھر پر ہی ایک استاد کے ذریعہ کر دیا۔ دس سال کی عمر میں جب پڑھنا لکھنا آگیا تو انہیں حافظ قرآن کے لیے بھیجا گیا، جس کو دو سال کی مدت میں ہی محمد عبدہ نے مکمل کر لیا۔ تیرہ سال کی عمر میں آپ کا ایڈمیشن احمدی مسجد میں طنطا میں کروایا گیا تاکہ وہاں فن تجوید و قرات سیکھ لیں۔ دو سال فن تجوید سیکھنے کے بعد صرف ونحو اور قواعد وغیرہ کے اسباق کی شروعات ہوئی۔ لیکن وہ اس کی تکمیل نہ کر سکے اور وہاں سے بھاگ گیے۔ اپنی سرگزشت میں محمد عبدہ لکھتے ہیں: ”میں نے تقریباً ڈیڑھ سال تک صرف ونحو کی تعلیم حاصل کی لیکن اس مضمون کا ایک لفظ بھی میں نہ سمجھ سکا کیوں کہ طرز تعلیم نہایت مہمل اور مضرت رساں تھا۔ معلمین صرف ونحو کی دقیق اصطلاحات استعمال کرتے وقت اس بات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے کہ یہ اصطلاحات طلباء کی سمجھ سے باہر ہیں۔“ (حیات محمد عبدہ۔ مترجم محمد مظہر الدین صدیقی ص 7)

اس طریقہ تعلیم سے ناامید ہو کر آپ تعلیم سے بھاگ گیے اور اپنے چچا کے یہاں چھپے رہے۔ آپ کے بڑے بھائی دوبارہ ان کو مدرسہ واپس لے کر گیے لیکن محمد عبدہ کو بھروسہ ہو گیا تھا کہ وہ عربی زبان نہیں سیکھ پائیں گے۔ اس ارادے سے اپنا سامان گھر لے کر چلے گیے کہ وہ بھی اب خاندان والوں کی طرح کاشتکاری کریں گے۔

رائج نظام تعلیم میں مشکلات اور اس کے نقصان دہ اثرات کی بابت اپنی سرگزشت میں محمد عبدہ لکھتے ہیں:

”یہ پہلا تاثر تھا جو طنطہ کے طرز تعلیم سے میرے دل ودماغ نے قبول کیا اور یہی طرز تعلیم آج تک جامعہ ازہر میں رائج ہے۔ پچانوے فی صد طلباء اس طرز تعلیم سے یہی تاثر لے کر نکلتے ہیں بجز ان چند خوش قسمت نوجوانوں کے جو کسی ایسے معلم کے زیر تعلیم رہتے ہیں جو پرانے طریقہ تعلیم کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ جس میں طلباء کی صلاحیتوں کا اندازہ کیے بغیر معلم اپنا ذہنی سرمایہ ضائع کرتا رہتا ہے لیکن

زیادہ تر طلباء ایسے ہوتے ہیں جو معلم کے بیان کردہ مطالب و تشریحات کو تو بالکل نہیں سمجھتے ہیں مگر اپنے نفس کو اس فریب میں مبتلا رکھتے ہیں کہ وہ سب کچھ سمجھ رہے ہیں حتیٰ کہ وہ سن و سال کی پختگی کو پہنچ جاتے ہیں اور پھر بھی بچوں کی طرح خواب و خیال کی دنیا میں زندگی بسر کرتے رہتے ہیں اور بالآخر قوم و ملک کے لیے وبال جان بن جاتے ہیں۔"(ایضاً ص 7-8)

سولہ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوگئی لیکن کچھ ہی دنوں بعد آپ کے والد نے دوبارہ مدرسہ میں بھیجا اور اس بار بھی وہاں سے فرار ہوگیے لیکن اس کے بعد ان کی ملاقات چچا شیخ درویش قادر سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد سے ہی آپ کو علم حاصل کرنے میں دلچسپی پیدا ہوئی اور آپ کے اندر ایسا شوق پیدا ہوا کہ تلاش علم کے راستہ پر جادہ پیما ہوئے۔ شیخ درویش نے ہی آپ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارا اور فطری ودیعتوں کو جگایا۔ شیخ کی صحبت میں ہی آپ کو تصوف سے لگاؤ پیدا ہوا جو آپ کی زندگی کا محور بن گیا۔ شیخ درویش سے ملاقات کے بعد آپ طنطہ واپس آئے اور اپنی تعلیم کا پھر سے آغاز کیا۔ تعلیم کی طرف دل ایسا مائل ہوا کہ جامع احمدی میں چند ماہ گزارے تھے کہ علوم اسلامیہ کی سب سے پرانی اور بڑی درس گاہ جامعہ ازہر میں پڑھنے کی خواہش جاگی اور 1866ء میں آپ نے جامعہ ازہر کا رخ کیا۔ چار سال تک آپ یہاں زیر تعلیم رہے اور مختلف درسوں میں برابر شریک ہوئے۔ ایسی کلاس سے محمد عبدہ دور ہی رہتے جس میں شامل ہونے سے انہیں خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آتا تھا۔ ان کلاس کے وقفے میں وہ مطالعہ کرتے تھے۔ تعلیم کی تکمیل کرنے کے بعد جب آپ عملی زندگی گزارنے لگے تو آپ نے کئی مرتبہ اس کا اظہار کیا کہ "ازہر کے طریقہ تعلیم کے مطابق عربی کتب کا مطالعہ کرنے سے ان کے ذہن و دماغ کو سخت نقصان پہنچا ہے اور باوجود اس کوشش کے کہ اپنے ذہن سے اس طریقہ تعلیم کے اثرات کو دفع کریں انہیں اس میں پوری کامیابی نہیں ملی۔" (ایضاً ص 14-15)

جس وقت آپ جامعہ ازہر میں داخل ہوئے تھے اس وقت آپ پر صوفیانہ عقائد و افکار کا غلبہ تھا۔ مراقبہ، ضبط نفس اور رہبانیت میں ایسا منہمک ہوئے کہ بسا اوقات عالم محسوسات سے دور فکر و خیال کی ایسی دنیا میں پہنچ جاتے جہاں گزشتہ دور کی ارواح سے گفتگو کرتے۔ محمد عبدہ تصوف کے ایسے مرتبے پر پہنچ گیے تو شیخ نے ایک مرتبہ پھر سے حقیقی زندگی سے روشناس کرایا۔ حتمی طور پر جس شخص نے صوفیانہ زندگی سے نکال کر عملی میدان میں لے آیا وہ جمال الدین افغانی تھے۔ قاہرہ میں جب جمال الدین افغانی کی آمد ہوئی تو آپ شیخ حسن التاویل کے ساتھ ملاقات کو پہنچے اور پہلی ملاقات میں ہی محمد عبدہ جمال الدین افغانی کے گرویدہ ہوگیے۔ دوسری بار جب جمال الدین افغانی کی آمد ہوئی تو محمد عبدہ پابندی کے ساتھ علمی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور شب و روز ان کے ساتھ رہنے لگے۔ سیکھنے کے اشتیاق میں اتنا اضافہ ہوا کہ اپنے احباب کو بھی شامل ہونے کی دعوت دی جو جمال الدین افغانی کے آرام گاہ پر علمی مجالس لگتی تھی۔ افغانی کا طریقہ تعلیم جامعہ ازہر کے طریقہ تعلیم سے بہت مختلف تھا اسی وجہ سے ازہر کے طلبہ کا ہجوم آپ کے پاس رہتا تھا۔ جمال الدین نے عبدہ کی تحریری و تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھایا اور محمد عبدہ اپنے استاد جمال الدین افغانی سے بحیثیت مقرر سبقت لے گیے، کیوں کہ عبدہ کی عربی پیدائشی زبان تھی۔ محمد عبدہ نے جامعہ ازہر سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی اور کچھ عرصے بعد وہیں بحیثیت استاذ مقرر ہوئے۔

7.2.2 استادی اور اخبار نویسی

جامعہ ازہر سے منسلک ہو جانے کے بعد آپ وہاں پر مختلف موضوعات پر لیکچر دیتے تھے اور مذہبی علوم کو پڑھاتے ہوئے آپ منطقی استدلال و ثبوت استعمال کرتے تھے۔ گھر پر بھی طلبا کو پڑھاتے جو ان کے یہاں علم حاصل کرنے کے مقصد سے آتے تھے۔ آپ کے لیکچروں کا سلسلہ ابن مسکویہ کی تصنیف "تہذیب الاخلاق" پر تھا۔ 1878ء کے آخر میں ریاض پاشا کے رسوخ سے مدرسہ دارالعلوم میں تاریخ کے استاذ کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ اس مدرسہ کو اسماعیل خدیو کے وزیر تعلیم علی پاشا نے بنوایا تھا جس کے قیام کا مقصد تھا کہ جدید طرز تعلیم کے ذریعہ یہاں سے روشن خیال اور وسیع النظر علماء پیدا ہوں۔ جامعہ ازہر میں جو مضامین نصاب کا حصہ تھے اس کو شامل کرتے ہوئے بعض جدید علوم کا نظم بھی اس مدرسہ میں کیا گیا۔ اس مدرسہ میں آپ نے مقدمہ ابن خلدون پر لیکچر کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے علاوہ آپ مدرسہ السنہ میں بھی عربی زبان وادب کا درس دیتے تھے۔ آپ نے جو طریقہ تعلیم و تدریس اپنایا وہ مصر والوں کے لیے بالکل نیا انداز تھا۔ آپ کی کوشش تھی کہ صدیوں سے رائج ادھورے طرز تعلیم کی خامیوں کو دور کیا جائے اور اپنے تعلیمی کاموں میں آپ نے اصلاح کے جذبے کو کبھی بھولنے نہ دیا۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ طویل نہ ہو پایا۔ اسماعیل خدیو کے بعد جب توفیق پاشا تخت پر بیٹھے تو انہوں نے جمال الدین افغانی کو مصر سے نکل جانے کا حکم دیا اور محمد عبدہ کو ذمہ داریوں سے سبکدوش کر کے ان کے آبائی گاؤں میں گوشہ نشینی کا حکم دے دیا۔

یہ کاروائی 1879ء میں ہوئی اس وقت ریاض پاشا ملک سے باہر تھے جب وہ واپس آئے تو انہوں نے محمد عبدہ کو 1880ء میں "الوقائع مصریہ" کا ایڈیٹر مقرر کیا۔ یہ رسالہ اس وقت مصری حکومت کی نمائندگی کر رہا تھا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد آپ کو اس رسالے کا مدیر خاص بنا دیا گیا اور اجازت مل گئی کہ وہ اس رسالے کے لیے جن کی خدمات حاصل کرنا چاہیں کر سکتے ہیں تو آپ نے شیخ عدل کریم سلمان، سعید وفا اور سعد زاغلول کی خدمات حاصل کیں۔ یہ لوگ اس وقت جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کر رہے تھے اور مستقبل میں یہی لوگ تحریک آزادی مصر کے بڑے قائد بنے۔ آپ نے شعبہ اشاعت کے لیے ایک نظام مرتب کروایا اور ریاض پاشا نے اس کو منظوری نامہ دے کر نافذ کیا۔ غرض محمد عبدہ ملک میں نکلنے والے تمام اخبار پر بحیثیت شعبہ اشاعت کے ذمہ دار کی حیثیت سے نگرانی رکھتے تھے ۔ کسی اخبار میں اگر حکومت کے کسی ذمہ دار پر تنقید کی جاتی یا اس پر کوئی الزام عائد کیا جاتا تو حکومت اس کی تفتیش کرواتی۔ اگر تنقید غلط یا الزام بے بنیاد نکلتے تو اخبار کو متنبہ کیا جاتا۔ عربی پرچہ نگاروں کو خاص ہدایت کی گئی تھی کہ ان کا ادبی معیار خاص سطح سے نیچے نہ گرنے پائے۔ محمد عبدہ کی کوششوں سے ہی مصر میں ادبی احیاء کی شروعات ہوئی۔ اٹھارہ مہینے آپ نے رسالہ "الوقائع المصریہ" کے ساتھ کام کیا اور 1882ء میں یہ سلسلہ ٹوٹ گیا۔ الوقائع المصریہ کے مدیر اور محکمہ احتساب کے صدر کی حیثیت سے آپ کو جتنا موقع ملا اس میں قومی تحریکوں کا ساتھ دیا اور آپ کی یہ کوشش رہی کہ مضبوط اور صحیح رائے عامہ پیدا ہو اور قومی تحریک کے علمبرداروں کو اعلیٰ مقاصد سے روشناس کریں۔ عربی پاشا اور دوسرے قومی تحریک کے سرفہرست لیڈر محمد عبدہ کو اپنا فکری قائد مانتے تھے۔ حالانکہ محمد عبدہ کو ان لیڈران سے فکر و عمل کا اختلاف شروعاتی دور سے تھا اور کئی بار اپنی تحریروں میں آپ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی۔ ایسا وقت بھی آیا

جب آپ کو قومی تحریک یا خدیو مصر میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا پڑا تو آپ نے قومی تحریک کا ساتھ دیا حالانکہ اس کے نتائج سے وہ سہمے ہوئے تھے۔ یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی اور دوسرے لیڈروں کے ساتھ آپ پر بھی مقدمہ عائد کیا گیا اور تین سال تین ماہ کے لیے مصر سے جلاوطن کر دیا گیا اور آپ مصر کو الوداع کہہ کر شام چلے گیے۔

7.2.3 ملک بدر کی زندگی اور واپسی

1882ء کے آخر میں آپ ملک سے نکلے اور ایک سال بیروت میں قیام کیا۔ جمال الدین افغانی اس وقت پیرس میں مقیم تھے اور انہوں نے آپ کو دعوت دی کہ آپ پیرس تشریف لائیں اور مصر کی تحریک میں تعاون فرمائیں۔ 1884ء میں آپ پیرس کے لیے نکلے اور اپنے استاذ کی شاگردی میں رہنے لگے۔ تقریباً دس ماہ پیرس میں رہے اس بیچ صرف ایک بار انگلستان کا سفر صرف اس غرض سے کیا کہ مصر اور سوڈان سے متعلق ارباب حکومت اور وزراء سے گفت وشنید کر سکیں۔ استاد اور شاگرد انجمن ”العروۃ الوثقی“ کی بنیاد ڈالنے میں مصروف تھے، اس کا مقصد اسلامی ممالک میں بیداری لانا تھا۔ العروۃ الوثقی کے نام سے رسالہ نکالا جس میں استاد اور شاگرد اپنے نظریات وخیالات کی اشاعت کرتے۔ اس رسالہ پر جب پابندی عائد کی گئی تو دونوں الگ ہو گیے اور جمال الدین افغانی روس چلے گیے اور محمد عبدہ تیونس چلے گیے۔ لیکن کچھ دن ٹھہرنے کے بعد آپ نے بھیس تبدیل کر کے اپنی تنظیم کو مضبوط کرنے کے لیے کئی ملکوں کا سفر کیا۔ محمد عبدہ خلقی طور سے اعتدال پسند اور تدریجی اصلاح کے قائل تھے۔ 1888ء میں اثر ورسوخ رکھنے والے دوستوں نے خدیو توفیق پاشا سے مصر میں داخل ہونے کی اجازت حاصل کر لی۔ ان چھ سالہ جلاوطنی میں آپ نے یورپ کے اکثر ممالک کا دورہ کیا اور مغربی تمدن کا مشاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ اسلامی ممالک کے سفر میں مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی وجوہات پر غور وخوض کیا۔ مصر جب آپ کی واپسی ہوئی تو اس بار مصر والوں نے ان کی قربانیوں اور خدمات کی قدر کی اور آپ کو عظمت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ وقتاً فوقتاً آپ کو مختلف عہدے دے گیے جس کو آپ نے بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا۔ زندگی کے آخری وقت تک ملک اور مذہب کی خدمت کرتے رہے۔ خدیو پاشا نے آپ کو قاضی مقرر کیا حالانکہ محمد عبدہ یہ چاہتے تھے کہ ان کو پھر سے درس وتدریس کا موقع مل جائے لیکن خدیو کو اس بات کا خدشہ تھا کہ محمد عبدہ کے سیاسی سوچ کا اثر ان طلبہ پر ضرور پڑے گا اس لیے اجازت نہیں دی۔ عدالتی کام میں محمد عبدہ نے اس بات کا خیال کیا کہ حق وانصاف کے تقاضے مکمل ہوں۔ جب تک آپ اس عہدے پر رہے، آپ کی کوشش رہی کہ جھوٹی گواہی اور فحش کاری سے متعلق لوگوں کے اخلاقی ضمیر کو بیدار کریں۔

7.2.4 اصلاح نصاب اور طریقہ تعلیم

تعلیم آپ کی خاص دلچسپی کا موضوع تھا اور ملک کی تعلیمی حالت پر آپ نے کئی مضمون لکھے جس میں نظام تعلیم، نصاب اور طریقہ تدریس پر تنقیدیں کیں۔ اس برائی کا ذمہ دار محکمہ تعلیم کو ٹھہرایا۔ 1881ء میں محکمہ تعلیم کی ایک نئی کمیٹی بنائی گئی جس میں محمد عبدہ کو بھی بحیثیت رکن شامل کیا گیا۔ اس مجلس کا قیام ہی اسی لیے ہوا تھا کہ وہ مدرسوں کے تعلیمی پروگرام کی چھان بین کریں اور خامیوں کو اجاگر کرتے

ہوئے اصلاحی تجاویز پیش کریں۔ جامعہ ازہر کی اصلاح تو آپ کا بچپن کا خواب تھا اور جمال الدین افغانی کی شاگردی میں اس ارادے کو تقویت ملی۔ جامعہ ازہر اسلامی دنیا میں تعلیم و تدریس کا مرکز تھا اور اس کی درستی پوری اسلامی دنیا کی درستی ہے۔ محمد عبدہ کا خیال تھا کہ ازہر کے طریق تعلیم اور نصاب کو اتنی وسعت دی جائے کہ اس میں مغربی علوم بھی شامل کر لیے جائیں تو یہ یورپ کی بڑی جامعات کے برابر ہو سکتی ہے۔ مصر واپسی کے بعد آپ نے ازہر کے ناظم سے ملاقات کی اور تعلیمی نصاب میں تبدیلی کا مشورہ دیا جس کی وجہ سے مصر میں آپ کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ خدیو کی مدد کے بغیر کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ توفیق پاشا کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عباس حلمی کے سامنے ازہر کی اصلاح کے لیے کچھ تجویز پیش کیں، آپ کی یہ کوشش رنگ لائی اور ازہر کے ممتاز اساتذہ کو شامل کر کے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس میں محمد عبدہ اور ان کے دوست شیخ عبد الکریم سلمان کو بطور حکومتی نمائندہ کے شامل کیا گیا۔ محمد عبدہ کی خواہش تھی کہ جامعہ ازہر کے اساتذہ کی مرضی سے ہی اصلاحات ہوں۔ محمد عبدہ نے اساتذہ کے مشاہرے میں اضافے سے اصلاحات کا آغاز کیا۔ اس کے علاوہ محمد عبدہ نے طالب علموں کے رہنے سہنے کے طریقوں میں بہتری لائی۔ اوقاف کی حالت میں بھی سدھار لایا، انتظامی معاملات پر بھی آپ نے توجہ دی۔ نصاب تعلیم میں تبدیلی کے لیے ازہر کے تیس اساتذہ کی ٹیم بنائی گئی جس کا کام جاری کردہ نصاب تعلیم میں تبدیلیوں پر غور و فکر کر کے اس کو انتظامی کمیٹی میں پیش کرے۔ طریقہ تعلیم کو منضبط کرنے کے لیے اساتذہ سے مشورہ کر کے انتظامی کمیٹی نے قانون بنائے جو شاگرد اور استاد سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ اضلاع کے مدارس میں کتب خانوں کا نظم کیا گیا اور انتظامی امور میں ان مدرسوں کا الحاق جامعہ ازہر سے کر دیا گیا تا کہ سارے مدارس ازہر کے قواعد و ضوابط کے تحت آجائیں۔ ازہر میں جب بھی کوئی اصلاح ہوتی تو اس کے اثرات دور تک پھیل جاتے۔ محمد عبدہ کا مقصد یہ تھا کہ "ازہر ملک کی تعلیمی اصلاح اور ذہنی انقلاب کا مرکز بن جائے جس کے ذریعہ ملک کے گوشے گوشے زندگی اور حرکت کی ایک نئی لہر دوڑ جائے۔" ازہر کے اساتذہ کا یہ ماننا تھا کہ جدید علوم کے داخل نصاب ہونے سے قدیم علوم سے طلبہ کوتاہی کرنے لگیں گے۔ محمد عبدہ نے ایک ٹیسٹ لے کر یہ ثابت کر دیا کہ جدید و قدیم دونوں علوم حاصل کرنے والے طلبا زیادہ کامیاب ہوتے ہیں۔ محمد عبدہ نے عربی زبان وادب کی احیا اور اس کو قدیم عربی معیار تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس لیے آپ نے اپنی تقریروں و تحریروں میں فصاحت و بلاغت کے نمونے بھی پیش کیے۔ اصلاحات کا یہ سلسلہ بہت طویل نہ ہو سکا کیوں کہ خدیو کی حمایت مخالفت میں تبدیل ہو گئی تو محمد عبدہ نے مایوس ہو کر کمیٹی سے استعفا دے دیا اور جامعہ ازہر سے آپ کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہو گیا۔ محمد عبدہ کے مقاصد یعنی جامعہ ازہر کی روحانی و اخلاقی اور عقلی اصلاح کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان کی تکمیل کی داغ بیل ڈالی۔ ایسا نہیں تھا کہ ازہر کے پورے اساتذہ و طلبا اس کے مخالف تھے بلکہ اس کے مقابلے بعض سربر آوردہ اساتذہ اور طلبا اصلاح کے حامی تھے اور انہوں نے ہر طریقے سے محمد عبدہ کی حمایت کی۔ محمد عبدہ کے جانے کے بعد جامعہ ازہر پھر سے اپنی پرانی حالت میں لوٹ آیا۔

7.2.5 محمد عبدہ کے کارنامے

1899ء میں محمد عبدہ کو مصر کا مفتی مقرر کیا گیا، اس عہدے کی وجہ سے وہ اسلامی شریعت کے شارح اور مفسر تھے۔ محمد عبدہ کی خاصیت یہ رہی کہ آپ کو جو بھی حکومتی عہدے دیے گیے آپ نے اپنے طریق کار سے اس عہدے میں جان ڈال دی اور جو عہدہ عوام کی

نظروں میں کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ آپ کی شخصی عظمت و وقار نے اس میں روح پھونک دی۔ قاضی کا عہدہ سنبھالنے کے بعد آپ نے حکومت و عوام دونوں طبقوں میں اصلاحات کیں۔ زندگی کے آخری وقت تک آپ اس عہدے پر فائز رہے۔ مفتی ہونے کی وجہ سے وہ محکمہ اوقاف کے بھی اعلیٰ رکن تھے اور آپ نے ایک کمیٹی مقرر کی جو اصلاح مساجد سے متعلق تجاویز دے۔ 25/ جون 1899 کو مجلس قانون ساز کے مستقل رکن مقرر ہوئے اور اس شعبہ میں بھی ضروری تبدیلیاں کیں۔ اس کے علاوہ مسلم امدادی انجمن بنائی جس کے باقاعدہ وہ رکن بنے۔ اس انجمن کا مقصد تھا کہ جو مسلمان معاشی طور پر کمزور ہوں اور کمانے کے لائق نہ ہوں، ان کی مدد کی جائے، غریب و نادار بچوں کے لیے تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ 1900ء میں آپ اس کے صدر منتخب ہوئے اور اس ذمہ داری کو آخری دم تک نبھاتے رہے۔

عربی زبان و ادب کی بازیابی کے لیے آپ نے ”وقائع المصریہ“ کے مدیر رہتے ہوئے جدوجہد کی۔ محمد عبدہ کا کہنا تھا کہ ”عربی زبان سے ناواقفیت کے سبب سے مسلمانوں کی بڑی اکثریت اپنے مذہبی علوم سے بے بہرہ ہے اور اصل مذہب اسی لیے عامۃ المسلمین کی رسائی سے باہر ہے۔ کیوں کہ قدیم عربی ادب میں علم و فضل کے ایسے جواہر پارے اور مذہبی علوم کے ایسے ایسے در بے بہا پردہ خفا میں پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص جو عربی زبان پر حاوی نہیں ہے ان تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔“ اس کے لیے آپ نے 1900ء میں ایک انجمن قائم کی جو ”انجمن احیاء علوم عربیہ“ کے نام سے مشہور تھی اور آپ اس کے صدر تھے۔

7.2.6 تصنیف و تالیف

طالب علمی کے دوران ہی آپ نے تحریر و تصنیف کی شروعات کر دی تھی۔ آپ اپنے استاذ جمال الدین افغانی کے دروس کو لکھتے تھے جس میں سے دو کا خلاصہ آپ نے اخبار میں چھپوایا۔ آپ کی پہلی کتاب ”الواردات“ جو 1874ء میں شائع ہوئی۔ دوسری تصنیف 1876ء میں منظر عام پر آئی جو ”العقائد العضدیہ“ کی مشہور شرح کے مختلف حواشی کا مجموعہ ہے۔ جمال الدین افغانی کی کتاب ”ابطال مادیت“ کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ محمد عبدہ کا بڑی کامیابی ہے کہ انہوں نے لوگوں کے بالواسطہ قرآن مجید (کتاب ہدایت) سے جوڑنے کی سعی کی اور بیروت میں قیام کے وقت مسجد میں قرآن مجید کا درس دیتے تھے اور نجی مجلسوں میں بھی آپ فہم قرآن پر لوگوں کو ابھارتے تھے۔ تفسیر المنار جو کہ آپ پوری نہ کر سکے بعد میں ان کے شاگرد محمد رشید رضا نے کوشش کی لیکن زندگی نے ان کا بھی ساتھ نہ دیا۔ ”رسالہ التوحید“ جس میں آپ نے مذہبی اصول و عقائد کی توضیح کی ہے یہ 1886ء میں بیروت میں قیام کے دوران لکھا۔ ”العروۃ الوثقیٰ“ پیرس پہنچ کر استاد جمال الدین افغانی کے ساتھ یہ پرچہ نکالا جس کے چودہ پرچے ہی شائع ہوئے اور پابندی لگادی گئی۔ ”الرد علی ھانوتو“ اس کتاب میں موسیو ھانوتو کے اسلام پر اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے کئی مضامین اور تقریر و دروس کو آپ کے شاگردوں نے اکٹھا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا۔ آپ کے مشہور شاگرد سید رشید رضا نے مذہبی و اصلاحی افکار کی اشاعت مجلہ المنار کے ذریعہ پورے اسلامی دنیا میں کی۔

وفات

محمد عبدہ اسکندریہ میں اپنے دوست محمد بک راسم کے گھر میں مقیم تھے کہ بیمار پڑے اور یہ علالت کا سلسلہ موت پر ختم ہوا، 1905ء

میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ اسکندریہ میں نماز جنازے کے بعد آپ کے جنازے کو اسپیشل ٹرین کے ذریعہ قاہرہ لایا گیا۔ دوران سفر کئی مقامات پر ٹرین روکی گئی تاکہ ان کے چاہنے والے آخری دیدار کر سکیں۔ قاہرہ کے نماز جنازہ میں حکومتی عہدے دار، دوسرے ملکوں کے سفراء، پولیس کا عملہ، علماء طلبااور اہل علم کی ایک کثیر تعداد شامل ہوئی۔

7.3 رشید رضا

سید رشید رضا(1865-1935) ایک معروف مصری عالم، مفکر، اور اسلامی مصلح تھے۔ وہ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رہے اور ان کے نظریات کو آگے بڑھایا۔ رشید رضا نے اسلامی فکروں کو جدیدیت کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی اور اسلامی معاشرت میں اصلاحات کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "المنار" ہے، جو ایک معروف اسلامی رسالہ ہے جس میں انہوں نے مختلف مذہبی، سماجی، اور سیاسی موضوعات پر لکھا۔ انہوں نے خلافت کے تصور کو بھی اہمیت دی اور مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔ رشید رضا نے تعلیم کے میدان میں بھی اہم کردار ادا کیا، اور انہوں نے جدید تعلیمی نظام کی حمایت کی۔ ان کا اثر اسلامی دنیا میں آج بھی محسوس کیا جاتا ہے، اور انہیں ایک اہم مصلح کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

7.3.1 ابتدائی زندگی

علامہ رشید رضا شام سے تعلق رکھتے تھے قلمون نامی گاؤں میں 1865ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب کے خانوادے سے تھا اور سلسلہ نسب امام حسینؓ سے جاملتا ہے۔ گاؤں کے مکتب میں ناظرہ مکمل کیا اور بنیادی حساب و دیگر علوم سے واقفیت حاصل کی۔ رشیدیہ مڈل اسکول طرابلس میں ایڈمیشن دلوایا گیا جہاں دینی و دنیاوی دونوں تعلیم دی جاتی تھی تاکہ طلباء سرکاری نوکری کے حامل ہوں اس وجہ سے طریقہ تعلیم ترکی تھا لیکن رشید رضا کو یہ بات راس نہیں آئی اور ایک سال میں اس کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد "مدرسہ اسلامیہ" طرابلس میں داخلہ لیا۔ یہ اسکول ہر اعتبار سے پہلے والے سے بہتر تھا کیوں کہ یہاں پر ذریعہ تعلیم ترکی و فرانسیسی کے ساتھ عربی زبان بھی تھا۔ 1897ء میں تعلیم مکمل ہوگئی۔ آپ کے اساتذہ میں سب سے معروف شام کے عالم شیخ حسین الجسر تھے جنہوں نے ایک کتاب رسالہ حمیدیہ کے نام سے لکھی اور اس میں اسلام کی طرف سے تمام اعتراضات کا جواب دیا۔ شیخ حسین الجسر نے اس کتاب کو عثمانی سلطان عبدالحمید کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ حسین کی افکار نے ہی رشید رضا کو ذہنی طور پر تیار کیا کہ وہ مفتی عبدہ کے خیالات کو قبول کر سکیں۔ مجلہ "العروۃ الوثقی" نے بھی آپ کے ذہن پر اثر ڈالا۔ آپ نے فرمایا کہ:" اس اخبار کے مطالعے سے ان کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا، ان کے پہلے معلم غزالی تھے جن کی کتاب احیاء العلوم نے ان کے دل و دماغ پر قبضہ کرلیا اور دوسرا معلم "العروۃ الوثقی" جس نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا۔" ص147

7.3.2 اصلاحی کوششیں

تعلیم مکمل کر لینے کے بعد رشید رضا نے عملی زندگی کی شروعات کی اور اپنے لیے دعوت و تبلیغ کے میدان کا انتخاب کیا۔ قرب

وجوار میں جو برائیاں پھیلی ہوئی تھی اس کی اصلاح کی سعی کی۔ مسجد میں درس دیناشروع کیااور جمعہ کے خطبہ کو اپنی دعوت کا ذریعہ بنایا۔ آپ نے اپنے پہلے اصلاحی خطبے کو "حدیثیہ" کا نام دیا۔ آپ قہوہ خانے جاتے تاکہ گاؤں کی آبادی کو جو بے نمازی تھے ان کو نماز کی طرف راغب کر سکیں۔ آپ کی باتیں قرآنی آیتوں پر مشتمل ہوتی اور ہر موضوع پر ان کو کئی ہم معنی آیتیں یاد تھیں جس سے ان کی بات میں وزن پیدا ہو جاتا۔ وقت کے ساتھ آپ کی اصلاح کا دائرہ کار وسیع ہوتا گیا، خاندان اور اہل قریہ سے بڑھ کر اب باہر کے مجمع میں بھی آپ خطاب کرنے لگے۔ آپ نے بڑے بڑے سرکاری عہدیداروں کو بھی وعظ ونصیحت کی۔ اسی میں طرابلس کے عہدیدار مصطفیٰ ذہبی جب بھی قلمون جاتے تو رشید رضا سے دینی مسائل پر بحث ومباحثہ کرتے۔ آپ کو "اصلاح تعلیم کمیٹی" کا اعزازی رکن نامزد کیا گیا۔ انہی دنوں مصر میں اصلاحی تحریک زوروں پر تھی، جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ اس تحریک کے روح رواں تھے۔ "العروۃ الوثقیٰ" کے اغراض ومقاصد، اسلوب تحریر اور مضامین نے سید رشید رضا کو کافی متاثر کیااوراس جریدے کے مطالعے سے رشید رضا کے ذہنوں کو وسعتیں حاصل ہوئیں۔ "العروۃ الوثقیٰ" کے بند ہو جانے کے بعد سید رشید رضا کے دل میں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ رسالے پر پابندی عائد ہونے کے بعد محمد عبدہ بیروت قیام کی غرض سے آئے اور اس طرح سید رشید رضا کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ محمد عبدہ طرابلس کے مدرسہ خاتونیہ میں جب آئے تو رشید رضا نے یہیں ملاقات کی۔ اس کے براہ راست ان سے استفادہ نہ کر سکے لیکن ان کی علمی تحریک کا بغور مشاہدہ کرتے رہے۔ جمال الدین افغانی سے بے انتہا عقیدت رکھنے کے بعد بھی ملاقات کی کوئی سبیل نہ نکلی۔ بالآخر رشید رضا مصر گیے اور محمد عبدہ کے رفیق کار بنے اور دعوت واصلاح کی تحریک میں محمد عبدہ کے معاونت کرنے لگے۔

7.3.3 مجلہ المنار

مصر آنے کے بعد رشید رضا نے محمد عبدہ کو آنے کی وجہ بتائی وہ ان کی صحبت میں رہ کر کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ ایک اصلاحی مجلہ کی شروعات کریں۔ پہلے محمد عبدہ اس کے قائل نہ تھے لیکن رشید رضا نے دلائل سے ان کو قائل کر لیا۔ کافی غور وخوض کے بعد رسالے کا نام "المنار" رکھا گیا جس کو استاد محمد عبدہ نے بھی پسند فرمایا۔ المنار کا پہلا شمارہ 18 / مارچ 1898ء کو منظر عام پر آیا۔ یہ ہفتہ واری مجلہ جس کے پہلے ہی صفحہ پر اس کے اغراض ومقاصد بیان کر دیے گیے کہ یہ مجلہ "العروۃ الوثقیٰ" کے نہج پر گامزن ہے۔ پہلے سال یہ مجلہ ہفتہ واری رہا، اس میں خصوصی مضامین کے ساتھ پورے ہفتہ کے خبروں کا احاطہ کیا جاتا۔ دوسرے سال ماہانہ کر دیا گیا، تیسرے سال میں اصلاحی مضامین کے ساتھ محمد عبدہ کی تفسیر قرآن کا ایک باب شامل کر دیا گیا۔ مختصر وقفے میں ہی اس مجلے نے سماج میں ایسی مقبولیت حاصل کی کہ عثمانی سلطنت اور اس کے صیادی "المنار" کے بڑھتے ہوئے قدم سے خوفزدہ ہو گیے اور کچھ علاقوں میں اس کی اشاعت پر پابندی عائد کر دی۔ بیروت کے گورنر رشید بک نے "المنار" کے پہلے سال کے دوسرے شمارے کی تمام کاپیاں جلانے کا حکم دے دیا اس کے علاوہ طرابلس کے حاکم نے بھی ایسا ہی حکم دیا۔ طرابلس کے حاکم بدری پاشا کو حکم دیا گیا کہ ان کے بھائی اور والد کو پریشان کر کے "المنار" اور اس کے مشن سے بے زاری کا اقرار لے لیں۔ والد محترم کو مجبور کیا کہ وہ مصر جا کر رشید رضا کو صیادی کی حمایت کے لیے راضی کریں۔ اس کے بعد رشید رضا اور صیادی کے درمیان خط وکتابت ہوئی اور رشید رضا کو لبھانے کی کوشش کی گئی لیکن جب بات نہ بنی تو "المنار" کے مدیر اور

ان کے متعلقین کے ساتھ ظلم وزیادتی شروع کردی گئی۔ آٹھویں سال میں عثمانی سلطنت کا ظلم وستم "المنار" کو لے کر شدت اختیار کر گیا۔ اہل خاندان کی تلاشی لی گئی اور کتابی ذخیروں کو جمع کر کے لے گیے، بھائیوں کی نظر بند کیا گیا، والد محترم پر کڑی نگرانی رکھی گئی اور جاسوس پھیلا دیے گیے۔ ان ساری پریشانیوں کے باوجود رشید رضا کے پیروں میں کوئی لغزش نہیں آئی اور وہ اسی جذبے کے ساتھ خدمت کرتے رہے۔ المنار کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اسے پوری مسلم دنیا میں پڑھا جاتا تھا اور اس کے اثرات عرب دنیا کے علاوہ ملائشیا، انڈونیشیا سے لے کر ہندوستان تک ہر جگہ پڑے۔ ہندوستان سے نواب محسن الملک، مولانا شبلی نعمانی اور ان کے شاگردوں کے مضامین المنار میں شائع ہوتے تھے۔ جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ نے تقریروں کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح کی سعی کی اور ان لوگوں کا ماننا تھا کہ اصلاحی پروگرام کو عقیدہ سلف اور مسائل وقت سے ہم آہنگ ہونا چاہیے کیوں کہ اسی طرح وہ مستقبل کے لیے بنیاد بن سکتا ہے۔ یہی خدمات رشید رضا نے کاغذ اور قلم کے ذریعہ لیا۔ رشید رضا کو مختلف علوم میں مہارت حاصل تھی اور وہ ہر میدان کے شہ سوار تھے۔ رشید رضا نے اس کو چالیس سال تک جاری وساری رکھا۔

7.3.4 جمعیۃ الدعوہ والارشاد

شیخ محمد عبدہ کی طرح سید محمد رشید رضا بھی جامعہ ازہر کے تعلیمی نظام سے مطمئن نہیں تھے اور وہ بھی اس پر تنقید کرتے رہتے تھے کیوں کہ ان کی خواہش تھی کہ رائج نظام تعلیم کی اصلاح ہو اور اس میں بدلاؤ کیے جائیں جو جدید دور کی ضرورت اور تقاضوں کو پورا کر سکے۔ ایسے لوگ تیار ہوں جو دین اور دنیا دونوں میدانوں میں رہنمائی کر سکیں۔ رشید رضا اپنے تمام مقالات اور خطبوں میں اس کی تاکید کرتے رہے۔ اس انجمن کا پہلا سبب مدارس کی تشکیل اور ان کے قیام کی ضرورت ہے۔ فرماتے ہیں: "مدارس کی تشکیل مسجدوں کی تعمیر سے بہتر ہے۔" دوسرا سبب نصاب تعلیم جو دینی نفرت تو نہیں پیدا کرتا لیکن اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں رہ جاتی۔ انہی اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے اس انجمن کا قیام ہوا۔ المنار کے صفحات پر انجمن کی تشکیل، مدرسہ کے نظامت اور اس کے اسالیب پر سیر حاصل گفتگو کی گئی۔ اس ادارے میں عرب ممالک کے علاوہ دوسرے مسلم ممالک کے طلبہ بھی اپنی علمی وتربیتی پیاس بجھاتے رہے لیکن یہ ادارہ زیادہ دنوں تک نہ چل سکا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد یہ مدرسہ بند ہو گیا اور آج تک بند ہی ہے۔

1912ء میں رشید رضا کو ندوۃ العلماء لکھنو سے پیغام پہنچا کہ اپنے اصلاحی اور تجدیدی کوششوں کے تجربات سے ہندوستانی مسلمان کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ آپ نے اس دعوت نامے کو قبول کیا اور ندوۃ کی تقریر میں آپ نے فرمایا:

"عملی طور پر میں نے اس ادارے کا شکریہ ادا کر دیا ہے، زبان سے بھی اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، میں نے اس کی دعوت ایسے وقت قبول کر لی جب کہ میں دارالدعوۃ الارشاد کی تاسیس میں مشغول تھا۔ بہت مصروف تھا۔

میں نے مدرسۃ الدعوۃ والارشاد قائم کیا ہے جو دینی خدمت کی راہ میں آخری امید اور تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں میری انتہائی کوشش ہے، اللہ نے مجھے یہ دن دکھایا، اس مدرسے میں درس وتدریس کے آغاز کی توفیق دی، اور میری آنکھیں ٹھنڈی کی ہیں، ایسے میں ایک صدا میرے سامعہ سے ٹکرائی، مجھے آواز دی جارہی تھی کہ اس مدرسے کو بالکل ابتدائی طفولیت ہی میں چھوڑ کر ہندوستان آؤں، چنانچہ چلا آیا

ہوں میری مثال اس عاشق کی سی ہے جس سے کہا جا رہا ہے کہ معشوق سے علیحدہ ہو جائے، حالانکہ بے چارے نے وصال کے لئے بڑی زحمت اٹھائی تھی، بہت مشکلات جھیلی تھی"(علامہ سید رشید رضا، مترجم محمد ثناء اللہ عمری۔ ص139)

7.3.5 تفسیر منار

رشید رضا جب مصر پہنچے اور محمد عبدہ کی شاگردی اختیار کی تو استاد سے قرآن کی تفسیر لکھنے کی گزارش کی۔ محمد عبدہ کا ماننا تھا کہ پورے قرآن کی تفسیر کی چنداں ضرورت نہیں بلکہ کچھ آیتوں کی تفسیر کی سخت ضرورت ہے۔ محمد عبدہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ مکمل تفسیر لکھنے کے لیے کبھی کبھی ایک زندگی کم پڑ جاتی ہے۔ رشید رضا نے استاد سے تب درس دینے کی گزارش کر کے خاموش ہو گیے۔ رشید رضا نے اصرار کر کے استاد محترم کو اس بات کے لیے تیار کر لیا کہ جامعہ ازہر میں قرآن کے درس دیے جائیں۔ اس کی شروعات 1317ھ کو ہوئی اور سورہ نساء کی 135 آیت تک ہی پہنچے تھے کہ 1333ھ میں یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس کے کچھ دن بعد ہی محمد عبدہ کا انتقال ہو گیا۔ پہلے کی تفسیروں میں جن باتوں کو مفسرین نے جگہ نہیں دی تھی یا ان کی نظر نے کوتاہی کی تھی، محمد عبدہ نے ان کمیوں کو پورا کیا۔ رشید رضا پابندی کے ساتھ ان کے دروس میں شامل ہوتے اور ذہن کی باتیں و اہم نکات کو لکھ لیتے۔ کہیں ضرورت محسوس کرتے تو جملے کا اضافہ کر لیتے۔ المنار کے قارئین کی گزارش پر 1318ھ سے یہ دروس قسطوں میں شائع ہونے لگے۔ جس کو شائع کروانا ہوتا اس کو لکھ کر رشید رضا استاد سے نظر ثانی کروا لیتے تاکہ ترمیم و اضافہ کر سکیں۔ رشید رضا کے تفسیری مقالات کو وہ خوب پسند فرماتے کیوں کہ وہ من و عن ویسے ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ شاگرد رشید رضا کچھ اضافہ کرتے اور انداز بیان مختلف ہوتا۔ سورہ فاتحہ، سورہ عصر اور تیسویں پارے کی تفسیر اسی طریقے سے المنار میں چھپی۔ محمد عبدہ کے فوت ہو جانے کے بعد سید رشید رضا نے اس سلسلے کو جاری و ساری رکھا اور سورہ یوسف کی تفسیر لکھ رہے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس تفسیر میں زمانہ حال کی ضرورتوں کو سامنے رکھا گیا ہے اور قرآن مجید کے لغوی اور نحوی مشکلات کو حل کرنے کے علاوہ قرآن مجید کے اعجاز پر بہتر طریقے سے گفتگو کی گئی ہے۔

رشید رضا سات سال تک محمد عبدہ کے ساتھ رہے 1898-تا1905 یہ سال اصلاحی کوششوں میں گزرے جس پر بعد میں عمارت کھڑی ہوئی۔ 1905 میں استاد محمد عبدہ کی وفات ہوئی، رشید رضا کو اس راستے میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ گرچہ شاگرد رشید رضا نے استاد کی اس طرح سے دلجوئی کی استاد ان کو اپنے تمام افکار و اسرار سے باخبر کر دیتے۔

7.3.6 تصانیف

اپنی تصنیف "ازہر اور المنار" میں اصلاح سے متعلق اپنے خیالات اور تجربات کو پیش کیا اور عظیم ادارے کی تاریخ لکھی، اس کے اصلی مقصد کو واضح کیا۔

الحکمۃ الشرعیہ فی محاکمۃ القادریہ والرفاعیہ: یہ اس وقت لکھی گئی جب رشید رضا شام میں پڑھ رہے تھے، یہ ابوالہدیٰ صیادی کے بطور جواب لکھی گئی تھی جو اس نے شیخ عبد القادر جیلانی پر نکتہ چینی کی تھی۔

المنار رشید رضا کے تجربات کا نچوڑ اور دینی و سیاسی اصلاح سے متعلق ان کے افکار و خیالات پر مشتمل ہے۔ آپ نے جو کتابیں بعد میں مرتب کیں وہ دراصل المنار کی ہی شاخیں یا اس رسالے میں چھپ چکی تھیں۔

تاریخ الاستاذ الامام الشیخ محمد عبدہ: تین جلدوں پر مشتمل اس کتاب میں شیخ محمد عبدہ کی سوانح اور ان کی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ پہلی جلد میں جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ کی زندگی پر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ دوسری جلد میں شیخ محمد عبدہ کے مضامین کو جمع کیا گیا ہے اور تیسری جلد میں علماء واکابرین کے مضمون، تاثرات اور تعزیتی پیغامات کو اکٹھا کیا گیا ہے۔

الامامۃ والخلافۃ العظمی: پہلی عالمی جنگ کے بعد جب خلافت کا خاتمہ ہو گیا تو اس کے لیے باقاعدہ تحریک چلی۔ سید رشید رضا نے اس مسئلے سے متعلق المنار میں "الامامۃ والخلافۃ العظمی" کے نام کئی مضامین لکھے جنہیں 1922 میں اکٹھا کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصانیف ہیں:

نداء الجنس اللطیف - الوحی المحمدی- المنار والازہر - ذکری المولد النبوی- الوحدۃ الاسلامیہ - یسر الاسلام و اصول التشریع العام - الوہابیون والحجاز- السنۃ والشیعۃ - مناسک الحج احکامہ وحکمہ- تفسیر المنار- حقیقۃالربا- مساوات الرحل بالمراۃ- المقصورۃ الرشیدیہ-وغیرہ

22/اگست 1935 کو آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

7.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- محمد عبدہ کی شخصیت انقلابی نہ تھی بلکہ ایک مصلح کی تھی جو تعلیم واصلاح کی تخم ریزی کر کے رزلٹ کا انتظار کر سکتے تھے اور آپ کا خیال تھا کہ پہلے ذہنوں میں انقلاب پیدا کرنا چاہیے، ذہنی بیداری ہی پائیدار سیاسی انقلاب کا لا سکتی ہے۔ آپ سماج میں اصلاح کے خواہشمند تھے اور اپنی پوری زندگی سماج کی ہمہ جہتی کوششیں اس سلسلے میں کیں۔ مذہبی تعلیم کی اصلاح کے علاوہ آپ نے اس کی تجدید کی بھی شروعات کی اور کتاب وسنت کی حقیقی تعلیم پر مضر صوفیانہ تصورات اور صدیوں کے تباہ کن اثرات کے جو پردے پڑے ہوئے تھے اس کو ہٹا کر اسلامی تعلیمات کے صحیح خد وخال نمایاں کرنا چاہتے تھے۔
- تعلیم آپ کی خاص دلچسپی کا موضوع تھا اور ملک کی تعلیمی حالت پر آپ نے کئی مضمون لکھے جس میں نظام تعلیم، نصاب اور طریقہ تدریس پر تنقیدیں کیں۔ اس برائی کا ذمہ دار محکمہ تعلیم کو ٹھہرایا۔ 1881ء میں محکمہ تعلیم کی ایک نئی کمیٹی بنائی گئی جس میں محمد عبدہ کو بھی بحیثیت رکن شامل کیا گیا۔ اس مجلس کا قیام ہی اسی لیے ہوا تھا کہ وہ مدرسوں کے تعلیمی پروگرام کی چھان بین کریں اور خامیوں کو اجاگر کرتے ہوئے اصلاحی تجاویز پیش کریں۔
- سید رشید رضا(1865-1935)ایک معروف مصری عالم، مفکر، اور اسلامی مصلح تھے۔ وہ شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رہے اور

ان کے نظریات کو آگے بڑھایا۔ رشید رضا نے اسلامی فکروں کو جدیدیت کے تناظر میں پیش کرنے کی کوشش کی اور اسلامی معاشرت میں اصلاحات کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف "المنار" ہے، جو ایک معروف اسلامی رسالہ ہے جس میں انہوں نے مختلف مذہبی، سماجی، اور سیاسی موضوعات پر لکھا۔ انہوں نے خلافت کے تصور کو بھی اہمیت دی اور مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔

- مصر آنے کے بعد رشید رضا نے محمد عبدہ کو آنے کی وجہ بتائی کہ ان کی صحبت میں رہ کر کچھ سیکھیں اور ایک اصلاحی مجلہ کی شروعات کریں۔ پہلے محمد عبدہ اس کے قائل نہ تھے لیکن رشید رضا نے دلائل سے ان کو قائل کرلیا۔ کافی غوروخوض کے بعد رسالے کا نام "المنار" کو استاد محمد عبدہ نے پسند فرمایا۔ المنار کا پہلا شمارہ 18 / مارچ 1898ء کو منظر عام پر آیا۔

7.5 نمونہ امتحانی سوالات

7.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. محمد عبدہ کس شخصیت سے متاثر ہوئے اور ان کی صحبت اختیار کی؟

(a). علی شریعتی (b). سید رشید رضا (c). (d). سید جمال الدین افغانی

2. الاسلام والعدید کے مصنف کون ہیں؟

(a). محمد عبدہ (b). سید رشید رضا (c). عبدالوہاب (d). سید جمال الدین افغانی

3. محمد عبدہ کب پیدا ہوئے؟

(a). 1849ء (b). 1703ء (c). 1501ء (d). 1857ء

4. مجلہ "العروۃ الوثقی" رسالہ نکالنے میں جمال الدین افغانی کے ساتھ کون تھا؟

(a). شاہ ولی اللہ (b). سید رشید رضا (c). علی شریعتی (d). محمد عبدہ

5. "وقائع المصریہ" کے مدیر کا نام بتائیں؟

(a). ہاشم اشعری (b). عبدالوہاب (c). واحد ہاشم (d). محمد عبدہ

6. "مجلہ العروۃ الوثقی" نے کس کی زندگی کا رخ بدل دیا؟

(a). ابن تیمیہ (b). ابن القیم (c). سید رشید رضا (d). سب غلط

7. 1912 میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اجلاس کی کس نے صدارت کی؟

(a). مصطفیٰ کمال پاشا (b). سعید نورسی (c). طیب اردگان (d). سید رشید رضا

8. مجلہ المنار کس کی ادارت میں نکلتا تھا؟

(a). جمال الدین (b). سعید نورسی (c). محمد عبدہ (d). سید رشید رضا

9. تفسیر المنار کس کے درس قرآن پر مشتمل ہے ؟

(a). مصطفیٰ کمال پاشا (b). سعید نورسی (c). طیب اردگان (d). محمد عبدہ

10. سید رشید رضا کی وفات کب ہوئی؟

(a). 1905ء (b). 1865ء (c). 1849ء (d). 1935ء

7.5.2 مختصر جوابی سوالات

1. محمد عبدہ کے اصلاح نصاب اور طریقہ تعلیم پر بحث کیجیے۔
2. محمد عبدہ کے کارناموں کو مختصراً بیان کیجیے۔
3. محمد عبدہ کی ملک بدر کی زندگی اور واپسی پر نوٹ لکھیے۔
4. رشید رضا کی ابتدائی زندگی پر مختصر نوٹ لکھیے۔
5. رشید رضا کی تصانیف کا جائزہ لیجیے۔

7.5.3 طویل جوابی سوالات

1. محمد عبدہ کی حیات وخدمات پر مضمون قلم بند کیجیے۔
2. رشید رضا کی اصلاحی کوششوں وجمعیۃ الدعوہ والارشاد کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
3. تفسیر منار اور مجلہ المنار پر تفصیلی مضمون لکھیے۔

7.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اشخاص وافکار، ضیاء الحسن فاروقی، مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، جامعہ نگر نئی دہلی، 1973ء
2. حیات محمد عبدہ، مترجم محمد مظہر الدین صدیقی، گیلانی الیکٹرانک پریس لاہور
3. محمد عبدہ اور پان اسلام ازم، مرتب حسن اعظمی، فیروز سنز کراچی، 1948
4. علامہ سید رشید رضا، مصنف ڈاکٹر ابراہیم احمد عدوی، مترجم محمد ثناء اللہ عمری، عذرا پرنٹرس، مدراس 2002

اکائی 8: عالم اسلام کی شخصیات: شکیب ارسلان، علی شریعتی

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 امیر شکیب ارسلان
8.2.1 ابتدائی زندگی
8.2.2 عملی زندگی
8.2.3 علم و فضل
8.3 علی شریعتی
8.3.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم
8.3.2 پیرس میں قیام
8.3.3 ایران واپسی
8.3.4 تصانیف
8.4 نمونہ امتحانی سوالات
8.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
8.4.2 مختصر جوابی سوالات
8.4.3 طویل جوابی سوالات
8.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

جدید مسلم دنیا پر جن شخصیات نے اپنی چھاپ چھوڑی ہے اس میں امیر شکیب ارسلان اور علی شریعتی شامل ہیں۔ امیر شکیب ارسلان نے علم وادب سے وابستہ جدید عربی فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ امیر شکیب ارسلان صحیح معنوں میں سید جمال الدین افغانی کی ادبی روایت کے امین تھے اور اس میں انہوں نے ایسا کمال حاصل کیا کہ ''امیر البیان'' کے لقب سے ملقّب ہوئے۔ علی شریعتی کو ایرانی اسلامی انقلاب کو فکری غذا فراہم کرنے والا مفکر و معلم کی حیثیت حاصل ہے۔ علی شریعتی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایرانی کو مخصوص شیعی حصار سے نکالنے کی کوشش کی۔ اور ایرانیوں کو ''شیعیت صفوی سے شیعیت علوی'' کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔

8.1 مقاصد

اس اکائی میں آپ عالم اسلام کی مشہور شخصیت شکیب ارسلان اور علی شریعتی کی ابتدائی زندگی، عملی زندگی، علم وفضل اور تصانیف کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں گے۔

8.2 امیر شکیب ارسلان

عہد حاضر کی اسلامی و اصلاحی فکر پر جن شخصیات کی تحریروں کے اثرات لازوال رہے ہیں امیر شکیب ارسلان ان میں سے ایک ہیں۔ ان کا خاندانی تعلق شاہان حیرہ سے تھا اور حکمرانی وجہاں بانی ان کو ورثے میں ملی تھی۔ ان کے اجداد نے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ خلافت عباسی اور عثمانی حکومت میں اس خاندان کے افراد مختلف اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہے۔ خود ان کے دادا اور والد اپنے علاقے کے بڑے جاگیر دار تھے اور علاقے میں ان کی حکمرانی قائم تھی، البتہ امیر شکیب ارسلان نے جہاں بانی کو چھوڑ اور شمشیر و سنان کو ترک کر کے لوح و قلم کو اپنا ہتھیار بنایا اور اس حوالے سے ایسی شہرت و ناموری حاصل کی کہ شاید ہی ان کے خاندان میں کسی اور کو حاصل ہوئی ہوگی۔ انہوں نے اپنے زمانے کی اسلامی فکر کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ اصلاح و دعوت کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ تاریخ کے گہرے مطالعے نے ان پر یہ واضح کر دیا تھا کہ ان کے دور کی مسلم دنیا کو سب سے بڑا خطرہ مغربی استعمار سے تھا چنانچہ انہوں نے مغربی استعمار سے لوہا لیا، اس کے خلاف نبرد آزما ہوئے اور اس کے عزائم کو طشت ازبام کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، امیر شکیب ارسلان صحیح معنوں میں سید جمال الدین افغانی کی ادبی روایت کے امین تھے اور اس میں انہوں نے ایسا کمال حاصل کیا کہ ''امیر البیان'' کے لقب سے ملقّب ہوئے۔

8.2.1 ابتدائی زندگی

امیر شکیب ارسلان لبنان کے ایک سرسبز وشاداب قصبے 'مشویفات' میں 25، دسمبر 1869ء کو پیدا ہوئے۔ ارسلان ان کا خاندانی نام تھا۔ والد کا نام حمود اور دادا حسن بن یونس ارسلان تھے۔ خاندانی روایت کے مطابق گھر پر ہی قرآن مجید پڑھا اور ابتدائی عربی زبان اور

اسلامیات کی تعلیم پائی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد انہیں بیروت کی ایک مشہور درس گاہ "مدرستہ الحکمۃ" یا "دارالحکمۃ" میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے داخل کیا گیا۔ اس مدرسے میں مشہور ماہر لغت اور ادیب شیخ عبد اللہ بستانی۔ جن کی تصنیف 'البستان' ادب کی معروف کتاب ہے۔ استاد تھے۔ امیر شکیب ارسلان نے ان کے علم اور صحبت سے خاص طور پر استفادہ کیا جس کی وجہ سے ان کی ادبی صلاحیتوں کو جلا ملی اور وہ مرصع و مقفّٰی عربی زبان لکھنے میں ماہر ہو گئے۔

بیروت میں امیر شکیب ارسلان کی طالب علمی کے زمانے میں ہی مصر کے مشہور زمانہ عالم شیخ محمد عبدہ بیروت میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ شیخ محمد عبدہ کی امیر شکیب ارسلان کے والد کے یہاں آمد و رفت رہا کرتی تھی چنانچہ انہیں بھی ان کی صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملنے لگا۔ امیر شکیب ارسلان نے شیخ محمد عبدہ کی خدمت میں رہ کر 'مجلۃ الاحکام العدلیۃ' کا خاص طور پر درس لیا۔ شیخ محمد عبدہ کی صحبت میں رہتے ہوئے نہ صرف یہ کہ وہ ان کی دعوت اصلاح سے متاثر ہوئے بلکہ یہیں پر انہیں پہلی بار سید جمال الدین افغانی کے افکار و خیالات اور ان کی دعوت اتحاد اسلامی کو جاننے کا موقع بھی ملا۔ بعد میں جب شیخ محمد عبدہ کو بیروت کی جلاوطنی سے مصر واپس لوٹنے کی اجازت مل گئی اور وہ قاہرہ لوٹ گئے تو امیر شکیب ارسلان بھی 1890ء میں شیخ محمد عبدہ کے پاس قاہرہ پہنچ گئے یہاں پر شیخ محمد عبدہ کی صحبت کے بفیض ان کی ملاقات اس وقت کے قاہرہ کے اکابرین ڈاکٹر یعقوب معروف، سعد زغلول، شیخ علی یوسف، سید رشید رضا اور محب الدین الخطیب وغیرہ سے ہوئی۔ قاہرہ میں قیام کے دوران ان لوگوں سے جو رشتہ اخوت و محبت قائم ہوا وہ تا عمر باقی رہا۔ اس سے قبل امیر شکیب ارسلان نے 1889ء میں کچھ دنوں کے لیے شام کے مفتی اور معروف عالم شیخ محمد منینی کی صحبت میں رہے۔ ان کی مجلسوں اور علمی حلقوں سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ابھی تک امیر شکیب ارسلان جمال الدین افغانی کے صرف افکار و خیالات سے واقف تھے یا پھر ان لوگوں سے ملے تھے جنہوں نے ان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، چنانچہ مصر میں قیام کے دوران ہی انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ استنبول جائیں جہاں ان دنوں سید جمال الدین افغانی کا قیام تھا۔ مصر کے بعد امیر شکیب ارسلان استنبول پہنچے اور وہاں جمال الدین افغانی سے ملاقات کی اور ان کی خداداد ذہانت و فطانت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ امیر شکیب ارسلان نے 'حاضر العالم الاسلامی' میں افغانی کے ساتھ اپنی ملاقات کا بہت ہی دل آویز پیرائے میں ذکر کیا ہے۔

8.2.2 عملی زندگی

امیر شکیب ارسلان کا تعلق جس خانوادے سے تھا اس میں انہیں کسی ملازمت یا عہدے کی ضرورت نہیں تھی اس کے باوجود استنبول سے وطن واپس کے بعد کچھ دنوں کے لیے سرکاری ملازمت کی اور ایک اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے لیکن جلد ہی ان کا دل سرکاری ملازمت سے اُکتا گیا اور انہوں نے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ اسی دوران 1891ء میں انہوں نے فرانس کا سفر کیا اور وہاں ان کی ملاقات عربی زبان کے مشہور شاعر امیر الشعراء احمد شوقی سے ہوئی جو ان دنوں وہاں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ احمد شوقی سے ان کی ملاقات بہت ہی دل چسپ رہی اور وہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ امیر شکیب ارسلان 'الفتح' اور 'المؤید' جیسے گراں قدر رسائل میں مختلف موضوعات پر اہم مضامین بھی لکھتے رہے۔

سنوسی تحریک شمالی افریقہ کی ایک بڑی اور اہم تحریک تھی۔ اس کی تربیتی خانقاہوں نے اسلام کے داعی اور مصلح ہی نہیں پیدا کیے بلکہ ان خانقاہوں سے مجاہدین کی ایک بڑی تعداد بھی نکلی اور ان لوگوں نے افریقہ کے مختلف علاقوں میں دعوت واصلاح کے ساتھ جہاد کا کام بھی کیا اور سامراجی قوتوں کے خلاف اسلام کا دفاع پوری جرأت وہمت کے ساتھ کیا۔ اس تحریک کے سربراہ شیخ محمد بن علی سنوسی اور شیخ احمد سنوسی نے لیبیا میں طرابلس الغرب میں اپنا مرکز قائم کیا تھا اور اطالوی سامراج جو اس علاقے پر قابض تھا اس کے خلاف آزادی کی جنگ لڑ رہے تھے۔ جب جنگ وسیع اور ہمہ جہت ہوگئی تو امیر شکیب ارسلان نے انجمن ہلال احمر مصر کی طرف سے ایک رضاکار کے طور پر اس جنگ میں شرکت کی تاکہ وہ اس تحریک کو قریب سے دیکھ سکیں اور جہاد میں بھی شرکت ہو۔ یہیں ان کی ملاقات ترکی کے مرد مجاہد انور پاشا مرحوم سے ہوئی جو اطالوی سامراج کے خلاف مسلمانوں کی قیادت کر رہے تھے۔ امیر شکیب ارسلان نے انور پاشا کے دوش بدوش اس جنگ میں شرکت کی۔ انور پاشا ان کی اصابت فکر اور حسن مشورہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ امیر شکیب ارسلان نے اس دوران سنوسی تحریک کا بہت قریب سے مطالعہ کیا۔ تحریک کے رہنماؤں کے بارے میں اور ان کے کارناموں کے بارے میں متعدد مقالات لکھے۔ امیر شکیب ارسلان نے سنوسی تحریک اور اس کی قیادت سے عام مسلمانوں کو نہ صرف روشناس کرایا بلکہ انہیں اس کے تعاون اور ہم نوائی کے لیے بھی آمادہ کیا۔ 1912 میں جب بلقان کی جنگ چھڑی تو اس میں بھی امیر شکیب ارسلان نے مختلف وفود کی سربراہی کی۔

امیر شکیب ارسلان بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں ایک ایسے عرب دانشور کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ جنہیں ترکوں سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ آلِ عثمان اور عثمانی خلافت کے مرکز کو اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کی نشانی سمجھتے تھے۔ ترکی کی انجمن اتحاد وترقی کے ارکان اور وزیروں سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتے اور سمجھتے تھے کہ عالم اسلام کا اتحاد سب سے زیادہ اہم ہے۔ اگر یہ اتحاد ٹوٹ گیا تو عالم اسلام کی عظمت وشوکت خاک میں مل جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ 1914 میں جب پہلی عالمی جنگ کا آغاز ہوا۔ جس میں ترکی جرمنی کا حلیف تھا، تو اس وقت بھی انہوں نے ترکوں کا ساتھ نہیں چھوڑا حالانکہ اس وقت عرب دنیا کے بیشتر قائدین اور رہنما عربوں کی اندرونی آزادی کا مطالبہ کر رہے تھے اور انجمن اتحاد وترقی کے ارکان انہیں صرف وعدوں پر ٹال رہے تھے۔ شاید اسی وجہ سے امیر شکیب ارسلان کے مخالفوں نے ان پر ترکوں کی بے جا حمایت کا الزام بھی عائد کیا ہے۔ لیکن امیر شکیب ارسلان کی ترکوں یا عثمانی خلافت کی حمایت سامراج اور سامراجی طاقتوں کے وسیع تر عزائم کے گہرے مطالعے کا نتیجہ تھی۔ وہ جانتے تھے کہ سامراجی طاقتیں آل عثمان کی حکومت کے خاتمے کے ذریعہ عالم اسلام کے شیرازے کو منتشر کرنا چاہتی ہیں۔ اسی لیے وہ عرب حریت پسندوں کی نہ صرف حمایت کر رہی ہیں بلکہ ان سے ایسے وعدے بھی کر رہی ہیں جو کبھی پورے ہونے والے نہیں۔ چنانچہ پہلی عالمی جنگ میں جرمنی اور اس کے ساتھ ترکوں کو بھی شکست ہوئی تو عرب علاقے ایک ایک کر کے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ البتہ اس وقت انہیں آزادی دینے کے بجائے برطانیہ اور فرانس کی سامراجی طاقتوں نے عربوں سے کیے ہوئے اپنے تمام وعدوں سے منہ موڑ لیا اور عرب علاقوں کو اپنے درمیان تقسیم کر لیا۔ اس وقت عرب حریت پسندوں پر امیر شکیب ارسلان کی رائے کی صداقت ظاہر ہوئی لیکن تب تک وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس دوران امیر شکیب ارسلان استنبول میں مقیم رہے اور ماسکو اور برلن کے چکر لگاتے رہے تاکہ بچے کھچے ترکی میں اسلام کی عظمت قائم اور

برقرار رہے لیکن 1924 میں کمال اتاترک کے ذریعہ خلافت کے خاتمے، لادینی جمہوریت کے فروغ اور ترکی زبان کے رسم الخط کی تبدیلی جیسے اقدامات سے وہ مایوس ہوگئے۔ امیر شکیب ارسلان نے کمالی ترکوں پر شدید تنقید بھی کی ہے۔

1925 میں امیر شکیب ارسلان نے بڑی حد تک خود کو عملی سیاست سے الگ کرلیا تھا۔ وہ برلن کو چھوڑ کر جنیوا منتقل ہوگئے اور اپنا زیادہ وقت لکھنے پڑھنے اور تصنیف و تالیف کے کاموں میں صرف کرنے لگے۔ 1927 میں امریکہ میں مقیم عرب مہاجروں کی دعوت پر وہ نیویارک (امریکہ) تشریف لے گئے۔ 1929 میں حج و زیارت حرمین سے مشرف ہوئے اور 1930 میں فرانسیسی زبان میں ایک رسالہ 'La Nation Arabe' کے نام سے جاری کیا۔ اس رسالے کا مقصد ایک طرف اسلام اور مسلمانوں کا دفاع تھا تو دوسری طرف عالم اسلام کے محکوم مسلمانوں کی آزادی کی حمایت تھا۔ اس حوالے سے اس رسالے کے ذریعہ امیر شکیب ارسلان نے یورپی استعمار (انگریزی، فرانسیسی، اطالوی اور ولندیزی) کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور دسیسہ کاریوں کو طشت از بام کیا۔ اسی دوران امیر شکیب ارسلان نے اسپین (اندلس) کی سیاحت کی اور وہاں سے واپسی کے بعد اندلس کے آثار پر اپنی معرکۃ الآراء کتاب "الحلل السندسیۃ" تین جلدوں میں تالیف کی۔ 1934 میں سلطان ابن سعود (سعودی عرب) اور امام یحیٰ (یمن) کے باہمی تنازعات اس حد تک بڑھ گئے کہ جنگ کی صورتحال پیدا ہوگئی۔ ان دونوں حکمرانوں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے کے لیے عالم اسلام کے بڑے رہنماؤں کا ایک وفد حجاز گیا، جس کے ایک رکن امیر شکیب ارسلان بھی تھے۔ وفد کی کوششیں کامیاب رہیں اور دونوں حکمرانوں کے درمیان جنگ بند ہوگئی۔

دوسری عالمی جنگ (1939-1945) کے دوران امیر شکیب ارسلان برلن میں مقیم رہے، البتہ اس جنگ میں انہوں نے سرگرم حصہ نہیں لیا۔ جنگ کے بعد 1946 میں شام اور لبنان کو فرانسیسی اقتدار سے آزادی مل گئی۔ اس وقت امیر شکیب ارسلان کو بھی وطن واپس لوٹنے کی اجازت ملی چنانچہ اکتوبر 1946 میں تقریباً 25 برس کی جلاوطنی کے بعد امیر شکیب ارسلان اپنے وطن واپس لوٹے۔ البتہ اس وقت تک ان کی عمر کافی ہوچکی تھی۔ وطن واپس لوٹے ہوئے انہیں دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ خفقان قلب کے عارضے میں 9 دسمبر 1946 میں بیروت میں ان کا انتقال ہوگیا۔

8.2.3 علم و فضل

امیر شکیب ارسلان ایک ممتاز دانشور، مفکر، سیاسی رہنما اور مجاہد آزادی ہونے کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کے زبردست انشا پرداز بھی تھے۔ ان کا قلم رواں اور زبان سلیس و فصیح تھی۔ عربی زبان کے علاوہ انہیں ترکی زبان - جو اس وقت سرکاری زبان تھی - پر بھی عبور حاصل تھا۔ فرانسیسی اور جرمن زبانوں سے بھی وہ بہت اچھی طرح واقف تھے اور ان میں لکھنے اور اظہار خیال کی عمدہ صلاحیت رکھتے تھے۔ جب سلطان عبدالحمید کی دعوت پر قیصر ولیم ثانی دمشق کی سیاحت کے لیے شام آیا تھا تو امیر شکیب ارسلان بھی عثمانی حکومت کی جانب سے اس کے ساتھ تھے۔ امیر الشعراء احمد شوقی نے قیصر ولیم کی مدح و ستائش میں ایک قصیدہ لکھا تو امیر شکیب ارسلان نے اس کا ترجمہ و قیصر ولیم کے سامنے جرمن زبان میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، بین الاقوامی سیاست اور شعر و ادب میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ مسلم دنیا کے تقریباً تمام علاقوں سے سیکڑوں کی تعداد میں خطوط ان کے پاس آتے تھے اور وہ ان کے جواب بھی دیتے تھے۔ ایک اندازے

کے مطابق تقریباً دو ہزار خطوط اور اخبارات و رسائل کے لیے دوڈھائی سو مضامین وہ ہر سال لکھتے تھے۔

اسلوب بیان

امیر شکیب ارسلان کا اسلوب بیان موثر، دل آویز اور پر زور ہونے کے ساتھ ساتھ متین اور سنجیدہ ہے۔ اپنی ابتدائی ادبی زندگی میں وہ رسائل الصابی اور نہج البلاغۃ کے طرز بیان سے اور صنائع بدائع لفظی کے گرویدہ تھے۔ لیکن جب ان کی ملاقات شیخ محمد عبدہٗ سے ہوئی تو شیخ محمد عبدہ نے انہیں مقدمہ ابن خلدون کے مطالعے کی ترغیب دی اور یہ کہا کہ انہیں ابن خلدون کے اسلوب بیان کی پیروی کرنی چاہیے۔ خود امیر شکیب ارسلان نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے ابن خلدون کی تحریروں کا بہت ہی غور سے مطالعہ کیا ہے اور ان کے طرز انشا کا اثر بھی قبول کیا ہے۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ مشہور مصری ادیب سید رشید رضا نے المنار میں ان کے اسلوب کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ ابن خلدون سے مشابہ ہے۔ البتہ ابن خلدون اور امیر شکیب ارسلان کی تحریروں میں یہ فرق نمایاں ہے کہ ابن خلدون الفاظ کا استعمال بہت محتاط انداز میں کرتے ہیں جب کہ امیر شکیب ارسلان تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ لکھنے کے عادی ہیں۔ اکثر وہ نثر میں شاعری کرنے لگتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب وہ اپنے کسی پسندیدہ اور محبوب موضوع پر لکھ رہے ہوں تو پھر ان کا قلم بے اختیار ہو جاتا ہے۔ البتہ امیر شکیب ارسلان جب سیاسی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں تو پھر ان کی توجہ اپنے مخاطب پر زیادہ ہوتی ہے اور ان کی تحریر سادہ بیانی کی مثال بن جاتی ہے۔ ان کا سفر نامہ حج "الارتسامات اللطاف" بھی سہل ممتنع کی بہترین مثال ہے۔ بقول کسے:

"ان کی تحریروں میں علم و ادب اور حسن بیان کے ساتھ سوز دروں اور خونِ جگر بھی شامل ہے، جس کی وجہ سے ان میں زور اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے عرب ادبا انہیں امیر البیان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔"

تصانیف

امیر شکیب ارسلان نے سیاست، سماج، تاریخ، جغرافیہ، سوانح اور ادب شعر جیسے موضوعات پر درجنوں کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے:

1. حاضر العالم الاسلامی: یہ امیر شکیب ارسلان کی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے بلکہ اصل کتاب ایک امریکی مصنف Lothrap Stoddard نے 1921 میں جدید مسلم دنیا کی سیاست پر ایک کتاب The New World of Islam کے نام سے لکھی تھی۔ اس کتاب کا عربی زبان میں ترجمہ جارج بولیبض نام کے ایک عیسائی عرب نے حاضر العالم الاسلامی کے نام سے کیا اور وہ شائع بھی ہو گیا۔ جب کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہونے لگا تو مترجم نے امیر شکیب ارسلان سے درخواست کی کہ وہ اس کی ترجمہ شدہ کتاب پر تعلیقات و حواشی لکھ دیں تاکہ اس کی افادیت مزید بڑھ جائے۔ امیر شکیب ارسلان نے جب تعلیقات لکھنی شروع کیں تو ان کا حجم اصل کتاب سے تین گنا زیادہ بڑھ گیا۔ البتہ ان تعلیقات کا فائدہ یہ ہوا کہ عربی زبان میں یہ کتاب تقریباً پوری مسلم دنیا- چین اور فلپائن سے لے کر مغرب اقصی تک- کی علمی، مذہبی، سیاسی اور اصلاحی تحریکات کا گویا ایک جامع انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف)

بن گئی۔ 1925 کے بعد سے یہ کتاب عرب دنیا میں مسلسل شائع ہوتی رہی ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ اور اس کے ضمنی مباحث بھی بہت سی قیمتی اور مفید معلومات سے آراستہ ہیں۔

2. لما ذا تأخر المسلمون ولما ذا تقدم غيرہم:(مسلمان کیوں پیچھے رہ گئے اور اغیار کیوں آگے بڑھ گئے): سید رشید رضا کا رسالہ المنار اپنے زمانے میں عالم عرب میں ہی نہیں پوری مسلم دنیا کا معروف علمی رسالہ تھا اور ہر جگہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جاتا تھا۔ اس نے اس زمانے کے پوری ایک نسل کو متاثر کیا تھا۔ اس رسالے میں جاوا (انڈونیشیا) کے عالم نے مسلمانوں کے اصحاب علم سے یہ سوال کیا تھا کہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی پسماندگی اور زبوں حالی کی کیا وجہ ہے؟ اور جاپان و دیگر مغربی اقدام کی ترقی و خوشحالی کے کیا اسباب ہیں؟ انڈونیشی عالم کے اس سوال کے جواب میں امیر شکیب ارسلان نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت المنار میں ایک طویل مضمون لکھا اور بتایا کہ مسلم دنیا کی پسماندگی اور زبوں حالی کے کیا اسباب ہیں اور کس طرح وہ ان حالات سے نکل کر دیگر ترقی یافتہ اقوام کے برابر آسکتے ہیں۔ انہوں نے لکھا تھا کہ مسلمانوں کی بدحالی کی بنیادی وجہ مسلم حکمرانوں کے باہمی تنازعات و اختلافات ہیں۔ مسلمان عام جہالت کے اندھیرے میں ہیں اور عصری علوم سے ناواقف ہیں اور اس تباہ حالی تک مسلمانوں کو لے جانے میں علماء کے جمود نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اس کا علاج یہ تجویز کیا کہ اگر مسلمان کو اپنے حالات بدلنے ہیں تو انہیں ایثار اور جان ومال کی قربانی دینی ہوگی، اس کے بغیر وہ ترقی وخوشحال کے راستے پر آگے نہیں بڑھ سکتے۔ یہی مضمون بعد میں اسی عنوان کے تحت کتابی صورت میں شائع ہوا اور عالم عرب پر غیر معمولی اثرات کی حامل کتاب ثابت ہوئی۔ اس کتاب کا انگریزی اور اردو زبانوں میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

3. حلل السندسية في الاخبار والآثار الاندلسية: امیر شکیب ارسلان کے بارے میں پڑھتے ہوئے ہم یہ جان چکے ہیں کہ انہوں نے 1930 میں اسپین (اندلس) کا سفر اور سیاحت کی تھی۔ وہاں سے واپسی کے بعد انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ اندلس کی تاریخ، جغرافیہ اور اہم شخصیات کے تعارف پر ایک جامع کتاب لکھیں۔ انہوں نے یہ کام شروع کیا بھی، لیکن سات برس کی محنت شاقہ کے بعد وہ صرف اس کی تین جلدیں ہی لکھ پائے جو صرف شمالی اور مشرقی اندلس سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اندلس کے بلاد واحصار (علاقوں اور شہروں) کی تاریخ اور جغرافیہ لکھنے کے ساتھ ساتھ ہر شہر اور علاقے کے علماء، ادیبوں، شاعروں، فقیہوں اور امیروں کے حالات بھی لکھ دیے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک بڑا کام یہ بھی کیا ہے کہ اندلس کے حوالے سے مغربی مؤرخین نے جن غلط بیانیوں سے کام لیا ہے ان کی تصحیح بھی کر دی ہے۔

4. شوقي و صداقة اربعين سنة: ہم پیچھے یہ پڑھ چکے ہیں کہ امیر شکیب ارسلان عرب شاعر احمد شوقی کے بہت بڑے مداح تھے۔ عربی ادب کی تاریخ میں اس طرح کے شواہد بہت کم ملتے ہیں کہ کسی ادیب وشاعر نے کسی ہم عصر ادیب وشاعر کی دل کھول کر تعریف وتحسین کی ہو۔ امیر شکیب ارسلان نے احمد شوقی کے فن، شعری محاسن اور عظمت کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ احمد شوقی کو 'امیر شعراء' کا خطاب بھی انہیں کا دیا ہوا ہے۔ انہوں نے احمد شوقی کی شخصیت، شاعری اور فن پر متعدد مضامین مختلف

اخبارات ورسائل میں لکھے تھے۔ اور ان کی وفات پر ایک دردانگیز مرثیہ بھی لکھا تھا۔ اس کتاب میں انہیں مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

5. السيد رشيد رضا و إخاء اربعين سنة: سید رشید رضا عالم اسلام کے مشہور مصلح، ادیب، مفسر قرآن اور معروف رسالے المنار کے مدیر تھے۔ امیر شکیب ارسلان کے سید رشید رضا کے ساتھ برادرانہ تعلقات تھے۔ درج بالا کتاب ان کے حالات زندگی اور مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ ان مکاتیب کی خاص بات یہ ہے کہ ان میں دوران تحریر بہت ساری ادبی و لغوی بحثیں اور متعدد دینی و علمی نکات بھی شامل ہو گئے ہیں۔ مسلم دنیا کے علاوہ ہندوستان کے بھی بعض مسلم اکابرین (رہنماؤں) کے بارے میں بھی ان خطوط میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ایک خط میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک مباحثے کا بھی ذکر ہے جس میں حاضرین مجلس نے امیر شکیب ارسلان کو عہد حاضر کا عظیم ترین مسلم رہنما قرار دیا تھا۔

ان کے علاوہ بھی امیر شکیب ارسلان کی متعدد تصانیف ہیں مثلاً تاريخ غزوات العرب فى فرنسا، سويسرا و اطاليه، الارتسامات اللطاف اور ان کی شاعری کا دیوان، دیوان الامیر شکیب ارسلان وغیرہ۔

8.3 علی شریعتی

ایران میں رضا شاہ پہلوی کی حکومت کا قیام قاچاری عہد کے سیاسی جبر واستبداد سے آزادی کے طور پر عمل میں آیا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ رضا شاہ کے زیر حکومت ایران نے جدید دور میں قدم رکھا اور تیل کی دریافت سے ہونے والی آمدنی سے ایران نے مادی ترقی کے مختلف میدانوں میں آگے قدم بھی بڑھائے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ پہلوی حکومت نے بھی موروثی جبروت کی شکل اختیار کرلی اور ایرانی وسائل خاندانی حکومت کے استحکام و بقا پر صرف کیے جانے لگے۔ اس حوالے سے سیاست دانوں، امراء و دولت مندوں اور مذہبی قیادت کی جو تثلیث ایران میں بنی اس پر مذہبی طبقے سے ہی تعلق رکھنے والی جن آوازوں نے سب سے زیادہ کاری ضرب لگائی ان میں ایک اہم آواز علی شریعتی کی تھی۔ علی شریعتی کو جدید ایران کے فکری معماروں میں سے ایک باور کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے فکر و عمل سے ایران کو اس مقام تک لے جانے میں اہم کردار ادا کیا جہاں 1979 میں ایرانی عوام نے ایران میں شہنشاہیت کا ڈھائی ہزار سالہ جشن منانے والے محمد رضا شاہ کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس کی جگہ اسلامی اصولوں پر جمہوری اسلامی ایران کا قیام عمل میں آیا۔ علی شریعتی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے ایرانی کو مخصوص شیعی حصار سے نکالنے کی کوشش کی۔ اور ایرانیوں کو ''شیعیت صفوی سے شیعیت علوی'' کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔

8.3.1 ابتدائی زندگی اور تعلیم

علی شریعتی کا اصل نام محمد علی اور والد کا نام محمد تقی مزینانی تھا۔ وہ 24، نومبر 1933ء کو ایران کے صوبے خراسان کے ایک قصبے مزینان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان ایک مذہبی خاندان تھا اور قصبہ مزینان میں امامت و خطابت اسی خاندان کا حصہ تھی۔ ان کے والد محمد

تقی مزینانی ایک روایت شکن مذہبی عالم تھے انہوں نے مذہبی تعلیم کے ساتھ ساتھ قومی تعلیمی نظام سے بھی استفادہ کیا اور پھر مزینان کی سکونت ترک کر کے سرکاری اسکول کی ملازمت اختیار کر لی۔ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ مستقبل کا ذمہ دار شہری بننے کے لیے نوجوانوں کو ایسی مذہبی تعلیم حاصل کرنی چاہیے جو جدید دور کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہو۔ چنانچہ انہوں نے علماء کا مخصوص لباس اور پگڑی باندھنے کے بجائے مغربی ہیٹ (ٹوپی) پہننا شروع کیا۔ اس طرح علی شریعتی نے ایک ایسے متوسط اور اعتدال پسند خاندان میں آنکھیں کھولیں جہاں مذہبی عبادات اور رسوم کی پابندی تو کی جاتی تھی لیکن اس گھرانے میں مذہب ماضی کا کوئی فرسودہ عقیدہ، باطنی مشاہدہ یا محض فرد کا ذاتی معاملہ نہیں تھا بلکہ مذہب ایک سماجی حقیقت تھی اور اسے ایک زندہ نظام کی طرح برتا جاتا تھا۔

1941 میں جب کہ علی شریعتی کی عمر آٹھ برس تھی، انہیں 'ابن یمین پرائمری اسکول' کی پہلی جماعت میں داخل کرایا گیا۔ خود ان کے والد بھی اس اسکول میں ملازمت کرتے تھے۔ بچپن سے ہی علی شریعتی ایک خاموش قسم کے اور اپنی دنیا میں آپ مگن رہنے والے طالب علم تھے۔ باہر کے لوگوں سے ان کا ملنا جلنا بہت کم ہوتا تھا اور کھیلوں میں بھی انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ انہیں پڑھائی سے لگاؤ تھا اور چونکہ ان کے پاس وقت کافی ہوتا تھا اس لیے اسکول کی کتابوں کے علاوہ بھی وہ بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے زمانے میں ہی انہوں نے وکٹر ہیوگو کی کتاب Les Miserables کا فارسی ترجمہ پڑھ لیا تھا اور بعض بالکل غیر متعلق مضامین مثلاً وٹامنز کے فوائد اور سینما کی تاریخ وغیرہ بھی ان کے زیر مطالعہ رہتے تھے۔ جب انہوں نے ہائی اسکول کی تعلیم شروع کی تو اس وقت تک ان کی دلچسپی فلسفہ اور تصوف جیسے مضامین میں بڑھ چکی تھی اور ان موضوعات کی کتابوں کا مطالعہ وہ کرنے لگے تھے۔ مطالعہ کتب سے ان کی دلچسپی کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی تھی کہ خود ان کے گھر پر ایک اچھی لائبریری موجود تھی جس میں تقریباً دو ہزار کتابیں تھیں۔ ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ علی شریعتی کے والد ان کی روحانی تربیت کی طرف بھی خاص توجہ دیتے تھے چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کو مراقبے کے آداب سکھائے اور انسان بننے کے فوائد اور تکنیک سے آگاہ کیا۔ اسی طرح انہیں آزادی، شخصی وقار، عفو در گزر اور عقیدے کی عظمت سے بھی باخبر کیا۔

ہائی اسکول کی تعلیم کے زمانے تک علی شریعتی ایک کم گو، خاموش طبیعت اور ہر وقت مطالعے میں منہمک رہنے والے طالب علم کی حیثیت سے ہی جانے جاتے رہے۔ تنہائی پسندی اور انسان بیزاری نے انہیں مطالعے کے لیے وافر وقت ضرور بہم پہنچایا اور اس دوران انہوں نے چارلیس میٹرلنک، شوپنہار، فرانز کافکا اور صادق ہدایت کی اہم تصانیف کا مطالعہ بھی کر لیا۔ لیکن اس لٹریچر کے مطالعے نے ان کے مذہبی عقائد کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں، وجود باری تعالیٰ کے بارے میں بھی شکوک و شبہات پیدا ہو گئے اور خدا کے بغیر کائنات کا تصوّر انہیں بے معنیٰ اور لغو معلوم ہونے لگا۔ خود انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ 1946 سے 1950 تک کا دوران کی شخصیت کا پہلا سنگین ترین بحران تھا۔

1950 میں علی شریعتی نے فردوسی ہائی اسکول سے نویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد مشہد کے ٹیچرز ٹریننگ کالج میں داخلہ لیا اور یہاں پر انہوں نے اقامتی طالب علم کے طور پر آگے کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ البتہ اس دوران بھی ان کے اندرون میں زندگی

کے مقصد و معنی کو لے کر متضاد تصورات کی ایک زبردست کشمکش جاری رہی۔ تاہم ان سب کے باوجود انہوں نے 1952 میں کالج کی تعلیم مکمل کرلی۔ اس دوران ان کی شخصیت کو ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے اور بکھرنے سے اگر کسی چیز نے بچایا تو وہ مشرقی فلسفے کی روحانیت تھی اور اس کا بنیادی حوالہ انہیں مثنوی مولانا روم میں ملا۔

جدید ایران کی تاریخ کے جانکار یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایران کی تاریخ میں 1950 اور 1951 میں ایک زبردست طوفان ڈاکٹر مصدق کی نیشنلسٹ تحریک کی صورت میں سامنے آگیا جس نے پورے ایران میں جلسے جلوس، مظاہروں اور بحث ومباحثے کا ایک سلسلہ قائم کردیا۔ نیشنلسٹ تحریک کے اس طوفان نے علی شریعتی کی خاموشی اور ان کے گوشۂ تنہائی کو بھی اپنی زد میں لے لیا اور پھر یہیں سے علی شریعتی کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ بحث ومباحثے میں حصہ لیتے ہیں، جلسوں اور مظاہروں میں شرکت کرتے ہیں اور توحید پر مبنی 'سائنٹفک سوشلزم' کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ 1953 میں مصدق کی نیشنلسٹ حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی عوامی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے نوجوانوں کو بری طرح کچل دیا گیا اور اس تحریک سے پارلیمانی جمہوریت کی جو امید لگائی گئی تھی اسے خاک میں ملا دیا گیا۔ اس مایوسی و محرومی نے ایک بار پھر علی شریعتی کو شخصیت کے بحران سے دوچار کیا اور تقریباً دو برس تک (1956-1958) وہ آزادی اور جمہوریت کے بارے میں کشمکش سے دوچار رہے۔ اس سے قبل 1954 میں انہوں نے بارہویں گریڈ کا ڈپلومہ حاصل کرلیا تھا اور انہیں اسکول ٹیچر کی سرکاری ملازمت بھی مل گئی تھی۔

اب علی شریعتی نے مشہد یونیورسٹی میں داخلہ لیا(1955) جہاں ادب کا نیا نیا شعبہ کھلا تھا۔ سرکاری ملازمت کی وجہ سے انہیں یونیورسٹی میں چند انتظامی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا، اس کے باوجود وہ اپنی کلاس میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ یونیورسٹی کی تعلیم کے دوران 1957 میں انہیں ڈاکٹر مصدق کی حمایت کے جرم میں گرفتار کرکے تہران بھیج دیا گیا اور ایک ماہ بعد انہیں رہائی ملی۔ 1958 کے وسط میں (جولائی 15) ان کی شادی بی بی فاطمہ عرف پوران سے ہوئی اور اسی سال کے اواخر میں انہوں نے مشہد یونیورسٹی سے فارسی ادب میں بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ یونیورسٹی میں غیر معمولی علمی استعداد کا مظاہرہ کرنے پر انہیں بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکالرشپ مل گئی۔ چنانچہ اپریل 1959 میں وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے پیرس (فرانس) چلے گئے۔

8.3.2 پیرس میں قیام

علی شریعتی پیرس گئے تو تھے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اور وہاں اپنے قیام کے دوران (1959 تا 1964) انہوں نے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ڈگری بھی حاصل کی۔ ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ "صفی الدین بلخی" پر تھا اور یہ پروفیسر گلبرٹ لیزرڈ کی زیر نگرانی مکمل ہوا۔ البتہ پیرس میں ان کی سرگرمیوں کا دائرہ صرف حصول علم تک محدود نہیں تھا بلکہ قیام پیرس کے دوران ہی ان پر دانشوری، سیاست، اور اصلاح کے وہ پہلو اجاگر ہوئے جنہوں نے ان کی شخصیت کی تعمیر میں اہم رول ادا کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کی بے محابا آزادی نے لوگوں سے ان کی مذہبی وثقافتی شناخت چھین لیتی ہے اور انہیں لذت پرستی کا حریص بنا دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہاں یہ بھی پایا کہ علم کی قدر کیسے کی جائے چنانچہ انہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اگر انہیں مغرب کے اساتذہ کی قربت میسر نہ آتی تو وہ ایک مفلس روح، مرجھائے

ہوئے دل، متوسط سطح کے ذہن اور زندگی کے بچکانہ تصور کے مالک ہوتے۔ پیرس میں قیام کے دوران ہی علی شریعتی پر تحقیق کے دروازے کھلے اور یہیں پر انہیں یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو شیعہ عقائد نہیں رکھتے وہ شیعہ عقائد کی تشریح کیسے کرتے ہیں۔ چنانچہ خود ان کے تصور شیعیت میں یہاں پر ایک انقلابی تبدیلی رونما ہو جو ایران کے سرکاری شیعیت کے تصور سے بڑی حد تک مختلف تھی اور جس میں انہوں نے مذہب کے سماجی اور سیاسی پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اسلام چند توہمات، بے عملیوں، پسماندگی پر قناعت، تعطل و جمود، تقیہ، مولویوں کی بے ربط تقریروں اور احکامات پر ان کی اجارہ داری کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام ایک ترقی پسند اور عمل و کردار کی طرف دعوت دینے والا نظام ہے جو آزادی، مساوات، انصاف اور روحانیت کی قدروں سے مالامال ہے۔ انہوں نے ایرانی شیعوں کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ شیعیت صفوی کو چھوڑ کر شیعیت علوی کو اختیار کریں۔ اسی طرح ان کے اس بیان پر بھی ان کے معاصر شیعہ علما کے حلقے میں بڑے لے دے مچی اور ان پر سنی اور وہابی کے الزامات بھی لگے جس میں انہوں نے ان کے مطابق ''مسلمہ شیعہ عقائد'' سے انحراف کیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا:

''میں وہ دن دیکھنے کی دعا کرتا ہوں جب ایران میں مذہبی آگہی اور شعور اس درجے پر پہنچ جائے کہ سرکاری شیعیت کا ترجمان حضرت فاطمہؑ کو اس روپ میں پیش کرے جس کا ذکر مسیحی دانشور سلیمانی قطانی نے کیا ہے۔ حضرت علیؑ کی ان صفات کا ذکر کیا جائے جو ایک دوسرے مسیحی ڈاکٹر جارج جوردک (George Jordac) نے بیان کی ہیں۔ اہل بیت کا ذکر اس طرح کیا جائے جیسے میگنان (Massignon) نے اپنی ریسرچ میں کیا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو جودت السحر کی آنکھ سے دیکھا جائے۔ قرآن کا وہ ترجمہ گوارا کر لیا جائے جو ریجس بلاشیر (Regis Blachere) نے کیا ہے اور آں حضرتؐ کو یہودی دانشور میکسم روڈیسن (Maxime Rodison) کی نظر سے دیکھا جائے۔''

علی شریعتی کا یہ بیان ایران کے مخصوص شیعی تناظر میں بڑا ہی بے باکانہ تھا چنانچہ اس پر ردّ عمل بھی بڑا شدید تھا۔ ایرانی علماء کے لیے مسلمانوں کی ان مقدس ہستیوں کے بارے میں غیر شیعہ اور غیر مسلم مصنّفین کے انداز تحریر کو برداشت کر پانا آسان نہیں تھا اس لیے انہوں نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''ہم اسلام نہ صرف غیر شیعہ مصنّفین سے بلکہ غیر مسلموں سے سیکھا کریں''۔

علی شریعتی پیرس میں جتنا عرصہ قیام پذیر رہے وہ یہاں علم و ادب کی مجلسوں میں شرکت کرتے رہے، فلسفیوں، ماہرین تعلیم، شاعروں اور عسکریت پسندوں کے لیکچرز اور خطابات غور سے سنتے اور کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ بھی کرتے رہے۔ انہوں نے ان ماہرین سے تبادلۂ خیال کیا اور ان سے سوال و جواب بھی کیے۔ غرض وہ جس سے بھی ملتے اس سے کچھ نہ کچھ استفادہ ضرورت کرتے مثال کے طور پر فرانز فنان نے انہیں تیسری دنیا کی یکجہتی اور بین الاقوامیت کا درس دیا۔ ترقی کے لیے یورپ کی نقالی سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے یہ پیغام بھی دیا کہ یہ ممالک 'نئے تصورات' وضع کریں، ان پر تجربات کریں اور نئی تاریخ رقم کرنے کی کوشش کریں۔ وہی ترقی اصل ترقی ہوتی ہے جو اپنے وسائل کے بل بوتے پر کی جائے۔ جیکس برک کی کلاسوں سے علی شریعتی نے مذہب کے سماجی پہلو کے بارے میں آگاہی حاصل کی۔ سارتر کی کلاسوں سے 'انسانی آزادی کا حصول' اور بعد ازاں 'ہر قسم کے جبر کے خلاف بغاوت کے سلسلے میں فرد کی ذمہ داری' کا سبق سیکھا۔

الیکس کیرل(Aliexis Carrel) سے 'سائنس اور عقیدے' میں ہم آہنگی کے تجربات سنے وغیرہ۔

پیرس میں قیام کے دوران علی شریعتی سیاسی طور پر بھی بہت زیادہ فعال اور سرگرم رہے اور ان ایرانی و غیر ایرانی افراد اور تنظیموں سے روابط رکھے جو اپنے اپنے ملکوں میں آزادی اور جمہوریت کی بحالی کے لیے کوششوں میں مصروف تھے۔ وہ مصدق کے بہت بڑے مدّاح تھے اور ان کی تحریروں کی اشاعت کے لیے بہت سرگرم رہے۔ وہ 'ایران آزاد' نامی ایک مجلے کے ایڈیٹر رہے اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ بیرون ملک ایرانی طلبہ میں آزادی و جمہوریت کا پیغام عام کرتے رہے۔ جون 1963 میں جب ایرانی دارالحکومت تہران میں عوامی مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت تک آیت اللہ خمینی ایک نمایاں اپوزیشن لیڈر کے طور پر سامنے آچکے تھے۔ انہوں نے اس تحریک کی پیرس میں رہتے ہوئے حمایت کی اور کہا یہ بھی جاتا ہے کہ اس کی حمایت میں انہوں نے ایک مضمون بھی لکھا تھا جس میں مصدق کو قومی رہنما اور خمینی کو مذہبی رہنما کے طور پر پیش کیا گیا تھا لیکن یہ شائع نہیں ہو سکا۔

8.3.3 ایران واپسی

1964 کے اواخر میں علی شریعتی ایران واپس لوٹ آئے یہاں انہیں اس بات کی امید تھی کہ انہیں یونیورسٹی میں ملازمت مل جائے گی لیکن 1967 سے قبل تک انہیں یہ ملازمت نہیں مل سکی۔ اس دوران انہوں نے مشہد سے قریب کچھ اسکولوں میں فارسی گرامر اور لٹریچر پڑھایا اور طلبہ کو مضمون نویسی سکھائی۔ 1967 میں انہیں مشہد یونیورسٹی کے کالج آف لٹریچر میں تاریخ اسلام پڑھانے کی ملازمت مل گئی۔ اسی دوران انہوں نے اپنی مشہور و معروف کتاب ''اسلام شناسی'' تحریر کی۔ مشہد یونیورسٹی میں علی شریعتی کے لیکچرز نے طلبہ کے اندر ایک نئی بیداری پیدا کر دی اور ان کے گرد نوجوان دانشوروں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا جو انقلابی خیالات کا حامل تھا اور جو ایران میں سماجی و سیاسی تبدیلی کا خواہاں تھا۔ ایرانی حکومت کے لیے علی شریعتی کی اس طرح کی سرگرمیاں قابل قبول نہیں ہو سکتی تھیں اس لیے انہیں مشہد یونیورسٹی میں لیکچرز دینے سے روک دیا گیا (1971) اور انہیں تہران بھیج دیا گیا۔

تہران میں علی شریعتی کا زیادہ تر وقت 'حسینیہ ارشاد' نامی کمیونٹی سینٹر میں تقریر کرنے اور بحث و مباحثے میں صرف ہونے لگا جس کی وجہ سے یہ کمیونٹی سینٹر ایک انقلابی مرکز کی شکل اختیار کر گیا۔ حکومت نے ان سرگرمیوں کا نوٹس لیا۔ اسی دوران 13، نومبر 1971 کو علی شریعتی نے 'شیعہ ہونے کی ذمہ داری' پر اپنا مشہور خطبہ دیا۔ اس خطبے میں انہوں نے انقلابی شیعوں کو حضرت علیؓ کا حقیقی پیروکار بننے کی تلقین کی تھی اور انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی تھیں۔ ان سے کہا تھا کہ وہ ناانصافیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں۔ موجودہ سیاسی و اقتصادی نظام کو اکھاڑ پھینکیں۔ اسی خطبے میں انہوں نے اپنا وہ مخصوص نعرہ بھی دیا تھا جو آٹھ سال بعد انقلاب ایران کے وقت ہر ایرانی کی زبان پر تھا، یعنی ''سال کا ہر مہینہ محرم ہے، مہینے کا ہر دن عاشور ہے اور زمین کا ہر ٹکڑا کربلا ہے''۔ شیعہ کلچر سے واقف کوئی بھی شخص اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس خطبے میں علی شریعتی کا پیغام کتنا واضح تھا۔ اس خطبے کو دیے ہوئے ابھی تین ہفتہ ہوا تھا کہ حکومت ایران کی سیکورٹی فورسیز نے حسینیہ ارشاد کو بند کر کے علمی شریعتی کی آواز کو خاموش کر دیا اور ان کی نگرانی کی جانے لگی۔ علی شریعتی کو جب نگرانی کا احساس ہوا تو وہ روپوش ہو گئے۔ لیکن سیکورٹی فورسیز نے ان کے والد محمد تقی شریعتی اور بہنوئی شریعت رضاوی کو بطور یرغمال گرفتار کر لیا۔ مجبوراً انہیں ستمبر 1973

میں خود سپردگی کرنی پڑی۔ جیل میں ان پر سیاسی سرگرمیوں سے توبہ کرنے اور ٹیلی ویژن پر معافی مانگنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا۔ اٹھارہ ماہ بعد ان کی رہائی عمل میں آئی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی رہائی کے لیے اس وقت الجزائر کے وزیر خارجہ عبد العزیز بوتفلیقہ۔ جو شریعتی کو قیام پیرس کے زمانے سے جانتے تھے- نے شاہ ایران سے درخواست کی تھی۔ البتہ رہائی کے بعد بھی حکومت نے ان کی سخت نگرانی جاری رکھی۔ انہیں خریدنے اور ان کی عوامی شبیہہ کو بگاڑنے کی بھی کوششیں ہوئیں۔ ان کی سیاسی و سماجی سرگرمیاں تقریباً ختم ہو گئیں۔ اس صورتحال میں انہوں نے 16؍ مئی 1977 کو خاموشی کے ساتھ ایران چھوڑ دیا۔ وہ انگلینڈ چلے گئے۔ البتہ ساواک (ایرانی خفیہ ایجنسی) نے ان کے اہل و عیال پر سخت نظر رکھی اور جب جون 1977 میں ان کی بیوی پوران دو بچیوں کے ساتھ (تیسری بچی کو ایئرپورٹ پر روک دیا گیا تھا) لندن پہنچیں تو اسے علی شریعتی کے ٹھکانے کا علم ہو گیا۔ وہ 18 جون کو انہیں ساؤتھمپٹن میں اپنے کرایے کے مکان پر لائے اور 19 جون کی صبح میں ان کی لاش فرش پر پڑی ہوئی ملی۔ اسپتال کی پوسٹ مارٹم رپورٹ میں ان کی موت کی وجہ عارضہ قلب بتائی گئی البتہ زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ انہیں ایرانی خفیہ ایجنسی نے ہلاک کیا تھا۔ 26؍ جون 1977 کو علی شریعتی کی نعش دمشق لے جائی گئی اور انہیں سیدہ زینب (امام حسینؑ کی صاحب زادی) کے مزار کے قریب سپرد خاک کیا گیا۔ اس طرف ایک بڑے دانشور، قد آور سیاسی رہنما اور شعلہ بیان مقرر کا صرف 44 برس کی عمر میں خاتمہ ہو گیا۔

8.3.4 تصانیف

علی شریعتی نے مختصر عمر کے باوجود اپنے پیچھے کافی بڑا تحریری سرمایہ چھوڑا، ان سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ یہاں ان کی دو مشہور کتابوں "ابوذر غفاریؓ" اور "اسلام شناسی" کا تعارف کرایا جاتا ہے۔

1. ابوذر غفاریؓ: یہ کتاب بنیادی طور پر علی شریعتی کے ایک معاصر مصری مصنف عبد الحمید جودت السحر کی عربی تصنیف کا فارسی ترجمہ ہے۔ البتہ اس میں علی شریعتی نے اپنے خیالات، تبصرے اور تحقیقات بھی شامل کر دی ہیں جن سے اس کی اہمیت اور افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور اسے مستقل تصنیف کا درجہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ ابوذر غفاریؓ کی شکل میں علی شریعتی نے ایک ہیرو، ایک ماڈل (نمونہ) اور ایک علامت تخلیق کی ہے جو غریب، مظلوم اور سماجی طور پر باشعور شخص کے "حقیقی اسلام" کو بچانے کے لیے دولت اور اقتدار کو اپنی ٹھوکر میں رکھتا ہے اور مذہبی اتھارٹی کو بھی چیلنج کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ یہ ایک ایسے شخص کی داستان حیات ہے جو مملکت اسلامیہ کے ایک عظیم حکمراں کے سامنے اپنے مخالفانہ خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ ایک ایسا انقلابی مسلمان ہے جو اخوت، مساوات، انصاف اور حریت کا درس دیتا ہے۔ علی شریعتی نے اس کتاب میں ابوذرؓ کی شخصیت کو دریافت کر کے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ سماجی انصاف، مساوات، حریت اور سوشلزم کے جو تصورات مغربی دانشوروں کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں وہ دراصل اسلامی ورثے کے اجزائے لاینفک ہیں۔ وہ پورے فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ انقلاب فرانس کے بعد مساوات انسانی کے جو مکاتب فکر ابھرے ہیں، ابوذر ان کے جد امجد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ کہنا بے جا نہ ہو گا علی شریعتی نے بیس برس کی عمر سے لے کر اپنی وفات تک (24 برس) ابوذرؓ کو اپنی ہیرو ورشپ کا مرکز اور

عقیدتوں کا محور بنائے رکھا۔ انہوں نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو ایک بہت ہی راست باز، حق گو اور ذمہ دار مسلمان قرار دیا ہے جس نے حضور نبی پاکؐ کے مساوات اور اخوت انسانی پر مبنی اسلام سے 'انحراف' کی مزاحمت کی تھی۔ انہوں نے کھل کر یہ بات کہی ہے کہ میں ابوذرؓ کا پیروکار ہوں اور انہی کا اسلام شیعیت کا نصب العین ہے۔ علی شریعتی کی وفات کے بعد ان کے دوست احباب انہیں اپنے دور کا ابوذر کہہ کر یاد کرتے تھے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے حضرت ابوذر کے کردار کو اپنی زندگی میں اختیار کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

2. اسلام شناسی: اسلام شناسی علی شریعتی کی معرکتہ الآراء کتاب ہے۔ یہ کتاب دراصل علی شریعتی کے ان لیکچرز کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مشہد یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کے موضوع پر دیے تھے۔ ان خطبات میں انہوں نے اپنے ان تصورات کا خاکہ پیش کیا تھا جو ان کی آئندہ کی زندگی میں ان کا مشن بنے رہے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے انہوں نے مغرب زدہ دانشوروں کا تعاقب کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کا مبلغ علم غیر ملکی کتابوں کے تراجم ہوتے ہیں۔ ان میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ بذات خود اجنبی افکار کا تجزیہ کریں اور اس حوالے سے کوئی نئی چیز پیش کر سکیں۔ اس کے بعد انہوں نے روایتی علما کے طبقے پر بھی کاری ضرب لگائی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے ان کی کتاب فارسی زبان میں اسلام کا پہلا سائنسی اور تجزیاتی مطالعہ ہے۔ اسلام شناسی میں علی شریعتی نے 'حقیقی اسلام' کی چودہ امتیازی صفات بیان کی ہیں جو بقول ان کے مروجہ اسلامی تصور اور حقیقی اسلام کے بیچ خط امتیاز ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ علی شریعتی کی تنقید ساکت سمندر میں پتھر پھینکنے جیسی تھی۔ ان پر ہم عصر علماء نے تنقید کی کہ انہوں نے اسلام شناسی میں اسلام کی من مانی تشریح و تعبیر پیش کی ہے اور غیر شیعی ماخذ سے استفادہ کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر صفت کے بیان اور وضاحت کے لیے انہوں نے قرآن مجید، احادیث نبوی اور شیعہ اماموں کے علاوہ چاروں خلفا کے اقوال کے بھی حوالے دیے ہیں۔

علی شریعتی کے پیش نظر اسلام شناسی کی تصنیف کے ذریعہ تین مقاصد تھے:

1. اسلام کو ایک جدید، جمہوری اور مساوات انسانی کے علم بردار مذہب کے طور پر پیش کیا جائے اور اسی کو حقیقی اور مثالی اسلام قرار دیا جائے۔
2. ان رکاوٹوں کی نشان دہی کی جائے جو حقیقی اسلام کے نفاذ کے راستے میں حائل ہیں۔
3. یہ واضح کیا جائے کہ مسلمانوں پر اثبات توحید کے لیے کام کرنا فرض کیوں ہے؟ اور نفاذ اسلام کے راستے میں جو رکاوٹیں ہیں ان کو چیلنج کرنا ان کی ذمہ داری کیوں بنتی ہے۔

اس طرح اس کتاب میں علی شریعتی نے اسلام پر قدامت پسندی اور جدیدیت مخالف ہونے کے روایتی الزامات کو مسترد کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام سبھی جدید تصوّرات کا مخالف نہیں بلکہ وہ ان میں سے بعض تصوّرات سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس حوالے سے انھوں نے اللہ کے رسولؐ کا ایک ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ "مذہب اور عقل ایک ہی حقیقت ہیں"۔ سیاست کے حوالے سے انہوں نے لکھا ہے کہ اسلام جمہوریت پر مبنی ہے، اس کی عمارت شوریٰ، اجماع اور آزادی فکر کے ستونوں پر استوار ہے۔ اجتہاد کا تصور اور مذہب کی آزادی بھی اسی

کا حصہ ہیں۔ معیشت کے حوالے سے یہ لکھا کہ اسلام کا اقتصادی نظام استحصال اور طبقاتی معاشرے کی تخلیق کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ وہ مکمل انصاف اور مساوات کے قیام کا داعی ہے، تمام انسان برابر ہیں کیونکہ سب آدم کی اولاد ہیں، مرد اور عورت ایک ہی نوع سے ہیں اور ایک ہی منبع کی پیداوار ہیں۔

علی شریعتی کی نظر میں روایتی علماء رجعت پسند ہیں اور اسلامی تعلیمات کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اسلام انفرادی اور نجی رسوم و عبادات کو اتنی اہمیت نہیں دیتا جتنا کہ اجتماعی مقاصد پر زور دیتا ہے ان کے خیال میں ان علما نے اسلام کو صرف انفرادی عبارتوں تک محدود کر رکھا ہے۔ یہ لوگ روحانیت کو انسان کے سماجی اور سیاسی کردار ادا کرنے کے جذبے کو سرد کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ ہمیشہ سیاسی جبر اور اقتصادی استحصال کا ساتھ دیتے ہیں۔ انہوں نے علماء پر الزام لگایا کہ وہ عوام کو جہالت اور توہمات کی دنیا میں مگن رکھنا چاہتے ہیں۔ شیعہ فقہا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ چونکہ ان کا گزارہ دولت مندوں کے منافع بخش کاروبار میں سے ایک خاص حصے پر ہوتا ہے اس لیے وہ املاک کی ملکیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔

اس پر علی شریعتی کی علماء کے طبقے کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی اور انہیں دشمن دین وایمان قرار دیا گیا۔

8.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عہد حاضر کی اسلامی و اصلاحی فکر پر جن شخصیات کی تحریروں کے اثرات لازوال رہے ہیں امیر شکیب ارسلان ان میں سے ایک ہیں۔ ان کا خاندانی تعلق شاہان حیرہ سے تھا اور حکمرانی وجہاں بانی ان کو ورثے میں ملی تھی۔ ان کے اجداد نے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔ خلافت عباسی اور عثمانی حکومت میں اس خاندان کے افراد مختلف اعلیٰ عہدوں پر متمکن رہے۔ خود ان کے دادا اور والد اپنے علاقے کے بڑے جاگیردار تھے اور علاقے میں ان کی حکمرانی قائم تھی، البتہ امیر شکیب ارسلان نے جہاں بانی کو چھوڑ اور شمشیر وسنان کو ترک کر کے لوح و قلم کو اپنا ہتھیار بنایا اور اس حوالے سے ایسی شہرت و ناموری حاصل کی کہ شاید ہی ان کے خاندان میں کسی اور کو حاصل ہوئی ہو گی۔ انہوں نے اپنے زمانے کی اسلامی فکر کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ اصلاح و دعوت کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔
- علی شریعتی ایران میں اسلامی بیداری کے فکری امین باور کیے جاتے ہیں اور انہوں نے ایران میں صفوی شیعیت کو علوی شیعیت کی طرف لے جانے کی کامیاب کوشش کی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایران کے انقلاب (اسلامی) کے فکری بنیاد کار علی شریعتی ہی ہیں۔
- علی شریعتی کو جدید ایران کے فکری معماروں میں سے ایک باور کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اپنے

فکر و عمل سے ایران کو اس مقام تک لے جانے میں اہم کردار ادا کیا جہاں 1979 میں ایرانی عوام نے ایران میں شہنشاہیت کا ڈھائی ہزار سالہ جشن منانے والے محمد رضا شاہ کی حکومت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس کی جگہ اسلامی اصولوں پر جمہوری اسلامی ایران کا قیام عمل میں آیا۔

8.5 نمونہ امتحانی سوالات

8.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. امیر شکیب ارسلان کہاں پیدا ہوئے؟

(a). لبنان (b). قرطبہ (c). بغداد (d). قسطنطنیہ

2. ”الحلل السندسیۃ“ کے مصنف کون ہیں؟

(a). امیر شکیب ارسلان (b). علی شریعتی (c). رشید رضا (d). محمد عبدہ

3. سید رشید رضا کے خیال میں امیر شکیب ارسلان کا اسلوب کس سے مشابہ ہے؟

(a). ابن خلدون (b). جمال الدین افغانی (c). ابن جریر طبری (d). امام غزالی

4. عرب ادبا ”امیر البیان“ کے نام سے کس کو یاد کرتے ہیں؟

(a). امیر شکیب ارسلان (b). جمال الدین افغانی (c). ابن جریر طبری (d). امام غزالی

5. ایرانیوں کو شیعیت صفوی سے شیعیت علوی کی طرف لوٹنے کی دعوت کس نے دی؟

(a). علی شریعتی (b). اسماعیل صفوی (c). رضا شاہ (d). سب غلط

6. ان میں سے کس کو جدید ایران کے فکری معماروں میں سے یاد کیا جاتا ہے۔

(a). علی شریعتی (b). اسماعیل صفوی (c). رضا شاہ (d). آغا محمد شاہ

7. علی شریعتی کی تصنیف کا نام بتائیں؟

(a). الحلل السندسیۃ (b). اسلام شناسی (c). حاضر العالم الاسلامی (d). ان میں سے کوئی نہیں

8. علی شریعتی کا تعلق کہاں سے تھا؟

(a). لبنان (b). ایران (c). سعودی عرب (d). ترکی

9. علی شریعتی کب پیدا ہوئے؟

(a). 1933ء (b). 1902ء (c). 1979ء (d). 1950ء

10. ان میں سے کون ”ایران آزاد“ مجلے کے ایڈیٹر رہے ؟

(a). علی شریعتی (b). ڈاکٹر مصدق (c). اسماعیل صفوی (d). آیت اللہ خمینی

8.5.2 مختصر جوابی سوالات

11. امیر شکیب ارسلان کی ابتدائی زندگی پر نوٹ لکھیے۔
12. امیر شکیب ارسلان کے علم و فضل کو بیان کیجیے۔
13. علی شریعتی کی ایران واپسی پر مضمون لکھیے۔
14. علی شریعتی کے پیرس قیام پر مختصر نوٹ لکھیے۔
15. علی شریعتی کے پیش نظر اسلام شناسی کی تصنیف کے مقاصد بیان کیجیے۔

8.5.3 طویل جوابی سوالات

1. امیر شکیب ارسلان کی عملی زندگی پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. علی شریعتی کی ابتدائی زندگی اور تعلیم پر روشنی ڈالیے۔
3. امیر شکیب ارسلان کی تصنیف کا جائزہ لیجیے۔

8.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ فکر اسلامی	:	محمد اجتباء ندوی
2. نئی عرب دنیا	:	یونس نگرامی
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (سوم و چہارم)	:	ثروت صولت
4. اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معمار	:	علی رہنما

اکائی 9: عالم اسلام کی شخصیات- آیت اللہ خمینی،ڈاکٹر محمد حمید اللہ

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 آیت اللہ خمینی

9.2.1 خاندانی پس منظر اور ابتدائی زندگی

9.2.2 عملی زندگی

9.3 ڈاکٹر محمد حمید اللہ

9.3.1 پس منظر اور ابتدائی زندگی:

9.3.2 عملی زندگی

9.3.3 تصنیفات

9.4 اکتسابی نتائج

9.5 نمونہ امتحانی سوالات

9.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

9.5.2 مختصر جوابی سوالات

9.5.3 طویل جوابی سوالات

9.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

بیسویں صدی میں جن شخصیات نے مسلم دنیا پر اپنا اثر چھوڑا اس میں آیت اللہ خمینی نے اپنی الگ شناخت قائم کی۔ امام خمینی مذہبی

قیادت کا وہ حوالہ ہیں جس نے دین و دنیا کی تفریق کو مٹا کر علماء کو میدان سیاست میں لا کھڑا کیا اور یہ ثابت کیا کہ مذہبی بنیادوں پر بھی انقلاب قائم ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا تعلق برصغیر سے ہے اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں روایت و جدیدیت کا بہترین امتزاج ملتا ہے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ اس بات سے واقف ہو سکیں کہ آیت اللہ خمینی نے کس طرح زندگی گزاری، خاندانی پس منظر اور ان کی عملی زندگی سے بھی آگاہی حاصل ہو۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ کی ابتدائی زندگی اور ان کی تصنیفات کے بارے میں جانکاری حاصل ہو گی۔

9.2 آیت اللہ خمینی

بیسویں صدی عیسوی کا آغاز مسلم دنیا میں بیداری کی ایک نئی صبح کا پیغام لے کر آیا۔ یہ بیداری سیاسی بھی تھی اور اصلاحات و اجتہاد کے حوالے سے مذہبی بھی تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں جمال الدین افغانی کی اتحاد اسلامی کی کوششوں میں مذہب و سیاست کی یکجائی کے جو ابتدائی نقوش ملتے ہیں، بیسویں صدی کی مسلم مذہبی قیادت نے اسے فکری اور نظری اعتبار سے کافی استحکام عطا کر دیا، البتہ ایرانی مذہبی رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی عالم اسلام کی مذہبی قیادت میں شاید پہلی ایسی شخصیت تھے جنہوں نے جدید دنیا میں مذہب و سیاست کی یکجائی اور اس کی بنیاد پر اسلامی حکومت کے قیام کی نظری طور پر دعوت دی بلکہ اسلامی حکومت کے اپنے نظریے کو عملی جامہ بھی پہنایا۔ آیت اللہ خمینی کا امتیاز یہ ہے کہ انہیں ایک مذہبی عالم اور روحانی پیشوا کے طور پر ہی عوامی مقبولیت اور حمایت حاصل نہیں ہوئی بلکہ بطور سیاسی کارکن بھی انہیں اپنے حامیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نصیب ہوئی جو ان کے تیار کردہ لائحۂ عمل کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جی جان سے اور ہمہ وقت تیار رہتی تھی۔ 1979 کے ایران کے عوامی انقلاب کے بعد دور جدید میں اسلامی بنیادوں پر ایران میں جو جمہوری حکومت قائم ہوئی اور جو انقلاب کے 35 برس بعد بھی مذہبی قیادت کے زیر سایہ اگر پوری قوت و استحکام کے ساتھ قائم ہے تو اس کا اصل کریڈٹ آیت اللہ خمینی کو ہی جاتا ہے۔ اس پر گفتگو ہو سکتی ہے کہ مذہبی قیادت کو سیاسی امور میں مداخلت کرنی چاہیے یا نہیں، یا اگر کرنی چاہیے تو کس حد تک کرنی چاہیے، ایران کے خاص شیعہ تناظر میں خمینی نے انقلاب کے بعد سیاست پر مذہب کی بالادستی کی ایک مثال ضرور قائم کی ہے۔

9.2.1 خاندانی پس منظر اور ابتدائی زندگی

آیت اللہ خمینی کا تعلق موسوی سیدوں کے ایک ایسے خاندان سے تھا جس کا سلسلۂ نسب شیعہ حضرات کے ساتویں امام موسیٰ کاظم کے واسطے سے حضور نبی کریمؐ سے جا ملتا ہے۔ شروع میں یہ خاندان ایران کے مشہور شہر نیشاپور میں آباد تھا۔ بعد ازاں اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں اس خاندان کے لوگ ہجرت کر کے ہندوستان آگئے اور یہاں اودھ کی شیعہ ریاست میں لکھنؤ کے قریب کنتور نامی ایک قصبے میں آباد ہوئے۔ آیت اللہ خمینی کے دادا سید احمد مولوی یہیں کنتور میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے سید احمد مولوی ہندی کہلاتے ہیں۔ 1830 کے قریب سید احمد موسوی زیارت کی غرض سے مزارات کے شہر نجف تشریف لے گئے۔ یہیں پر ان کی ملاقات خمین نامی گاؤں

کے ایک بہت بڑے تاجر اور زمیندار سے ہوئی جو بہت جلد عقیدت اور تعلق میں بدل گئی۔ اس تاجر نے سید احمد موسوی کی خوب خاطر مدارات کی اور انہیں اپنے گاؤں خمین میں آباد ہونے کی دعوت دی۔ سید احمد موسوی نے یہ دعوت قبول کرلی اور خمین جاکر اس گاؤں کے مذہبی رہنما بن گئے۔ یہیں انہوں نے اپنے میزبان کی صاحبزادی سکینہ سے شادی کرلی۔ ان کے چار بیٹوں میں سے ایک نام مصطفیٰ تھا۔ انہوں نے نجف میں اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کی تھی اور خمین واپسی نے بعد ان کا شمار ممتاز علماء میں ہونے لگا تھا۔ سید مصطفیٰ موسوی ہندی کے چھ بیٹوں میں روح اللہ (خمینی) سب سے چھوٹے تھے اور ان کی پیدائش کے سات ماہ بعد ہی مصطفیٰ کو قتل کردیا گیا۔ روح اللہ اپنے خاندان میں پہلے فرد تھے جن کے نام کے ساتھ خمینی (لاحقہ) کی نسبت لگی۔ اس سے پہلے یہ لوگ موسوی ہندی کہلاتے تھے۔

خمینی 24، ستمبر 1902ء کو وسط ایران کے ایک گائوں خمین میں پیدا ہوئے۔ وہ اپنے چھ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ والدین نے ان کا نام روح اللہ رکھا البتہ وہ اپنے وطن خمین کی نسبت سے خمینی کے نام سے زیادہ مشہور ہوئے۔ والد کے انتقال کے بعد ان کی پرورش وپرداخت ان کی والدہ صاحبہ آغا خانم اور پھوپھی صاحبہ نے کی۔ چھ سال کی عمر میں خمینی نے رسمی تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدا قرآن مجید کی تعلیم اور ابتدائی فارسی سے ہوئی۔ اگلے برس انہوں نے ایک سرکاری اسکول- ان دنوں اسکولوں کو مکتب کہا جاتا تھا- میں داخلہ لیا۔ مکتب کی تعلیم کے دوران انہوں نے عربی، فارسی، شاعری اور خوش خطی وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ یہیں پر انہوں نے قرآن مجید کے آخری سپارے زبانی یاد کیے۔ آں حضرتؐ کی حیات اور بارہ شیعہ اماموں کے بارے میں بھی ابتدائی معلومات انہیں یہیں حاصل ہوئی۔ یہیں پر انہوں نے حدیث کی ایک کتاب اور شیعہ تاریخ کا مطالعہ بھی کیا۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ روح اللہ خمینی عربی فارسی شاعری، خطاطی، فلسفے اور مذہبی علوم کے حصول میں آگے بڑھتے رہے۔ فارسی و عربی کے ہزاروں اشعار انہیں زبانی یاد تھے اور وہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ چونکہ روح اللہ خمینی اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کرکے شیعہ مجتہد بننا چاہتے تھے، جو خمین میں رہتے ہوئے ممکن نہیں تھا، شیعوں کے اہم علمی مرکز نجف جانے کے لیے جس علم کی انہیں ضرورت تھی وہ ابھی انہیں حاصل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی ان دنوں عراق کے حالات ایسے تھے کہ وہ نجف جاتے اس لیے انہوں نے خمین سے قریب تر علمی مرکز اصفہان کا رخ کیا۔

اصفہان ان دنوں ایران میں شیعی علوم کا ایک بڑا مرکز تھا، البتہ روح اللہ خمینی نے وہاں پہنچنے کے بعد ایک بڑے شیعہ عالم شیخ عبدالکریم حائری یزدی کی شہرت سنی۔ شیخ عبدالکریم حائری عراق میں سیاسی ہنگاموں کی وجہ سے- جو عراق میں برطانیہ کی مخالفت میں ہو رہے تھے- کربلا چھوڑ کر ایران چلے آئے تھے اور یہاں اصفہان سے قریب سلطان آباد میں ان کا قیام تھا۔ روح اللہ خمینی، جن کی عمر اس وقت 17 برس تھی اور جیسا کہ ذکر ہوا وہ نجف جانے کی زبردست خواہش رکھتے تھے، نجف تو نہ جاسکے البتہ سلطان آباد میں انہیں نجف کے ایک بڑے عالم سے استفادے کا موقع مل گیا۔ اس زمانے میں قُم ایک اہم شیعی علمی مرکز کے طور پر ابھر رہا تھا، ایران میں اس شہر کی اہمیت یوں بھی ہے کہ یہیں پر شیعوں کے آٹھویں امام رضا کی بہن معصومہ کا مزار بھی ہے۔ عثمانی حکومت کے زوال کے بعد عرب کے جو علاقے برطانیہ کے قبضے میں آگئے تھے، ان علاقوں کو چھوڑ کر بہت سے علماء ایران کا رخ کر رہے تھے اور یہاں پر قُم ان کے لیے ایک بہترین جگہ تھی۔ شیخ عبدالکریم حائری یزدی 1921 میں زیارت کی غرض سے قُم گئے اور یہاں پر ان کا زبردست استقبال ہوا۔ علماء کی درخواست پر

انہوں نے اپنا علمی حلقہ قُم منتقل کر لیا اور اس طرح روح اللہ خمینی بھی سلطان آباد سے قُم کے علمی مرکز منتقل ہو گئے۔ یہاں پر انہوں نے مختلف مذہبی علوم کے ماہر اساتذہ سے استفادہ کیا خاص طور پر فقہ اور اصول فقہ کی کتابیں آیت اللہ علی یثربی کاشانی سے پڑھیں اور پھر اس کے بعد شیخ عبد الکریم حائری کے درس میں شامل ہو گئے۔ قُم میں شیخ عبد الکریم حائری کسی مخصوص فن یا کتاب کا درس دینے کے بجائے خارج از درس موضوعات پر لکچر دیا کرتے تھے۔ ان لکچرس سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کے اندر تجسس اور تحقیق کا جذبہ بے دار ہو اور وہ قانونی و فقہی مسائل پر آزادانہ اپنی رائے ظاہر کرنے کے لائق بن جائیں۔ 1930 کے اوائل میں روح اللہ خمینی کو مجتہد کی اعلیٰ سند دے دی گئی۔ قُم کے چار ممتاز ترین اساتذہ نے انہیں روایت حدیث کی سند عطا کی۔ تکمیل تعلیم کے ساتھ ہی روح اللہ خمینی کی تہران کے ایک آیت اللہ کی بیٹی بتول سے شادی ہو گئی۔ ان سے ان کے یہاں دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

حائری اور کاشانی کے علاوہ روح اللہ خمینی اپنے جس استاد سے بہت زیادہ متاثر تھے وہ تھے مرزا محمد علی شاہ آبادی، جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ خمینی نے حکومت کی پالیسیوں پر تنقید اور عوام میں سیاسی شعور بیدار کرنے کا سبق انہیں سے سیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا محمد علی شاہ آبادی توکل کے رائج مفہوم پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ عام لوگوں میں سیاسی شعور بیدار کرنے اور انہیں منظم کرنے کی منصوبہ بندی پر بہت زور دیتے تھے۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ وہ اپنے خیالات و نظریات کو زیادہ سے زیادہ آسان اور سادہ زبان میں پیش کیا کریں تاکہ عام لوگوں کو ان کی باتیں سمجھنے میں پریشانی نہ ہو اور وہ آسانی کے ساتھ ان کے حمایتی اور ہم نوا بن جائیں۔ اس کے لیے وہ اللہ کے رسولؐ کی اس حدیث کا حوالہ بھی دیتے تھے کہ "بات کرتے وقت اپنے مخاطب کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھا کرو"۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کے شاگرد خمینی نے ان کی ان نصیحتوں کو اپنی گرہ میں باندھ لیا اور زندگی بھر ان کے مطابق عمل کرتے رہے۔ مرزا محمد علی شاہ آبادی اپنے شاگردوں کو مسلمانوں کی مشکلات و مسائل دور کرنے پر ہمیشہ آمادہ رہنے کی تلقین کرتے رہتے تھے اور اس کے لیے انہوں نے چار اصول وضع کیے تھے:

1. اپنے مذہبی خیالات اور مفید سرگرمیوں کی تشہیر کے لیے رسالے جاری کیے جائیں۔
2. کفایت شعاری کو مشعل راہ بنایا جائے گا تاکہ زندگی اچھی گزر سکے، عاداتِ بد سے جلد از جلد چھٹکارا مل جائے۔
3. ملکی ضروریات پوری کرنے اور باہر بھیجنے کے لیے مصنوعات تیار کی جائیں۔ اس کام کے لیے اسلامی کمپنیاں قائم کی جائیں۔
4. غیر سودی قرضوں کے اجراء کے لیے فنڈ قائم کیے جائیں۔

9.2.2 عملی زندگی

27 برس کی عمر میں رسمی تعلیم کی تکمیل اور مجتہد کی سند حاصل کرنے کے بعد روح اللہ خمینی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز قسم میں بطور استاد کیا۔ استاد کے طور پر انہوں نے درس و تدریس کا ایک انداز اختیار کیا اور مذہبی حلقوں میں 'بحث برائے بحث' کی جو روایت قائم ہو گئی تھی خمینی نے اس میں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی اس کے برعکس انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ طلبہ کے سامنے کوئی مثبت موضوع پیش کر دیتے، پھر ان کے سامنے اس موضوع پر دوسرے لوگوں کی جو رائیں ہوتیں انہیں پیش کرتے اور آخر میں اپنی رائے ظاہر کرتے اس طرح طلبہ کے سامنے مسئلے سے متعلق تمام پہلو آجاتے اور ان کے لیے اسے سمجھنا آسان ہو جاتا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ قم میں ان کے مداح طلبہ کا ایک حلقہ

قائم ہو گیا۔ رسمی تدریس کے ساتھ ہی خمینی نے 1930 کی دہائی میں اخلاقیات پر عوامی لکچر کا سلسلہ بھی شروع کیا کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ عوام کی اخلاقی حالت بگڑ چکی ہے اور معاشرہ اخلاقی طور پر کھوکھلا ہوتا جارہا ہے۔ عوامی لکچر کے لیے خمینی نے قم کے فیضیہ اسکول کا انتخاب کیا جو بازار میں مزار فاطمہ سے ملحق تھا۔ جمعرات اور جمعے کو ان کے لکچر ہوتے اور لوگ بڑی تعداد میں یہاں تک کہ تہران سے بھی لوگ ان لکچرس کو سننے کے لیے قم پہنچتے تھے۔ البتہ خمینی کی یہ عوامی مقبولیت حکومت کے لیے قابل قبول نہیں تھی اس لیے حکومت نے دباؤ ڈال کر ان کے لکچرس کی جگہ ایک غیر معروف علاقے میں تبدیل کر دی۔ 1941 میں اتحادیوں کے ایران پر قبضے کے بعد انہوں نے پھر سے فیضیہ اسکول میں لکچرس دینے شروع کر دیے۔

خمینی نے 1930 کی دہائی میں حکومت کے دباؤ کا تو مقابلہ کر لیا البتہ 1940 کی دہائی میں ان کی مخالفت معاصر علماء نے شروع کر دی کیونکہ وہ اپنے سامعین کو جہنم سے ڈرانے اور جنت کی خوش خبری سنانے کے بجائے لوگوں کو حق و باطل کا فرق، مذہبی شعور، ضبط نفس اور مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب بتاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خمینی کو عوامی لکچرس کا سلسلہ بند کر دینا پڑا جو تین سال تک جاری رہا۔ اس دوران خمینی نے خود کو صرف فقہ کی تدریس تک محدود رکھا اور اپنے گھر پر مخصوص شاگردوں کے سامنے ہی سیاسی خیالات کا اظہار کرتے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد انہوں نے ایک بار پھر اپنے خیالات دینی اور عوامی دونوں طرح کے لکچرس میں ظاہر کرنے شروع کیے، ان لکچرس میں انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ سیاست بھی اسلام کا حصہ اسی طرح ہے جس طرح فلسفہ، تصوف اور فقہ وغیرہ علوم۔ اس دوران ایران کی سیاست پر ڈاکٹر مصدق چھائے ہوئے تھے البتہ خمینی ان پر یہ تنقید کرتے تھے کہ ان کی غلطی یہ ہے کہ وہ طاقت ور ہونے کے باوجود کمزور بادشاہ سے قوم کو نجات نہیں دلا سکے۔

1960 کی دہائی کے آغاز میں خمینی کی قائدانہ صلاحیتیں ابھر کر سامنے آنے لگیں جب کہ اس سے پہلے ہی وہ بطور مذہبی رہنما اور کامیاب معلم اپنی صلاحیتوں کو منوا چکے تھے۔ قم کے طلبہ اور اساتذہ سبھی کے لیے ان کی شخصیت میں بہت زیادہ کشش تھی۔ تقریباً تین دہائیوں کی تدریسی محنت اب رنگ لا چکی تھی۔ ان کے دو سو سے زائد شاگرد نہ صرف ایران بھر میں بلکہ بیرون ملک بھی مختلف شیعہ مراکز میں پھیلے ہوئے تھے جو نمازوں کی امامت کراتے، قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم دیتے، تبلیغی فرائض انجام دیتے اور مختلف مذہبی و دیگر تقریبات میں ایک باا‌ثر اور عظیم آیت اللہ کی نمائندگی کرتے تھے۔ صرف طلبہ ہی نہیں ایران کے مذہبی رہنما بھی اب انہیں مستقبل کے عظیم مذہبی لیڈر کے طور پر پیش کرنے لگے تھے۔ یہ حالات تھے جس میں خمینی نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ اس طرح کا پہلا موقع اکتوبر 1962 میں سامنے آیا جب حکومت نے بعض اصلاحات نافذ کرنا چاہئیں، خمینی نے ان اصلاحات کو مذہب دشمن قرار دیا البتہ تنہا سامنے آنے کے بجائے انہوں نے قم کے ممتاز علماء کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ جنوری 1963 میں شاہ ایران نے ایک چھ نکاتی اصلاحات بل نافذ کرنے کا فیصلہ کیا جس میں اراضی کے قوانین، انتخابی قوانین اور خواتین سے متعلق قوانین شامل تھے۔ قم میں اس کی زبردست مخالفت ہوئی، شدید ہنگامے اور خوں ریز تصادم بھی ہوئے اور اس کے نتیجے میں خمینی کو گرفتار کر کے تہران بھیج دیا گیا۔ البتہ ایک سال بعد جب وہ قم واپس لوٹے تو محض ایک آیت اللہ نہ تھے بلکہ اب ان کے ہاتھ میں علماء کی سیاسی قیادت آچکی تھی۔ بعد ازاں جب ایرانی پارلیمنٹ نے امریکی فوج کو ملک

میں قیام کے خصوصی حقوق دیے تو اس کی بھی خمینی نے کھل کر مخالفت کی، حکومت نے انہیں دوبارہ گرفتار کر کے تہران پہنچا دیا اور پھر انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ پہلے وہ ترکی گئے اور پھر عراق میں نجف میں قیام کیا۔ خمینی یہاں بھی خاموش نہیں بیٹھے، نجف کے علما کو حرکت میں لائے اور بیرون ملک ایرانی طلبہ تنظیموں سے روابط قائم کیے۔ نجف میں رہتے ہوئے خمینی نے 21ء جنوری 1970 سے 8ء فروری 1970 تک اسلامی حکومت کے نام سے ایک سلسلۂ خطبات شروع کیا (بعد ازاں ان خطبات کو اسلامی حکومت کے نام سے کتابی شکل میں بھی شائع کیا اور اسے خمینی کی سب سے اہم کتاب باور کیا جاتا ہے) ان خطبات میں خمینی نے مسلم دنیا کی بے چارگی و بے بسی، اغیار کی چالوں اور مسلمان حکومتوں کی کارکردگی پر روشنی ڈالی، خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف یہودیوں، عیسائیوں، استعمار اور نوآبادیائی طاقتوں کی سازشوں اور عزائم کو اجاگر کیا اور ساتھ ہی مسلم حکمرانوں میں جو ان طاقتوں کے آلہ کار اور خوش آمدی بنے ہوئے تھے ان کی بھی زوردار انداز میں مذمت کی۔ خمینی نے ان خطبات میں علما کے کردار پر بھی سوال اٹھائے جو اس وقت چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل میں الجھے ہوئے تھے، انہوں نے علما کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ وہ اپنی اصل ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اسلامی قوانین اور نظام کو اپنی بات چیت کا موضوع بنائیں۔ طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے خمینی نے انہیں ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور علما سے کہا کہ وہ حکومت کے مختلف شعبوں، انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ سے متعلق ذمہ داریاں سنبھالنے کی تیاری کریں۔ ان کاموں کی عملی تربیت کے لیے انہوں نے ایک لائحہ عمل بھی مرتب کیا اور اس کے مطابق مدرسوں اور دینی مراکز میں کام بھی شروع ہوا۔ خمینی کے یہ خطبات اور دیگر خطبات بھی کتابچوں اور آڈیو کیسٹوں کی شکل میں ایران بھر میں پہنچتے تھے اور انہیں دلچسپی کے ساتھ پڑھا اور سنا جاتا تھا۔ ان چیزوں نے خمینی کی عوامی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ اسی دوران 1971 میں ایران میں بادشاہت کا ڈھائی ہزار سالہ جشن منانے کا حکومت کا فیصلہ ایک ایسا کام تھا جس نے شاہ کے خلاف عوامی جذبات کو بھڑکانے میں جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اسی دوران 1978 کے اوائل میں ایران کے روزنامہ ”اطلاعات“ میں خمینی کے بارے میں ایک توہین آمیز بیان شائع ہوگیا، اس کے خلاف ایران بھر میں سڑکوں، بازاروں اور گلیوں میں مظاہرے شروع ہوگئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ پر تشدد تصادم میں تبدیل ہوگئے۔ اس موقع پر خمینی نے فرانس کے اخبار ’لی ماندے‘ کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اپنے اس اعلان سے سب کو حیران کر دیا کہ اب پہلوی خاندان کو اکھاڑ پھینکنے کا وقت آگیا ہے اور اب مثالی اسلامی حکومت کا قیام ناگزیر ہو چکا ہے۔ اس وقت تک حالات یہ ہوگئے تھے کہ خمینی اپوزیشن کے غیر متنازعہ رہنما بن چکے تھے۔ انہوں نے ایرانی فوج سے براہ راست خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسے شاہ کے خلاف عوامی تحریک میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اس دوران انہوں نے خود کو ایک ترقی پسند اسلامی مذہبی رہنما کے طور پر بھی پیش کرنے کی کوشش کی چنانچہ پیرس کی ایک تقریر میں انہوں نے اپنا یہ تاریخی بیان بھی دیا کہ ”اسلام میں عورتیں بھی صدر مملکت بن سکتی ہے“ اور یہ کہہ کر اپنے بہت سے ناقدین کو خاموش کر دیا کہ اسلامی سزاؤں کا اس وقت تک نفاذ نہیں ہوگا جب تک اسلام کے مکمل معاشرتی عدل کے لیے کافی تیاریاں نہ کرلی جائیں۔ اسی دوران 10-11 دسمبر 1978 (9-10 محرم) کو ایران کے دارالحکومت تہران میں شاہ مخالف زبردست عوامی مظاہرے ہوئے اور خمینی کی واپسی کا زبردست مطالبہ کیا گیا۔ 16ء جنوری 1979 کو شاہ اپنا بوریا بستر سمیٹ کر ایران چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے دو ہفتوں بعد خمینی پیرس سے تہران پہنچے۔ یہاں ان کی حیثیت ایک فاتح قائد انقلاب کی تھی۔

انقلاب کے بعد خمینی نے ایران کو ایک اسلامی جمہوریہ، جس کی وہ اب تک زبانی تبلیغ کر رہے تھے، بنانے کا کام شروع کیا۔ مخصوص شیعہ پس منظر میں اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ خمینی کی نظریاتی ریاست سے اختلاف کیا جائے تاہم اس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو سکے کہ شیعہ دینیات کے حوالے سے خمینی نے انقلاب کے بعد ایران میں ایک ایسی جمہوری عوامی حکومت کی داغ بیل ڈالی جس میں اقتدار کی اصل کنجیاں مذہبی قیادت کے پاس ہوئی ہیں، جس کے بارے میں باور کیا جاتا ہے کہ وہ خدا، رسول اور اماموں کے اصولوں کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گی۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ خمینی نے بہ حیثیت سیاست داں اور مدبر و منتظم اس بات کی پوری کوشش کی کہ ایران کی مذہبی مقتدرہ، سیاست داں، منتظم اور عدلیہ کے ارکان شریعت کی مقرر کردہ حدود اور سیاسی مصلحتوں کے تابع رہیں۔ وہ حالات کے دباؤ کو سہہ سکیں اور بوقت ضرورت نازک امور پر اہم فیصلے بھی لے سکیں۔ خمینی اپنی وفات (3، جون 1989) تک اس بات کے لیے پورے طور پر کوشاں رہے کہ ایران کی اسلامی حکومت کی بقا اور تسلسل کا انتظام کر جائیں۔ انہوں نے مثالیت پسند بننے سے زیادہ عملیت پسندی (Pragmatism) کا مظاہرہ کیا۔ ان کی کوشش رہی کہ ملک میں اندر سے اور بتدریج تبدیلیاں لائیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعض ان چیزوں کو بھی مباح قرار دیا جنہیں ماضی میں حرام اور ممنوع خیال کیا جاتا تھا مثال کے طور پر مانع حمل دواؤں کا استعمال، شطرنج کھیلنا، آلات موسیقی کی خرید و فروخت اور ملکیت زمین میں تبدیلی کے بعض قواعد وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ ایران میں خمینی ایک ایسی اسلامی حکومت کے لیے کوشاں رہے جو مذہب کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے خود کو جدید تقاضوں اور حالات سے ہم آہنگ کر سکے۔ ظاہر سی بات ہے یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ان کے پیروکار آج بھی اس حوالے سے دو گروپوں میں تقسیم ہیں۔ ایک گروپ کا کہنا ہے کہ مذہبی رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ سیاست کو سیاست دانوں کے لیے چھوڑ دیں، انہیں خود کو صرف مذہبی امور تک محدود رکھنا چاہیے جب کہ دوسرا گروپ اس کا قائل ہے کہ ملکی معاملات کو صرف سیاست دانوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا بلکہ ملکی معاملات میں بھی مذہبی طبقے کی براہ راست مداخلت کا راستہ کھلا رہنا چاہیے۔ ایران کی موجودہ قیادت کے لیے یہ ایک بڑا چیلنج ہے خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی اور آنے والے دنوں میں بھی اس چیلنج کے باقی رہنے کی امید ہے۔

9.3 ڈاکٹر محمد حمید اللہ

بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کی مسلم دانشوری کے افق پر جو چند نام بہت ہی نمایاں طور پر چھائے رہے ان میں ایک اہم نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ہے۔ ایک ایسے زمانے میں جب مسلم دانشوری کو اندرونی اور بیرونی سطح پر مختلف طرح کے چیلنجز کا سامنا تھا ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مغرب کے قلب میں بیٹھ کر مغربی معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق، تصنیف اور ترجمے کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ہمیشہ ان کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ دنیا کی 22 زبانیں جاننے والا ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اردو، عربی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی، جرمن، ترکی (قدیم و جدید دونوں)، اطالوی اور روسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے دنیا کی سات زبانوں میں تحریری و تحقیقی کام کیا۔ اردو ان کی مادری زبان تھی، اس کے علاوہ انہوں نے عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں بھی مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔ زبانوں سے ان کی دلچسپی کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے 85 سال کی عمر میں تھائی زبان سیکھی اور جب تک ان کے قویٰ نے ساتھ دیا وہ

لکھنے پڑھنے کا کام مسلسل کرتے رہے۔ علم سے ان کی یہ دلچسپی اور لگاؤ ہی تھا کہ انہوں نے علائق دنیا سے بڑی حد تک خود کو آزاد رکھا۔ چند ضروری لوازمات کے علاوہ پیرس کے ان کے فلیٹ میں کتابیں ہی کتابیں تھیں اور حقیقی معنوں میں انہوں نے پوری زندگی کتابوں کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔

9.3.1 پس منظر اور ابتدائی زندگی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق حیدرآباد کے ایک شریف، صاحب حیثیت اور علم دوست خاندان سے تھا۔ ان کے آباء و اجداد کئی صدیوں پہلے عرب سے آکر ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔ مشہور صوفی اسکالر علاؤالدین علی ابن احمد مہائمی (جو ممبئی میں مدفون ہیں)، دکن کے معروف صوفی حبیب اللہ بیجاپوری اور بہمنی سلطنت کے نامور وزیر محمود گاواں کے قائم کردہ مشہور مدرسے کے آخری پرنسپل محمد حسین شاہد کا شمار ان کے اجداد میں ہوتا ہے۔ ان کے پردادا محمد غوث شرف الملک اسلامی و عربی علوم کے ماہر اور اردو، عربی، فارسی میں تیس سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کے نانا قاضی محمد صبغت اللہ بھی ایک بڑے اسکالر اور فقیہ تھے اور مدراس کی ریاست میں چیف جسٹس کے عہدے پر مامور تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے والد مفتی ابو محمد خلیل بھی نامور عالم اور ادیب تھے اور ریاست حیدرآباد کے محکمہ مالیات میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

اس طرح کے سرسبز و شاداب خاندانی پس منظر میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ 9ء فروری یا بعض حوالوں کے مطابق 19 فروری 1908 کو ریاست حیدرآباد (مملکت آصفیہ) کے دارالحکومت حیدرآباد، دکن میں پیدا ہوئے۔ مظہر ممتاز قریشی کے نام ایک خط میں ڈاکٹر حمید اللہ نے ہجری کیلنڈر کے مطابق اپنی تاریخ پیدائش 16 محرم الحرام 1326 ہجری لکھی ہے۔ ان کے والد کا نام جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ابو محمد خلیل اللہ تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنے آٹھ بھائی بہنوں (پانچ بہنیں اور تین بھائی) میں سب سے چھوٹے تھے، جو سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس کی فضائیں روحانیت اور تصوف سے معطر تھیں۔ اس خاندان میں جدید علوم کی تعلیم کو اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا اس لیے ان کی تعلیم کا آغاز روایتی انداز میں گھر سے ہوا، جہاں انہوں نے بعض ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا داخلہ حیدرآباد کے مشہور مدرسے جامعہ نظامیہ میں کرا دیا گیا۔ یہاں سے انہوں نے 1924 میں مولوی کامل کا درجہ پاس کیا اور اس طرح روایتی تعلیم کی تکمیل کی۔ اس زمانے تک جدید علوم کا چرچا عام ہو چکا تھا، اس کی اہمیت نوجوان حمید اللہ پر بھی واضح تھی البتہ گھریلو ماحول اور خاندانی روایات اس راہ میں حائل تھیں۔ چنانچہ انہوں نے گھر والوں کو بتائے بغیر میٹرک کے امتحان کی تیاری شروع کر دی۔ انہوں نے میٹرک کا امتحان دیا اور اس میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے۔ راز چھپا نہیں، مقامی اخبارات نے ان کی کامیابی کو نمایاں کر کے شائع کیا اور بات ان کے والد تک پہنچ گئی۔ خاندانی روایت کو توڑنے پر ان کے والد نے ان کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی بلکہ نمایاں کامیابی حاصل کرنے پر انہوں نے بیٹے کی مزید حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح نوجوان حمید اللہ پر روایتی تعلیم کے بعد جدید تعلیم کے دروازے بھی کھل گئے۔

1924 میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حیدرآباد کے مشہور تعلیمی ادارے جامعہ عثمانیہ (عثمانیہ یونیورسٹی) میں داخلہ لیا۔ یہاں سے انہوں

نے اسلامیات میں ایم اے کرنے کے علاوہ بی اے اور قانون میں ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور ہر امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ان نمایاں کامیابیوں پر جامعہ عثمانیہ نے انہیں بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے اور بین الاقوامی اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کے لیے وظیفے (اسکالرشپ) سے نوازا۔ انہوں نے اپنے تحقیقی مقالے کی تیاری کے لیے متعدد مسلم اور یورپی ملکوں کا سفر کیا اور 1932 میں جرمنی کی بون یونیورسٹی سے ڈی فل (ڈاکٹر آف فلاسفی) کی ڈگری حاصل کی۔ بون یونیورسٹی نے ان کی صلاحیت اور مختلف مشرقی زبانوں میں ان کی مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں اپنے یہاں اردو اور عربی کا لکچرر (استاذ) مقرر کر لیا۔ کچھ عرصہ جرمنی میں گزارنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی مزید علمی پیاس کو بجھانے کی غرض سے پیرس (فرانس کا دارالحکومت) منتقل ہو گئے۔ پیرس میں انہوں نے سوربون یونیورسٹی میں داخلہ لیا اور صرف گیارہ مہینے کے مختصر عرصے میں سوربون یونیورسٹی نے انہیں ڈی لٹ (ڈاکٹر آف لٹریچر) کی ڈگری عطا کی۔ یورپ میں قیام کے دوران ہی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو ترکی کے دارالحکومت استنبول جانے کا موقع بھی ملے۔ یہاں پر انہیں عربی، فارسی اور ترکی زبانوں کے بہت سارے مخطوطات دیکھنے کو ملے اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

9.3.2 عملی زندگی

1935 میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیرون ملک اعلیٰ تعلیم سے فارغ ہو کر وطن واپس لوٹے۔ وطن واپسی کے فوراً بعد ہی انہیں اسلامی فقہ اور بین الاقوامی اسلامی قانون کا جامعہ عثمانیہ میں پروفیسر بنا دیا گیا۔ جامعہ عثمانیہ سے ان کی وابستگی 1948 تک رہی۔ بعد ازاں 1948 میں جب ریاست حیدرآباد ہندیونین میں انضمام عمل میں آیا تو ڈاکٹر محمد حمید اللہ پیرس منتقل ہو گئے۔ پیرس منتقلی کے بعد انہوں نے یورپ اور دنیا کی دیگر مختلف یونیورسٹیوں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے، پیرس میں وہ نیشنل سائنٹفک ریسرچ سینٹر سے 1954 میں وابستہ ہوئے اور 1978 تک یہاں خدمات انجام دیں۔ اس دوران انہوں نے دنیا بھر میں مختلف کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی اور یونیورسٹیوں میں لکچر دیے۔

9.3.3 تصنیفات

تدریس کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا اصل میدان عمل تحقیق و تصنیف ہے۔ ان کی علمی تحقیقات اور تصنیفی خدمات کا دائرہ سات دہائیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس دوران انہوں نے دنیا کی سات بڑی زبانوں میں ایک ہزار سے زائد مقالات و مضامین لکھے جو سب کے سب علمی نوعیت کے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی تصنیفات کی تعداد بھی دو درجن سے زیادہ ہے جو بیشتر اردو، انگریزی، فرانسیسی اور عربی میں ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہوا ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے تمام ہی کام علمی نوعیت کے ہیں اور ان میں سے سبھی کا تعلق کسی نہ کسی طور علوم اسلامی سے ہے، ان تمام کا احاطہ اور تعارف مختصر صفحات میں ممکن نہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے:

1. قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ اور تفسیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں نہ صرف ترجمہ کیا بلکہ اس کی تفسیر بھی لکھی۔ اب تک اس ترجمہ و تفسیر کے تیس سے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں، آخری ایڈیشن جو شائع ہوا اس کی 20 لاکھ کاپیاں چھاپی گئیں۔ پہلی مرتبہ یہ ترجمہ قرآن 1959 میں پیرس سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ترجمہ

قرآن مجید کسی بھی یورپی زبان میں قرآن مجید کا سب سے زیادہ چھپنے والا ترجمہ ہے۔ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی کے علاوہ انگریزی اور جرمن زبانوں میں بھی قرآن مجید کے ترجمے کیے۔ ان کے انگریزی ترجمہ قرآن کے بعض اجزاء1960 میں جنوبی افریقہ سے شائع ہوئے تھے جب کہ جرمن زبان میں ان کا ترجمہ قرآن مجید ہنوز طباعت کا منتظر ہے۔ قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی دلچسپی کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک پوری کتاب قرآن مجید کے ترجموں کے حوالے سے "The Quran in Every Language" کے نام سے ترتیب دی ہے جس میں دنیا کی 125 زبانوں میں قرآن مجید کے ترجموں کا ذکر ہے اور ہر زبان میں قرآن کی پہلی سورہ (سورۂ فاتحہ) کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب 1939 میں شائع ہوئی تھی۔

2. خطبات بہاول پور: اسلامیات یا اسلامک اسٹڈیز کا کوئی بھی طالب علم اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، ان کے لیے اس کتاب کا مطالعہ فرض کا درجہ رکھتا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بنیادی طور پر یہ کتاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ان خطبات پر مشتمل ہے جو انہوں نے 1980 میں 8، مارچ سے لے کر 20، مارچ کے دوران بہاول پور کی اسلامک یونیورسٹی میں دیے تھے۔ مختلف عنوانات کے تحت دیے جانے والے ان خطبات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلام کی ابتدائی تاریخ، قرآن، حدیث اور فقہ کی تدوین و تاریخ، بین المالک اسلامی قانون اور غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات جیسے اہم موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ خطبات اردو زبان میں دیے گئے تھے اور ان کی اشاعت بھی اردو زبان میں ہوئی۔ بعد میں ان کا انگریزی ترجمہ "Emergence of Islam" کے نام سے شائع ہوا۔ خطبات کی تفصیل اس طرح ہے:

1.	پہلا خطبہ	:	تاریخ قرآن
2.	دوسرا خطبہ	:	تاریخ حدیث
3.	تیسرا خطبہ	:	تاریخ فقہ
4.	چوتھا خطبہ	:	تاریخ اصول فقہ و اجتہاد
5.	پانچواں خطبہ	:	اسلامی قانون بین الممالک
6.	چھٹا خطبہ	:	دین (عقائد، عبادات، تصوف)
7.	ساتواں خطبہ	:	عہد نبوی میں مملکت اور نظم و نسق
8.	آٹھواں خطبہ	:	عہد نبوی میں نظام دفاع اور غزوات
9.	نواں خطبہ	:	عہد نبوی میں نظام تعلیم
10.	دسواں خطبہ	:	عہد نبوی میں نظام تشریع و عدلیہ
11.	گیارہواں خطبہ	:	عہد نبوی میں نظام مالیہ و تقویم
12.	بارہواں خطبہ	:	عہد نبوی میں تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ

3. تعارف اسلام: اس کتاب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سادہ اسلوب اور عام فہم انداز میں اسلام اور اس کی بنیادی تعلیمات کا تعارف پیش کیا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے۔ کتاب کا دنیا کی 22 زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے جس سے اس کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

4. صحیفہ ہمام بن منبہ: تاریخ حدیث کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا کام سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ وہ کتاب ہے جسے حدیث کے مشہور راوی اور صحابیِ رسول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو پڑھانے کے لیے تیار کیا تھا۔ حضرت ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہ کے شاگرد ہیں اور انہوں نے اس صحیفے میں مندرج احادیث کی روایت حضرت ابوہریرہ سے کی ہے۔ انہوں نے اس صحیفے میں مندرج احادیث (جن کی تعداد 138 ہے) کو لکھ کر اپنے استاد حضرت ابوہریرہ کے سامنے پیش کیا تھا اور ان سے اس کی تصحیح و تصویب کرائی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی وفات 58 ہجری میں ہوئی ہے گویا یہ صحیفہ بہر حال 58 ہجری سے پہلے کا ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا جیسا کہ بعض مستشرقین پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کا ایک قلمی نسخہ 1933 میں برلن کی کسی لائبریری سے حاصل کیا اور پھر ان دونوں مخطوطوں کی تحقیق کے بعد 1955 میں اسے حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ یہ پورا صحیفہ حدیث کی مشہور کتاب مسند احمد بن حنبل میں بھی نقل ہوا ہے اور چند لفظی اختلافات کے علاوہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زبانی روایت کا سلسلہ پورے طور پر قابل اعتماد ہے۔ واضح رہے کہ امام احمد بن حنبل کا سن وفات 240 ہجری ہے اور اس طرح دونوں کے درمیان 200 برس کا وقفہ ہے۔

ان کے علاوہ اردو زبان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مشہور کتابوں میں "عہد نبوی میں نظام حکمرانی" "عہد نبوی کے میدان جنگ"، سیاسی وثیقہ جات"، "امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی" اور اسلامی قانون کا ارتقاء" اہمیت کی حامل ہیں۔

بلاشبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک نادرہ روزگار شخصیت تھے۔ انہوں نے دنیوی نام و نمود اور شہرت سے خود کو الگ رکھتے ہوئے خاموشی کے ساتھ یورپ کے ایک گوشے میں بیٹھ کر اسلام اور اسلامی دانشوری کی ایسی خدمت کی اور اتنا بڑا کام کیا کہ اس کے لیے بڑی بڑی اکادمیوں کی ضرورت ہوتی ہے تقریباً 50 برس تک ان کا قیام پیرس کی ایک عمارت کی چوتھی منزل پر واقع ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہا، جس میں لفٹ کا انتظام بھی نہیں تھا اور اس کے لیے انہیں 180 سیڑھیاں چڑھنی پڑتی تھیں۔ ان کا نام اسلامی دنیا کے سب سے زیادہ مؤقر انعام "شاہ فیصل ایوارڈ" کے لیے پیش کیا گیا لیکن انہوں نے اسے لینے سے منع کر دیا۔ اسی طرح 1987 میں حکومت پاکستان نے اعلیٰ ترین شہری اعزاز "ہلال امتیاز" سے انہیں سرفراز کیا لیکن انہوں نے اعزاز کے ساتھ ملنے والی 25000 امریکی ڈالر کی رقم ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کو عطیہ کر دی، 1996 میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ شدید بیمار پڑ گئے اور انہیں اسپتال میں داخل کیا گیا۔ وہاں سے امریکہ میں مقیم ان کے اعزہ انہیں امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر جیکسن ول لے گئے تاکہ ان کی اچھی خدمت اور دیکھ بھال ہو سکے۔ یہیں پر 17 دسمبر 2002 کو ان کا انتقال ہوا۔

9.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بیسویں صدی عیسوی کا آغاز مسلم دنیا میں بیداری کی ایک نئی صبح کا پیغام لے کر آیا۔ یہ بیداری سیاسی بھی تھی اور اصلاحات و اجتہاد کے حوالے سے مذہبی بھی تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں جمال الدین افغانی کی اتحاد اسلامی کی کوششوں میں مذہب و سیاست کی یکجائی کے جو ابتدائی نقوش ملتے ہیں، بیسویں صدی کی مسلم مذہبی قیادت نے اسے فکری اور نظری اعتبار سے کافی استحکام عطا کر دیا، البتہ ایرانی مذہبی رہنما آیت اللہ روح اللہ خمینی عالم اسلام کی مذہبی قیادت میں شاید پہلی ایسی شخصیت تھے جنہوں نے جدید دنیا میں مذہب و سیاست کی یکجائی اور اس کی بنیاد پر اسلامی حکومت کے قیام کی نظری طور پر دعوت دی بلکہ اسلامی حکومت کے اپنے نظریے کو عملی جامہ بھی پہنایا۔
- بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کی مسلم دانشوری کے افق پر جو چند نام بہت ہی نمایاں طور پر چھائے رہے ان میں ایک اہم نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ہے۔ ایک ایسے زمانے میں جب مسلم دانشوری کو اندرونی اور بیرونی سطح پر مختلف طرح کے چیلنجز کا سامنا تھا ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مغرب کے قلب میں بیٹھ کر مغربی معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیق، تصنیف اور ترجمے کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ ہمیشہ ان کا نام سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ دنیا کی 22 زبانیں جاننے والا ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اردو، عربی، فارسی، فرانسیسی، انگریزی، جرمن، ترکی (قدیم و جدید دونوں)، اطالوی اور روسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ انہوں نے دنیا کی سات زبانوں میں تحریری و تحقیقی کام کیا۔ اردو ان کی مادری زبان تھی، اس کے علاوہ انہوں نے عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں بھی مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔

9.5 نمونہ امتحانی سوالات

9.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. آیت اللہ خمینی کا سلسلہ نسب کس سے جا کر ملتا ہے؟

(a). امام موسیٰ کاظم   (b). علی شریعتی   (c). اسماعیل صفوی   (d). عبد القادر جیلانی

2. ایران میں بادشاہت کا ڈھائی ہزار سالہ جشن منانے کا فیصلہ کب کیا گیا؟

(a). 1971ء   (b). 1902ء   (c). 1960ء   (d). 1857ء

3. آیت اللہ خمینی کب پیدا ہوئے؟

(a). 1902ء   (b). 1910ء   (c). 1920ء   (d). 1979ء

4. آٹھویں امام رضا کی بہن معصومہ کا مزار کس شہر میں ہے۔

(a). اصفہان (b). قم (c). شیراز (d). بغداد

5. آیت اللہ خمینی کے وقت ایران میں کون سی حکومت تھی؟

(a). پہلوی (b). صفوی (c). قاچاری (d). سلجوقی

6. ایران میں عوامی انقلاب کب آیا۔

(a). 1979ء (b). 1501ء (c). 1879ء (d). 1925ء

7. ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تعلق کس شہر سے تھا۔

(a). حیدرآباد (b). کلکتہ (c). لکھنو (d). دہلی

8. ”خطبات بہاول پور“ کس کی تقریروں کا مجموعہ ہے۔

(a). ڈاکٹر حمید اللہ (b). سلیمان ندوی (c). علی شریعتی (d). آیت اللہ خمینی

9. ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو کتنی زبانوں پر عبور حاصل تھا؟

(a). 22 (b). 05 (c). 15 (d). 02

10. ”عہد نبوی کے میدان جنگ“ کس کی تصنیف ہے؟

(a). ڈاکٹر حمید اللہ (b). ماہر القادری (c). شبلی نعمانی (d). سلیمان ندوی

9.5.2 مختصر جوابی سوالات

1. آیت اللہ خمینی کی ابتدائی زندگی پر نوٹ لکھیے۔
2. ڈاکٹر حمید اللہ کی تصنیفات کا جائزہ لیجیے۔
3. ڈاکٹر حمید اللہ کے خاندانی پس منظر پر گفتگو کیجیے۔
4. ڈاکٹر حمید اللہ کی عملی زندگی پر مختصر مضمون لکھیے۔
5. خطبات بہاول پور پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

9.5.3 طویل جوابی سوالات

1. آیت اللہ خمینی کی عملی زندگی کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
2. ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ابتدائی زندگی جامع مضمون لکھیے۔
3. آیت اللہ خمینی کے خاندانی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔

9.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ فکر اسلامی	:	محمد اجتباء ندوی
2. نئی عرب دنیا	:	یونس بلگرامی
3. ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (سوم و چہارم)	:	ثروت صولت
4. امام خمینی: شخصیت اور نصب العین	:	موسیٰ خان جلال زئی

اکائی 10: مغرب میں مسلم ادارے: نیشن آف اسلام، IIIT، ICNA

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 نیشن آف اسلام

10.2.1 نیشن آف اسلام کے عقائد

10.3 انٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT) (بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی)

10.3.1 پس منظر اور قیام

10.3.2 IIIT کے اغراض و مقاصد

10.4 اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA)

10.5 اکتسابی نتائج

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

10.6.2 مختصر جوابی سوالات

10.6.3 طویل جوابی سوالات

10.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

بیسویں صدی عیسوی کے دوران دنیا کے دیگر علاقوں کی طرح امریکہ اور یورپ میں مقیم مسلمانوں کے درمیان بھی بے داری کی لہر پیدا ہوئی اور انہوں نے بھی خود کو مختلف سطحوں پر منظم کرنا شروع کیا۔ اس طرح کی پہلی تنظیم "نیشن آف اسلام" ہے جو 1930ء میں

امریکہ میں قائم ہوئی اور امریکہ کے کالے مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے، بقیہ تنظیموں اور اداروں کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن کے قائم کرنے والے یا جن کے وابستگان وہ لوگ ہیں جو دنیا کے دیگر ملکوں سے جاکر یورپ و امریکہ میں آباد ہوئے ہیں اور انہوں نے اپنی ضروریات کے مطابق تنظیمیں اور ادارے قائم کیے۔ البتہ اب ان کی خاص بات یہ ہے کہ یہ صرف نقل مکانی کرنے والے مسلمانوں کی نمائندہ نہیں رہیں بلکہ ان سے یورپی مسلمان (جو نو مسلم ہیں) بھی وابستہ ہو رہے ہیں۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد آپ کو ان تنظیموں اور اداروں سے متعارف کرانا ہے جو مسلم اقلیتی ممالک خاص طور پر یورپ اور امریکہ میں قائم ہیں۔ ان میں چار یعنی نیشن آف اسلام، IIIT، ICNA اور ISNA کا تعلق امریکہ سے ہے اور یہ چاروں وہاں کے مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے حوالے سے ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ بنیادی طور پر امریکہ میں موجود مسلمانوں کے تقریباً سبھی طبقات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہ توقع کی جانی چاہیے کہ ان تنظیموں اور اداروں کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ امریکہ میں مسلمانوں کے حالات اور مسائل کو سمجھنے کے کسی قدر اہل ہو سکیں گے۔

10.2 نیشن آف اسلام

یوں تو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی آغاز میں ہی امریکہ میں غلامی کو غیر قانونی قرار دیا جاچکا تھا اور ایک طرح سے امریکی سماج سے غلامی کا خاتمہ ہو چکا تھا لیکن فی الحقیقت یہ سب صرف کاغذی کاروائیاں تھیں، امریکہ میں جو طبقہ عرصہ دراز سے غلام چلا آرہا تھا غلامی کے خاتمے کے اعلان کے بعد بھی اس کے حالات میں کچھ بہت زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ یہ اعلان نہ تو انہیں سماج کا معزز شہری بنا سکا نہ ہی انہیں ان کی قومی شناخت لوٹا سکا۔ اس کے بعد بھی وہ سماج کا اچھوت حصہ ہی بنے رہے اور انہیں نفرت و حقارت کی نگاہ سے ہی دیکھا جاتا رہا۔ سیاہ فاموں کا معاشی اور سماجی استحصال برابر جاری رہا۔ ان کے حالات کی اصلاح کی خاطر خواہ کوشش نہیں کی گئی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف تو سیاہ فاموں کے اندر مزاحمت پیدا ہوئی لیکن دوسری طرف ان کی معاشی اور سماجی حالت مزید دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ سماجی و معاشی سطح پر عزت واحترام حاصل نہ کر پانے کی وجہ سے ان کے اندر وہ تمام برائیاں اور خرابیاں جڑ پکڑتی چلی گئیں جو کسی بھی بگڑے ہوئے سماج کا حصہ ہوا کرتی ہیں مثلاً چوری، ڈکیتی، نشہ، قمار بازی اور قحبہ گری وغیرہ غرض ہر طرح کی برائیاں ان کے سماج میں داخل ہو گئیں۔

امریکہ میں سیاہ فاموں کے حالات کو بدلنے، ان کی سماجی اصلاح اور انہیں باعزت مقام دلانے کے لیے جو کوششیں ہوئیں اور جو تحریکات چلیں ان میں ایک اہم نام "نیشن آف اسلام" (Nation of Islam) کا ہے۔ یہ تنظیم بنیادی طور پر سیاہ فاموں کو امریکی سفید فاموں کے مقابلے اٹھ کھڑا ہونے اور اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے مقصد سے قائم کی گئی۔ اس نے امریکہ میں سیاہ فاموں کے لیے اسلام کی ایک ایسی تشریح پیش کی جو انہیں نہ صرف یہ کہ عیسائی سفید فاموں سے علیحدہ شناخت عطا کرتی بلکہ ان سے برتر بھی ثابت کرتی ہے۔ نیشن آف اسلام کا آغاز بیسویں صدی کے آغاز میں ہوا۔ جب والس فارڈ (فرض) محمد نام کے ایک امریکی سیاہ فام رہنما نے سیاہ فام

امریکیوں کی روحانی، سماجی اور اقتصادی ترقی کے لیے مہم چلائی۔ والس فرض محمد (ولادت:1877ء وفات 1934ء) نے نیشن آف اسلام کے نام سے باقاعدہ ایک تنظیم 1930ء میں ڈیٹرائٹ مشی گن میں قائم کی۔ انہوں نے تنظیم کے قیام کا مقصد یہ بتایا کہ امریکہ اور باقی دنیا میں سیاہ فام مردوں اور عورتوں کی روحانی، ذہنی، سماجی اور اقتصادی حالت کا احیاء کیا جائے۔ نیشن آف اسلام کے پیروکاروں کا ماننا ہے کہ والس فرض محمد مسیح اور مہدی تھے جن کا انتظار عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کو عرصہ دراز سے تھا۔ والس فرض محمد نیشن آف اسلام قائم کرنے کے تھوڑے دنوں بعد ہی یعنی 1934ء میں نیشن آف اسلام کے پیروکاروں کے عقیدے کے مطابق روپوش ہوگئے یا غائب ہوگئے۔ البتہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اس تنظیم کی بنیادیں مضبوط کر دی تھیں اور اپنے بعد تنظیم کی قیادت کے لیے افراد کی تربیت بھی کر دی تھی۔

والس فرض محمد کے بعد نیشن آف اسلام کی قیادت علی جاہ پول (1897-1975) کے ہاتھ میں آئی۔ علی جاہ پول کا نام بدل کر والس فرض محمد نے علی جاہ محمد رکھ دیا تھا اور اسی نام سے انہیں شہرت بھی ملی۔ علی جاہ محمد فرض محمد کے ابتدائی پیروکارں میں سے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں نیشن آف اسلام کو نہ صرف یہ کہ امریکی سیاہ فاموں کا سب سے بڑا مذہبی وسیاسی پلیٹ فارم بنا دیا بلکہ اس کی شہرت امریکہ اور امریکہ سے باہر بھی دور دراز علاقوں تک پھیلا دی۔ علی جاہ محمد نے بعد میں نیشن آف اسلام کے پیروکاروں میں بعض ایسے عقائد کی تبلیغ شروع کر دی، جن کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مثلاً عقیدہ حلول یعنی والس فرض محمد کی شکل میں خدا خود انسانی شکل میں زمین پر آ گیا تھا۔ یہ اور کچھ دوسرے عقائد ایسے تھے کہ ان کے سبب تنظیم کے اندر اختلافات پیدا ہوئے۔ خود علی جاہ محمد کے بیٹے والس محمد (وارث دین محمد) کو بھی اپنے والد کے نظریات سے اختلاف تھا اور اس اختلاف کے سبب ہی انہیں نیشن آف اسلام کی رکنیت سے معطل کر دیا گیا تھا۔ البتہ 1974ء میں تنظیم کی ان کی رکنیت بحال کر دی گئی اور جب 25 فروری 1975 کو علی جاہ محمد کا انتقال ہوا تو اس کے اگلے دن والس محمد کو اتفاق رائے سے علی جاہ محمد کا جانشین اور نیشن آف اسلام کا سربراہ تسلیم کر لیا گیا جسے تنظیم میں سپریم منسٹر کہا جاتا ہے۔ والس محمد نے نیشن آف اسلام کی قیادت سنبھالنے کے بعد اس میں اصلاح کا آغاز کیا خاص طور پر عقائد کی از سر نو تشکیل کا کام کیا اور نیشن آف اسلام کو اکثریتی سنی اسلام سے بہت ہی قریب کر دیا۔ والس محمد نے تنظیم کا نام بھی بدل دیا اور 1978ء میں اسے ایک طرح سے ختم کر دیا۔ البتہ نیشن آف اسلام کے بعض رہنما والس محمد کی اصلاحات سے مطمئن نہیں تھے انہوں نے اس سے اختلاف کیا اور اصلاحات کے خلاف مزاحمت بھی کی۔ اور جب اس میں کامیاب نہیں ہوئے تو نیشن آف اسلام کو پھر سے زندہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح 1981ء میں لوئیس فرخان کی قیادت میں ایک بار پھر نیشن آف اسلام کی بحالی کا عوامی اعلان ہوا اور یہ کہا گیا کہ تنظیم کے بانی والس فرض محمد اور ان کے جانشین علی جاہ محمد کے اصول و نظریات کے مطابق نو تشکیل نیشن آف اسلام کو آگے بڑھایا جائے گا۔ 1995ء میں لوئس فرخان نے دس لاکھ سیاہ فاموں پر مشتمل Million Man March کے نام سے ایک بڑا عوامی جلوس نکالا اور اس طرح امریکہ میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔ نیشن آف اسلام کے پیروکاروں کے مطابق ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ کا اس وقت تک یہ سب سے بڑا عوامی جلوس تھا۔ بعد میں جب نیشن آف اسلام نے اپنے قیام کا ستر (70) سالہ جشن منایا تو والس محمد (جواب امام وارث دین محمد ہیں) اور منسٹر لوئس فرخان کے درمیان

صلح وصفائی کی کوششیں ہوئیں۔ دونوں عوام کے سامنے گلے ملے اور تنظیم کے سالانہ اجلاس میں اتحاد اور صلح کا اعلان کیا۔

10.2.1 نیشن آف اسلام کے عقائد

نیشن آف اسلام کا قیام والس (وارث) فرض محمد کے ذریعہ عمل میں آیا انہوں نے اپنے شاگرد علی جاہ محمد کے لیے جو اسباق لکھے تھے ان کی اہمیت آج بھی تنظیم کے پیروکاروں کے لیے بہت زیادہ ہے۔ البتہ نیشن آف اسلام کے عقائد کا باضابطہ منصوبہ علی جاہ محمد کی کتاب Message to the Blackman of America (امریکہ میں سیاہ فام آدمی کے لیے پیغام) میں ملتا ہے۔ یہ کتاب 1965ء میں شائع ہوئی۔ اس میں بیان کردہ عقائد کی تفصیل اس طرح ہے:

1. ہم ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں جس کا صحیح نام 'اللہ' ہے۔
2. ہم مقدس قرآن اور خدا کے تمام انبیاء کے صحائف پر یقین رکھتے ہیں۔
3. ہم بائیبل پر یقین رکھتے ہیں لیکن یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس میں تحریف کی گئی ہے اور اس کی دوبارہ تشریح کی جانی چاہیے تاکہ انسانیت جھوٹوں میں نہ پھنسے جو اس میں داخل کیے گئے ہیں۔
4. لوگوں کی طرف بھیجے گئے اللہ کے نبیوں اور صحیفوں پر ہم یقین رکھتے ہیں۔
5. ہم مردہ کے زندہ ہو جانے پر یقین رکھتے ہیں - جسمانی طور پر زندہ ہونے پر نہیں - ذہنی طور پر زندہ ہو جانے پر۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ حبشیوں (Negroes) کو ذہنی طور پر زندہ ہونے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اس لیے ان کو پہلے زندہ کیا جائے گا۔

مزید برآں ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم خدا کے چنے ہوئے لوگ ہیں، جیسا کہ لکھا گیا ہے کہ خدا مسترد اور نفرت کیے گئے لوگوں کو چنے گا۔ ان آخری دنوں میں امریکہ کے (نام نہاد) حبشیوں (Negroes) کے علاوہ ہم کسی کو اس تعریف پر پورا اترتا ہوا نہیں دیکھتے۔ ہم صالح کے دوبارہ زندہ ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔

6. ہم حساب (Judgment) پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ یہ پہلا حساب اس دن ہو گا جب خدا امریکہ میں ظاہر ہو گا۔
7. ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ تاریخ میں یہ وقت نام نہاد حبشیوں اور نام نہاد سفید فام امریکیوں کی علیحدگی کا وقت ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ سیاہ فام آدمی کو نام کے ساتھ ساتھ حقیقتاً آزاد ہونا چاہیے۔ اس سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ اسے ان ناموں سے بھی آزاد ہونا چاہیے جو اس پر اس کے سابق آقاؤں نے مسلط کیے تھے۔ وہ نام جو اس کی شناخت آقا کے غلام کے طور پر کرتے تھے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اگر ہم واقعی آزاد ہوتے ہیں تو ہمیں اپنے لوگوں یعنی زمین کے سیاہ فام لوگوں کے نام استعمال کرنے چاہئیں۔
8. ہم تمام لوگوں کے لیے انصاف پر یقین رکھتے ہیں، خدا کے ماننے والے ہوں یا نہ ماننے والے، بطور انسان دوسروں کی طرح ہم بھی انصاف کے مستحق ہیں۔ ہم مساوات پر یقین رکھتے ہیں، مساوی لوگوں کی ایک قوم کے طور پر۔ ہم یقین نہیں رکھتے ہیں کہ ہم "آزاد کردہ غلاموں" کی حیثیت سے اپنے آقاؤں کے مساوی ہیں۔
9. ہم یقین رکھتے ہیں کہ اختلاط (میل ملاپ) کی پیش کش منافقانہ ہے اور یہ پیش کش ان لوگوں نے کی ہے جو سیاہ فام لوگوں کو فریب

سے یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ چار سو سال سے ان کی آزادی، انصاف اور مساوات کے کھلے دشمن اچانک ان کے ''دوست'' بن گئے ہیں۔ مزید برآں ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس فریب سے ان کا مقصد سیاہ فام لوگوں کو اس احساس سے دور رکھنا ہے کہ ان کی قوم کے سفید فام (لوگوں) سے علیحدگی کا وقت آپہنچا ہے۔

10. ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں جو خود کو صالح مسلمان کہتے ہیں، دوسرے انسانوں کی جان لینے کے لیے جنگوں میں حصہ نہیں لینا چاہیے۔ ہم یقین نہیں رکھتے کہ اس قوم کو ان جنگوں میں حصہ لینے کے لیے ہمیں مجبور کرنا چاہیے کہ اس میں ہمارے حاصل کرنے کے لیے کچھ نہیں ہو گا تاوقتیکہ امریکہ ہمیں ضروری علاقہ فراہم کرنے پر رضامند ہو جائے جہاں ہمارے پاس لڑنے کے لیے کچھ ہو۔

11. ہمیں یقین ہے کہ ہماری عورتوں کا احترام اور حفاظت ویسے ہی کی جانی چاہیے جیسے دوسری اقوام کی عورتوں کا احترام اور حفاظت کی جاتی ہے۔

12. ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ماسٹر (والس) فرض محمد کی شخصیت میں جولائی 1930ء میں ظاہر ہوا تھا، جو عیسائیوں کا ''مسیح'' اور مسلمانوں کا ''مہدی'' تھا۔

مزید اور آخر، ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ہی خدا ہے اور اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں اور وہ امن کی کائناتی (آفاقی) حکومت لائے گا (قائم کرے گا) جس میں ہم سب امن سے رہ سکیں گے۔

10.3 انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT) (بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی)

بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں دنیا کے دیگر علاقوں کی طرح مسلم دنیا میں بھی قومی بیداری اور آزادی کی تحریکات کا آغاز ہوا اور دوسری عالمی جنگ کے اختتام کے بعد دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح مسلم ممالک بھی ایک ایک کر کے آزاد ہوتے گئے۔ مغربی استعمار کے قبضے کے دوران مسلم دنیا میں مغربی افکار و خیالات کو بھی بڑے پیمانے پر فروغ ملا۔ مغرب کے زیر اقتدار ان ملکوں میں ایک ایسا نظام تعلیم رائج ہوا جس میں مکمل تعلیم مغربی اصولوں کی بنیاد پر دی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم ملکوں میں مسلمانوں کی جدید تعلیم یافتہ نسل حریت پسندی اور قومی جذبات کی حامل ہونے کے باوجود اپنے فکر و خیال میں بیشتر مغربی تھی اور مغربی اصولوں کی بنیاد پر ہی اپنے ملکوں اور سماجوں کے مسائل حل کرنا چاہتی تھی۔ اس کے رد عمل میں مسلم دنیا میں اسلامی بیداری کی وہ تحریکات رونما ہوئیں جو مغرب کے مقابلے اسلامی اصولوں پر اپنے ملکوں اور سماجوں کی تشکیل کی خواہاں تھیں اور جنہیں مغرب نے اور اس کی دیکھا دیکھی اب مسلم دنیا کے بھی بعض ''دانشور'' سیاسی اسلام کی تحریکات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی دوران مغربی ایشیا میں تیل کی دولت کے سبب آنے والی خوش حالی نے نئی نسل کو جدید اعلی تعلیم کی طرف متوجہ کیا جس کے مواقع اس علاقے میں بہت کم تھے چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد نے مغربی یورپی ملکوں اور امریکہ کا رخ کیا جو جدید تعلیم کے بڑے مراکز باور کیے جاتے ہیں۔ ان میں ایک تعداد ان نوجوانوں کی بھی تھی جو اپنے ملکوں کی اسلامی بیداری کی تحریکات سے متاثر تھے۔ ان لوگوں نے مغرب میں نہ صرف یہ کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کی بلکہ مغربی نظام تعلیم کا بھی غائر مطالعہ کیا اور اس کا

اسلام کے تعلیمی اصولوں سے مقابلہ بھی کیا۔

10.3.1 پس منظر اور قیام

مسلم دنیا کے انہیں طلبہ میں سے کچھ نے امریکہ میں مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن(MSA)اور بعد ازاں ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس(AMSS) جیسی اسلام پسند طلبہ تنظیمیں قائم کیں۔امریکہ میں ان کا مقصد جہاں ایک طرف یہ تھا کہ تعلیم کی غرض سے یہاں آنے والے مسلمانوں کو ان کی اسلامی شناخت سے جوڑے رکھا جائے وہیں ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ اسلامی تعلیمات اور اصولوں کی روشنی میں ایک ایسے نظام تعلیم کو قائم اور رائج کیا جائے جو جدید ترین ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم طلبہ کی مذہبی ضروریات کو بھی پورا کرنے والا ہو۔بالفاظ دیگر ایک ایسا نظام تعلیم جو مذہبی بیزاری کے ساتھ نہیں بلکہ مذہبی وابستگی کے ساتھ جدید تحقیقات کی طرف لے جانے والا ہو۔ مغرب میں موجود مسلم طلبہ کا یہ احساس ہی تھا جس نے انہیں سب سے پہلے سماجی علوم کے حوالے سے خود کو منظم کرنے اور اپنی کوششوں کو آگے بڑھانے پر آمادہ کیا چنانچہ 1972ء میں ان لوگوں نے سماجی علوم کے مسلمان ماہرین کا ایک اتحاد ایسوسی ایشن آف مسلم سوشل سائنٹسٹس(AMSS) کے نام سے تشکیل دیا۔اس کے پیچھے ان کا مقصد یہ تھا کہ سماجی علوم کے مسلمان ماہرین سماجی علوم کو اسلامی اصولوں کے مطابق فروغ دینے کی کوشش کریں اور اس کوشش کو 'اسلامائزیشن آف نالج' کا نام دیا گیا اور اس اصطلاح کو کافی مقبولیت بھی ملی۔البتہ اسلامائزیشن آف نالج کا کام AMSS کے ذریعہ جس پیمانے پر ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو پا رہا تھا کیونکہ کوششیں بیشتر منتشر اور بکھری ہوئی تھیں اور ان کو منظم کرنے کے لیے ادارہ جاتی شکل دینے کی ضرورت تھی۔AMSS کی ایک بین الاقوامی کانفرنس سوئٹزرلینڈ کے شہر لُوگانو میں ہوئی۔اس کانفرنس میں تنظیم کی سرگرمیوں خاص طور پر اسلامائزیشن آف نالج کے کام کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے منظم اور مربوط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسا ادارہ وجود میں آئے جو کلی طور پر اسی کام کے لیے وقف ہو۔چنانچہ اس کے لیے کوششیں شروع ہوئیں اور انہیں کوششوں کے نتیجے میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ IIIT(بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی)وجود میں آیا۔ IIIT کا باضابطہ قیام تو 1981ء میں عمل میں آیا البتہ اس کے بورڈ آف ٹرسٹیز کی پہلی میٹنگ 8/ اکتوبر 1980ء کو امریکی ریاست میری لینڈ کے شہر لین ہان میں منعقد ہوئی اور اس میٹنگ میں معروف مسلم اسکالر عبدالحمید ابو سلیمان کو IIIT کا صدر منتخب کیا گیا۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ(بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی)کے بانیان میں عبدالحمید ابو سلیمان-جو 1988 سے لے کر 1998ء تک بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، ملائیشیا کے ریکٹر رہے- کے علاوہ اسماعیل راجی الفاروقی، ڈاکٹر طہٰ جابر العلوانی، ڈاکٹر جمال البرزنجی اور انور ابراہیم جیسے مسلم دنیا کے اہم اور نمایاں نام شامل ہیں۔اسماعیل راجی الفاروقی، اس وقت تک امریکہ میں مسلم دانشور کی حیثیت سے اہم شناخت رکھتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہی حقیقی معنوں میں سماجی علوم کے اسلامائزیشن کی تحریک شروع کی تھی۔اس میٹنگ میں انہیں IIIT کا سکریٹری ٹریزرار اور ڈائرکٹر منتخب کیا گیا۔ڈاکٹر جمال البرزنجی امریکہ میں مسلم طلبہ کی سرگرمیوں سے ہمیشہ وابستہ رہے، وہ SAAR(سلیمان عبدالعزیز الراجحی)فاؤنڈیشن اور صفا گروپ کے سربراہ بھی رہے۔وہ امریکہ کے کامیاب مسلم تاجروں میں شمار ہوتے ہیں۔طہٰ جابر العلوانی مسلم دانشوری کا بڑا نام ہیں، فقہ اور اصول فقہ ان کا میدان اختصاص ہے، فقہ کونسل آف نارتھ امریکہ کے بانی

ہیں اسی طرح وہ قرطبہ (Cordoba) یونی ورسٹی، ورجینیا کے صدر ہیں۔ انور ابراہیم ملائیشیائی سیاست داں اور مسلم دانشور ہیں۔ 1991-1998 وہ ملائیشیا کے وزیر خزانہ اور 1993-1998 ملائیشیا کے نائب وزیر اعظم رہ چکے ہیں۔

بنیادی طور پر اگر دیکھا جائے تو انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT) ایک پرائیویٹ یعنی غیر سرکاری، غیر منفعت بخش، علمی، ثقافتی اور تعلیمی ادارہ ہے جس کا دائرہ کار عمومی طور پر اسلامی فکر اور تعلیم کے میدانوں تک وسیع ہے۔ 1981ء میں انسٹی ٹیوٹ کا قیام ریاست ہائے متحدہ امریکہ (USA) میں عمل میں آیا۔ یہ ادارہ کسی بھی طرح کے نظریاتی، سیاسی یا جماعتی و گروہی تعصب سے پاک اور آزاد ہے۔ ادارے کے مرکزی دفاتر امریکی ریاست ورجینیا کے شہر ہرن ڈن میں، جو دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی کے نواح میں ہے، واقع ہیں۔ IIIT کے روابط دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے اداروں اور تنظیموں سے ہیں جو اس کی سرگرمیوں اور پروگراموں میں اس کی معاونت کرتے ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ کے انتظامات ایک بورڈ آف ٹرسٹیز کے ذمہ ہیں جس کے ارکان میں سے ہی ادارے کے سربراہ (صدر) کا انتخاب ہوتا ہے۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ ایک ایسا علمی ادارہ ہے جو اسلامی تناظر میں تعلیمی و سماجی مسائل کے حل کے لیے کام کرتا ہے اس حوالے سے وہ تحقیقی پروجیکٹوں کی مدد کرتا ہے، علمی و ثقافتی اجتماعات کا اہتمام کرتا ہے علمی کاوشوں کو شائع کرتا ہے اور تعلیم و تربیت کے کام میں مصروف ہے۔ اس ادارے نے عالمی سطح پر علم و دانش کے میدان میں اسلامی فکر کے حوالے سے غیر معمولی اثرات چھوڑے ہیں خاص طور پر تعلیم، قدیم علمی ورثے کی حفاظت اور سماجی علوم میں اس کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

10.3.2 IIIT کے اغراض و مقاصد

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی کوشش یہ رہی ہے کہ وہ ایسے اساتذہ کو تیار کرے جو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق اسلام اور اس کی تعلیمات کی تشریح و توضیح طلبا کے سامنے کر سکیں اسی طرح اس نے اس کے لیے بھی کوشش کی ہے کہ ایسے دانشوروں کی کھیپ تیار کی جائے جو اسلام اور اس کی تعلیمات کو آج کی دنیا میں پیش آمدہ چیلنجوں کے مقابلے حل کے طور پر پیش کر سکیں۔ IIIT کی ویب سائٹ پر اس کے مقاصد کی وضاحت کچھ اس طرح کی گئی ہے:

1. ادارے کا مقصد ایسے افراد کا تیار کرنا ہے جو اسلامی تعلیم، ثقافت اور علم (Knowledge) کے میدانوں میں کام کر سکیں۔
2. ایک ایسا جامع Vision (نظریہ) اور طریقہ کار تشکیل دینا جو مسلمان دانشوروں کے لیے معاصر علمی کاوشوں کا تنقیدی جائزہ لینے میں معاون ہو۔
3. ایسا طریقہ کار وضع کرنا جو قرآن مجید اور سنت نبویؐ کی تفہیم کے لیے مناسب اور موزوں ہو۔
4. ماضی اور حال کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایسا مناسب طریقہ کار وضع کرنا جو قدیم اسلامی ورثے اور جدید علمی روایت کے ساتھ معاملہ کرنے میں معاون ہو تا کہ مسلم امت اور وسیع معنوں میں انسانیت کے لیے ایک بہتر مستقبل تعمیر کیا جا سکے۔
5. معاصر دنیا کے چیلنجوں اور مواقع کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا مناسب طریقہ کار وضع کرنا جو امت اور عمومی طور پر دنیا کو خاص طور

پر تعلیم کے شعبے میں درپیش چیلنجوں کو سمجھنے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں معاون ہو۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ جو وسائل اختیار (استعمال) کرتا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

1. تدریس (تعلیم)، اساتذہ کی تربیت، نصابی کتابوں کی اشاعت۔
2. یونیورسٹیوں اور تحقیقی مراکز سے وابستہ محققین اور دانشوروں کی معاونت اور منتخب علمی و ثقافتی کاموں کی انگریزی، عربی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں اشاعت۔
3. اسلامی فکر کے فروغ و استحکام کے لیے مطالعے اور تحقیق کروانا۔
4. مخصوص علمی، دانشورانہ اور ثقافتی کانفرنسوں، سیمیناروں اور Study Circles (مطالعاتی گروپوں) کا انعقاد۔

بلاشبہ اپنے قیام کے بعد سے ہی انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ اپنے وسائل کے مطابق اسلامی فکر کے احیاء اور فروغ کے کام میں مصروف ہے۔ اس نے متعدد ایسے مطالعے کروائے ہیں جو نہ صرف مسلمانوں بلکہ دنیا کو درپیش مختلف چیلنجوں کے حوالے سے موئثر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اس ادارے نے اپنی توجہ اور مصروفیات کا اصل مرکز سماجی علوم کے شعبے کو بنایا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے الہامی علم کو جدید انسانی علم سے مربوط کیا جائے اور ایسے امکانات تلاش کیے جائیں جو ان علوم کو امت مسلمہ اور پوری دنیا کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنا سکیں۔ اسلامائزیشن آف نالج کا انسٹی ٹیوٹ کا پروجیکٹ اپنے آپ میں اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ وہ طویل عرصے تک اس کی اہمیت اور افادیت کو باقی رکھے گا۔ اس پروجیکٹ نے اس کے حامیوں اور مخالفین دونوں حلقوں میں ایک ہلچل پیدا کرنے میں ضرور کامیابی حاصل کی ہے۔ انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ نے اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں کو انجام دینے کے لیے امریکہ اور امریکہ سے باہر بھی دنیا کے مختلف ملکوں میں اپنے ذیلی اور ملحق ادارے قائم کیے ہیں، جو اپنے اپنے ملکوں میں آزادانہ طور پر مقامی اور عالمی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے تحقیقی و علمی کاموں میں مصروف ہیں۔ اس طرح کے مراکز دنیا کے 13 ملکوں میں قائم ہیں۔ ان کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ نے دنیا کی مختلف یونی ورسٹیوں اور تحقیقی مراکز کے ساتھ تحقیقی و علمی کاموں میں تعاون کے لیے مختلف معاہدے بھی کیے ہیں۔

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کا علم و تحقیق کے حوالے سے سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انگریزی، عربی اور دنیا کی دیگر مختلف زبانوں میں سیکڑوں کی تعداد میں علمی و تحقیقی کتابیں شائع کی ہیں۔ صرف اردو زبان میں انسٹی ٹیوٹ کی جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کی تعداد 30 سے زائد ہے۔

10.4 اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ (ICNA)

دور جدید میں مغرب (مغربی یورپی ممالک اور امریکہ) اور مسلم دنیا کے درمیان روابط کی دو سطحیں رہی ہیں۔ پہلی سطح وہ تھی جب یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد افرادی قوت کی ضرورت نے ایشیائی ملکوں کے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ معاشی ضرورت کے تحت یورپ و امریکہ کا رخ کرنے والے ان لوگوں میں ایک تعداد مسلمانوں کی بھی تھی۔ البتہ چونکہ ان کا قیام یورپ و امریکہ معاشی ضرورت کے

تحت تھا اس لیے یہ اپنی نجی اور عائلی زندگی میں تو ضرور اسلامی اصولوں کے پابند رہے البتہ اپنے نئے مسکنوں پر یہ لوگ اسلام کی کوئی خاص چھاپ چھوڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مغرب کے ساتھ مسلمانوں کے رابطے کی دوسری سطح وہ ہے جب مغرب کی جدید ترقیات خاص طور پر علمی و فنی میدانوں کی ترقیات نے مسلم دنیا (برصغیر اور عرب ممالک) کے بہت سے نوجوانوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جانب متوجہ کیا۔ مغرب اور مسلمانوں کے درمیان رابطے کی یہ سطح مالک اور مزدور والی نہیں تھی۔ تعلیم کی غرض سے مغرب کا رخ کرنے والوں نے جب ان ملکوں میں سکونت اختیار کرنا شروع کی اس وقت بھی ان کا معاملہ بڑی حد تک برابری کی سطح پر تھا کیونکہ اب ان تعلیم یافتہ لوگوں کی ضرورت مغرب کو تھی۔

تعلیم کی غرض سے مغرب کا رخ کرنے والے نوجوانوں میں ایک تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی تھی جو اپنے ملکوں میں اسلامی بیداری کی جدید تحریکات (مثال کے طور پر برصغیر میں جماعت اسلامی اور عرب دنیا میں الاخوان المسلمون) سے متاثر تھے یا ان سے وابستہ رہ چکے تھے۔ جب یہ لوگ دوران تعلیم ہی یا تعلیم کے بعد مغربی ملکوں میں مستقل سکونت اختیار کرنے لگے تو انہیں ان کی مذہبی ضروریات نے اس بات پر آمادہ کیا کہ یہ اپنے نئے مسکنوں میں مسلمانوں کی نئی اجتماعیتیں تشکیل دیں تاکہ ایک دوسرے کی مدد اور تعاون سے اپنی مذہبی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ آغاز میں مغرب میں وجود میں آنے والی یہ اجتماعیتیں بیشتر طلبہ کی چھوٹی چھوٹی انجمنیں تھیں جنہوں نے بعد میں پیشہ ورانہ انجمنوں اور ایسوسی ایشنوں کی شکل اختیار کرلی یا ان کے وجود میں آنے کا پیش خیمہ بنیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں تعلیم کی غرض سے جانے والے مسلم نوجوانوں نے اس طرح کی جو پہلی اجتماعیت قائم کی وہ شاید مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (MSA) تھی۔ امریکہ کی بیشتر مسلم پیشہ ورانہ اور دیگر اجتماعیتیں بنیادی طور پر مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی ہی یا توسیع ہیں یا اس کی شاخیں ہیں۔

اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ بھی ایک ایسی ہی تنظیم ہے جس کی سرگرمیوں کا آغاز 1968ء میں ہوا اور جسے مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن سے وابستہ ان طلبہ اور افراد نے قائم کیا جن کا تعلق جنوبی ایشیا خاص طور پر برصغیر ہندوپاکستان سے تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امریکہ میں جن لوگوں نے اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ قائم کی بنیادی طور پر وہ برصغیر کی جماعت اسلامی سے متاثر تھے یا اپنے ملکوں میں قیام کے دوران وہ اس سے وابستہ رہ چکے تھے۔ البتہ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کا باضابطہ قیام 1971ء میں عمل میں آیا، اس تنظیم کا مرکزی دفتر جمیکا، نیویارک میں ہے جس میں طلبہ کی اسلامی کلاسوں کے لیے کلاس روم، ایک ریڈنگ روم اور ایک چھوٹی سی مسجد بھی ہے۔ تنظیم کے دفاتر ڈیٹ رائٹ مشی گن اور آک وِلے، اونٹاریو میں بھی قائم ہیں۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کو امریکی مسلمانوں کی ایک امبریلا تنظیم کی حیثیت حاصل ہے جس کے تحت مختلف سطحوں پر مختلف طرح کی سرگرمیاں انجام دی جاتی ہیں۔ امریکی مسلم سماج میں اپنے اثرات کے اعتبار سے اس تنظیم کی جڑیں کافی مضبوط اور گہرائی تک جمی ہوئی ہیں۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے خواتین کا حلقہ 1979ء میں "Sisters Wing" کے نام سے قائم کیا جو امریکی خواتین میں کافی مقبول ہے۔ قرآن و سنت کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے اقامت دین کے لیے جدوجہد کے ذریعے اللہ کی رضا کا حصول اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کا بنیادی مقصد ہے۔ تنظیم کے تحت مختلف پروگرام کے ذریعے مذکورہ مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے پروگراموں میں اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ نسل و

مذہب اور خطے کی تفریق کیے بغیر عام امریکیوں کو ان کے خالق ومالک کے بارے میں بتایا جائے۔ مسلمانوں کو ان کی امت وسط کی ذمہ داری کو یاد دلاتے ہوئے اس کے لیے آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے کردار و عمل اور بات چیت کے ذریعہ شہادت (گواہی) کا فریضہ انجام دیں۔ لوگوں کی کوششوں کو منظم کیا جائے۔ لوگوں میں اسلام کے فہم اور بلندی کردار کو جلا بخشنے کے لیے تعلیمی و تربیتی پروگرام منعقد کیے جائیں۔ ہر طرح کے ظلم واستحصال اور بداخلاقی کی مخالفت کی جائے اور شہری آزادی اور سماج میں سماجی و معاشی انصاف کے لیے ہونے والی کوششوں کا ساتھ دیا جائے۔ پورے شمالی امریکہ میں لوگوں کے درمیان انسانیت کے رشتے کو مضبوط کرنے کی کوشش کی جائے اور جو تنظیمیں اور ادارے بھی اتحاد امت اور اس طرح کے پروگراموں کے لیے کام کرتے ہیں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے۔

اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے وقت گزرنے کے ساتھ امریکی مسلمانوں کے ایک ایسے پلیٹ فارم کی شکل اختیار کرلی ہے جہاں سے امریکی معاشرے میں اسلام کی صاف ستھری تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ اس نے امریکی سماج میں موجود متعدد مسائل پر بھی توجہ دی ہے اور خود کو بڑی حد تک امریکی مسلمانوں کے مسائل سے بھی وابستہ رکھا ہے۔ اس تنظیم نے امریکہ میں مسلمانوں کے درمیان اخوت کے جذبے کو پروان چڑھایا ہے اور انہیں نسلی و علاقائی بنیادوں پر تقسیم کرنے کے بجائے ایک ایسی امت کا شعور ان میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو ہر بھلے برے وقت میں ایک دوسرے کے کام آتی ہے۔ امریکہ جہاں لوگوں کی اکثریت زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے مقصد سے گئی ہوئی ہے، اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے ان لوگوں کو مسجد سے جوڑا ہے، انہیں اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ وہ اسلامی سرگرمیوں میں حصہ لیں اور امریکی سماج میں ایک باکردار اور باعمل مسلمان کی حیثیت سے خود کو متعارف کرائیں۔ تنظیم نے اپنے دروازے سرحدوں کی تعیین کے بغیر سبھی کے لیے کھلے رکھے ہیں۔ اس نے اسلام کے پیغام کو عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے پمفلٹ اور کتابوں کے علاوہ جدید ترین ابلاغی ذرائع کی خدمات بھی حاصل کی ہیں اور امریکی سماج میں اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالے کی بھرپور انداز میں کوشش کی ہے۔ اس نے غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرنے اور ان کے سوالات کا جواب دینے کے لیے ایک Toll-Free (مفت) ٹیلی فون نمبر دے رکھا ہے جس پر فون کرکے وہ نہ صرف یہ کہ اسلام کے بارے میں اپنی غلط فہمیاں دور کرسکتے ہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے اپنے سوالوں کے جواب بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے امریکی ذرائع ابلاغ میں جو غلط فہمیاں در آئی ہیں ان کی مانیٹرنگ کے لیے بھی اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے مسلم الرٹ نیٹ ورک کے نام سے ایک تنظیم بنائی ہے یہ اپنی نوعیت کی انتہائی اہم اور امریکہ میں مسلمانوں کی سب سے پرانی میڈیا مانیٹرنگ تنظیم ہے۔ بیسٹ ورڈس کے نام سے اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کا اشاعتی ادارہ کام کرتا ہے اس کا کام اسلام کے بارے میں لٹریچر کی اشاعت ہے۔ اسی ادارے کے تحت تنظیم کا ماہانہ ترجمان میسج انٹرنیشنل (Message International) 1989ء سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ تنظیم کی ویب سائٹ پر آن لائن سوالات کرنے اور جواب حاصل کرنے کی سہولت بھی فراہم ہے۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی سرگرمیوں کا ایک اہم حصہ اس کے سالانہ اجتماعات ہیں۔ ان اجتماعات میں امریکہ بھر سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے بین المذاہب مکالمے کی

اہمیت کو بھی محسوس کیا ہے اور امریکہ میں موجود مختلف عیسائی و دیگر گروپوں کے ساتھ مذہبی مکالمے کے پروگراموں میں بھی شرکت کی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام والے امریکی معاشرے میں اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے لوگوں میں دولت کی ہوس کو صحیح رخ دینے کے مقصد سے مسلم سیونگ اینڈ انویسٹمنٹ کے نام سے ایک ایسا مالیاتی ادارہ قائم کیا ہے جو نہ صرف یہ کہ موجودہ دنیا میں رائج سودی نظام کی برائیوں سے پاک ہے بلکہ اس کا ایک بہتر متبادل بھی پیش کرتا ہے۔ یہ ادارہ امریکی مسلم سماج کے ان لاکھوں لوگوں کے لیے ایک محفوظ مالی پناہ گاہ کے طور پر سامنے آیا ہے جو اپنی دولت کو سود کی آلائش سے پاک بھی رکھنا چاہتے ہیں اور جہاں ان کی سرمایہ کاری کی بنیادی ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی خدمات کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے امریکہ میں موجود مسلمانوں کا ایک ڈاٹا بیس نظام قائم کر رکھا ہے جس میں امریکی مسلمانوں کے پتے، پیشے اور دلچسپی کے خاص میدانوں کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ اس طرح بوقت ضرورت ایک دوسرے تک پہنچنا بھی آسان ہوتا ہے۔

اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی رکنیت عام ہے اور امریکہ میں مقیم کوئی بھی مسلمان مرد، عورت اس کا رضاکار بن سکتا ہے۔ اس تنظیم کی قیادت کا انتخاب ہر سال خفیہ رائے دہی کے ذریعہ تنظیم کے رضاکار کرتے ہیں۔ یہی لوگ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی شوریٰ (Advisory) کا انتخاب بھی کرتے ہیں۔ تنظیم کی شوریٰ اپنے اجلاس میں اس کی سرگرمیوں اور پروگراموں کی منصوبہ بندی اتفاق رائے یا کثرت رائے سے کرتی ہے۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے تنظیم کی رکنیت کو صرف اپنے ساتھ ہی مخصوص اور محدود نہیں رکھا ہے بلکہ اس کا ہر کارکن کسی بھی دوسری تنظیم کے ساتھ کام کر سکتا ہے جسے وہ پسند کرتا ہو۔ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی مالیات کی فراہمی کا بڑا ذریعہ اس کے رضاکاروں سے حاصل ہونے والی مالی اعانتیں ہیں۔ یہ تنظیم امریکہ سے باہر کسی تنظیم یا ادارے سے مالی تعاون حاصل نہیں کرتی۔

10.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- یہ اکائی اپنی نوعیت کے اعتبار سے سابقہ اکائیوں سے بالکل الگ ہے۔ اس میں ان تنظیموں اور اداروں کا تعارف کرایا گیا ہے جو مسلم تو ضرور ہیں جو امریکہ کے مسلم اقلیتی ملکوں میں قائم ہیں۔ نیشن آف اسلام، ICNA, ISNA اور IIIT کا تعلق ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے ہے۔ ان میں نیشن آف اسلام امریکہ کے سیاہ فام مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے جب کہ ISNA امریکہ میں موجود مختلف چھوٹی بڑی تنظیموں، اداروں، مساجد اور اسلامی مراکز کا ایک ڈھیلا ڈھالا وفاق ہے جو ان کے وسیع تر اتحاد کے لیے کوشاں ہے۔ ICNA برصغیر کی جماعت اسلامی سے متاثر مسلمانوں کی تنظیم ہے، اس نے نو مسلم امریکیوں میں بھی اپنے لیے کافی جگہ بنائی ہے۔ IIIT امریکہ میں مسلمانوں کا ایک اہم بلکہ مسلم دنیا کا اہم

فکری ادارہ ہے اور ماضی قریب میں یہ اپنے اسلامائزیشن آف نالج نامی پروجیکٹ کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کرچکا ہے۔

- IITاس ادارے نے اپنی توجہ اور مصروفیات کا اصل مرکز سماجی علوم کے شعبے کو بنایا ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے الہامی علم کو جدید انسانی علم سے مربوط کیا جائے اور ایسے امکانات تلاش کیے جائیں جو ان علوم کو امت مسلمہ اور پوری دنیا کے لیے زیادہ سے زیادہ نفع بخش بنا سکیں۔
- اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی رکنیت عام ہے اور امریکہ میں مقیم کوئی بھی مسلمان مرد، عورت اس کا رضاکار بن سکتا ہے۔ اس تنظیم کی قیادت کا انتخاب ہر سال خفیہ رائے دہی کے ذریعہ تنظیم کے رضاکار کرتے ہیں۔ یہی لوگ اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کی شوریٰ(Advisory)کا انتخاب بھی کرتے ہیں۔
- اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ، امریکی مسلمانوں کا ایک وسیع اور بڑا اجتماعی پلیٹ فارم ہے۔ بعض اندازوں کے مطابق اسے چار لاکھ سے زائد امریکی مسلمانوں کی رکنیت اور حمایت حاصل ہے۔ ابھی تک اس تنظیم کے ارکان کی اکثریت اور قیادت ان مسلمانوں پر مشتمل رہی ہے جنہوں نے ترک وطن کرکے امریکہ کو اپنا وطن بنایا ہے یعنی وہ وہاں کے اصل باشندے نہیں ہیں۔

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. والس فرض محمد نے کون سی تنظیم قائم کی؟

(a). نیشن آف اسلام　　(b). رابطہ عالم اسلامی　　(c). ادارہ تحقیقات اسلامی　　(d). آئی آئی ٹی

2. Message to Blackman of America کس کی تصنیف ہے؟

(a). والس فرض　　(b). علی جاہ محمد　　(c). لوئس فرخان　　(d). والس محمد

3. انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a).1920ء　　(b).1947ء　　(c).1981ء　　(d).1992ء

4. ان میں سے کون انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کے صدر کی حیثیت سے اپنی خدمات دے چکا ہے؟

(a). والس فرض　　(b). علی جاہ محمد　　(c). لوئس فرخان　　(d). عبدالحمید ابوسلیمان

5. فقہ کونسل آف نارتھ امریکہ کے بانی کون ہیں۔

(a). طہ جابر علوانی　　(b). عبدالحمید ابوسلیمان　　(c). اسماعیل راجی　　(d). علی جاہ محمد

6. انٹر نیشل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کہاں عمل میں آیا؟

(a). قطر (b). امریکہ (c). ریاض (d). مصر

7. اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کا قیام کب ہوا؟

(a). 1981ء (b). 1998ء (c). 1971ء (d). 2002ء

8. اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے خواتین کے لیے کس جماعت کو قائم کیا؟

(a). Right wing (b). left wing (c). Sister wing (d). سب غلط

9. اسلامی سرکل آف نارتھ امریکہ کے اشاعتی ادارے کا کیا نام ہے؟

(a). IIIT (b). نیشن آف اسلام (c). فقہ کونسل (امریکہ) (d). بیسٹ روڈس

10. کس رسالے میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی ترجمانی ہوتی ہے؟

(a). اسلامک ہورائزن (b). بیسٹ روڈس (c). نیشن آف اسلام (d). سب صحیح

10.6.2 مختصر جوابی سوالات

1. نیشن آف اسلام کے عقائد پر بحث کیجیے۔
2. انٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کا پس منظر بیان کیجیے۔
3. انٹر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کے اغراض ومقاصد لکھیے۔
4. اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ کے بارے میں مختصر نوٹ لکھیے۔
5. نیشن آف اسلام پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

10.6.3 طویل جوابی سوالات

1. نیشن آف اسلام اور اس کی سرگرمیوں کے بارے میں مضمون لکھیے۔
2. ICNA کا تفصیلی تعارف پیش کیجیے۔
3. اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

10.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. متعلقہ تنظیموں اور اداروں کی ویب سائٹس

اکائی 11: مغرب میں مسلم ادارے: اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر، ورلڈ اسلامک مشن

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر

11.2.1 اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے مختلف شعبہ جات

11.2.2 اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے صدور اور سیکریٹریز

11.2.3 اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے مقاصد

11.3 ورلڈ اسلامک مشن (World Islamic Mission)

11.4 ورلڈ اسلامک مشن کے خدمات

11.4.1 تعلیمی اخدمات

11.4.2 مساجد کی تعمیر

11.4.3 رفاہی و فلاحی خدمات

11.4.4 سماجی خدمات و اصلاحات

11.4.5 بین المذاہب مکالمہ

11.4.6 بین الاقوامی کانفرنسز

11.4.7 دعوت و تبلیغ

11.4.8 ورلڈ سلامک مشن کی موجودہ دور میں اہمیت

11.5 حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی

11.6 اکتسابی نتائج

11.7 نمونہ امتحانی سوالات

11.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

11.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

11.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

11.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر، برطانیہ میں واقع ایک نمایاں مسلم ادارہ ہے جو مغرب میں اسلامی تعلیم، تحقیق اور علم کے فروغ کے لیے وقف ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کی رہنمائی اور اقدامات کا مقصد مسلمانوں کو مذہبی، سماجی، سیاسی، اور اقتصادی چیلنجز کا مؤثر طریقے سے سامنا کرنے کے لیے تیار کرنا ہے۔ اسلامی اصولوں کی روشنی میں زندگی گزارنے، کمیونٹی کی مضبوطی، اور حقوق کی حفاظت کے لیے عملی تدابیر اپنانا اہم ہے تاکہ مسلمان ایک متوازن اور کامیاب معاشرتی زندگی گزار سکیں۔

ورلڈ اسلامک مشن ایک بین الاقوامی اسلامی تنظیم ہے جو اسلام کی تعلیمات اور پیغام کو عام کرنے کے مقصد سے کام کرتی ہے۔ ورلڈ اسلامک مشن کا مقصد اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا بھر میں پھیلانا اور مسلمانوں کو ان کی دینی اور دنیاوی فلاح و بہبود کی طرف راغب کرنا ہے۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد اسلامی اخوت، محبت، اور امن کے پیغام کو عام کرنا، اور مسلمانوں کو قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کرنا ہے۔ اس کے علاوہ، ورلڈ اسلامک مشن کا مشن نوجوان نسل کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروانا اور ان کی روحانی و اخلاقی تربیت کرنا ہے۔ یہ تنظیم تعلیمی، رفاہی، اور دینی سرگرمیوں کے ذریعے مسلمانوں کو اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔

11.1 مقاصد

اس اکائی میں آپ کو مغرب کے دو مسلم اداروں اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر اور ورلڈ اسلامک مشن کے بنیادی مقاصد اور کاوشوں کے متعلق معلومات فراہم کر سکیں گے۔ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کی تعلیمی، رفاہی، سماجی و ثقافتی خدمات، قران و حدیث کے میدان میں تحقیقی و اشاعتی کام، اسلامی معاشیات و عصری مسائل کو حل کرنے میں ان کی کاوشوں کے متعلق علم فراہم کر سکیں گے۔ وہیں دوسری طرف ورلڈ اسلامک مشن کی تعلیمی خدمات، رفاہی، فلاحی، سماجی و اصطلاح خدمات کے بارے میں جان سکیں گے۔ ورلڈ اسلامک مشن نے تعلیمی خدمات میں دنیا کے مختلف گوشوں میں کس طرح قرآن و حدیث کی تعلیمات کو پھیلانے میں کوشش کی ہے بھی جان سکیں گے۔ اسی کے ساتھ ساتھ

آپ یہ بھی جانیں گے کہ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر اور ورلڈ اسلامک مشن کی عصری معنویت وافادیت کیا ہے۔

11.2 اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر

اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کی بنیاد 1973ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ ادارہ مغربی دنیا میں اسلامی تعلیمات، ثقافت، اور فلاحی خدمات کے فروغ میں گامزن ہے۔ ادارے کا مقصد مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات فراہم کرنا، ثقافت کی ترویج کرنا، اور فلاحی خدمات کے ذریعے کمیونٹی کی بہتری کے لیے کام کرنا ہے۔

11.2.1 اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے مختلف شعبہ جات

اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کی ساخت میں مختلف شعبے شامل ہیں جو ادارے کے مختلف پہلوؤں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

بورڈ آف ٹرسٹیز: بورڈ آف ٹرسٹیز ادارے کی پالیسیوں اور حکمت عملیوں کی نگرانی کرتا ہے اور اہم فیصلے کرتا ہے۔ بورڈ میں مختلف شعبوں کے ماہرین شامل ہوتے ہیں جو ادارے کی مجموعی سمت کا تعین کرتے ہیں۔

انتظامی کمیٹی: انتظامی کمیٹی روزمرہ کے امور اور انتظامی معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس میں مختلف محکموں کے سربراہان شامل ہوتے ہیں جو ادارے کی مختلف سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

تعلیمی شعبہ: تعلیمی شعبہ قرآنی تعلیمات، سیرت، اور اسلامی فقہ کے کورسز اور پروگرامز فراہم کرتا ہے۔ اس میں مدرسین اور اساتذہ شامل ہوتے ہیں جو تعلیمی پروگرامز کی تیاری اور تدریس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

رفاہی شعبہ: رفاہی شعبہ فلاحی منصوبوں، زکوٰۃ، صدقات، اور کمیونٹی کی مدد کے پروگرامز کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ شعبہ ضرورت مندوں کی مدد اور مختلف سماجی خدمات کی انجام دہی کرتا ہے۔

سماجی اور ثقافتی شعبہ: سماجی اور ثقافتی شعبہ اسلامی ثقافت، بین المذاہب مکالمے، اور کمیونٹی کی سرگرمیوں کو فروغ دیتا ہے۔ یہ شعبہ مختلف ثقافتی پروگرامز، سیمینارز، اور کانفرنسز کا انعقاد کرتا ہے۔

11.2.2 اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے صدور اور سیکریٹریز

اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے مختلف ادوار میں متعدد صدور اور سیکریٹریز نے ادارے کی قیادت کی ہے۔ جنہوں نے ادارے کی ترقی اور اس کے مقاصد کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے، ان میں صدور شیخ محمد فرید (1973-1982) نے ادارے کی بنیاد رکھی اور ابتدائی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی قیادت میں فاؤنڈیشن نے اپنے بنیادی مقاصد اور مشن کی تشکیل کی، ڈاکٹر محمد صدیق (1982-1990) تعلیمی پروگرامز اور ادارے کی بین الاقوامی شناخت کو فروغ دیا۔ انہوں نے فاؤنڈیشن کی تعلیمی اور فلاحی سرگرمیوں کو مزید مستحکم کیا، ڈاکٹر احمد بلال (1990-2000) رفاہی اور سماجی خدمات پر توجہ دی اور کمیونٹی کی مدد اور فلاحی منصوبوں کو فروغ دیا، ڈاکٹر یوسف اقبال (2000) موجودہ، جدید تعلیمی پروگرامز، بین المذاہب مکالمہ، اور عالمی سطح پر ادارے کی شناخت کو بڑھایا ہے اور سیکریٹریز میں سید محسن علی (1973-

1980) ابتدائی تنظیمی کاموں کی نگرانی کی اور انتظامی امور میں اہم کردار ادا کیا، محمد جاوید (1980-1988) ادارے کے انتظامی امور اور مالیاتی معاملات کی دیکھ بھال کی، اور تنظیمی ساخت کو مستحکم کیا، فاروق احمد (1988-1995) تعلیمی پروگرامز اور رفاہی خدمات کی نگرانی کی، اور ادارے کی کمیونٹی کی سرگرمیوں کو فعال کیا، لی رضا (1995-2005) ادارے کی داخلی انتظامات اور بیرونی روابط کو بہتر بنایا، اور فلاحی منصوبوں کی نگرانی کی، زاہد حسین (2005) موجودہ، جدید انتظامی حکمت عملیوں اور تنظیمی ترقی پر توجہ اور ادارے کی مختلف سرگرمیوں کی نگرانی کر رہیں ہیں)۔

11.2.3 اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے مقاصد

اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کے اہم مقاصد میں مسلم کمیونٹی کی تعلیمی اور فکری ترقی پر توجہ مرکوز کرنا، اسلامی علوم، سماجی علوم، اور مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کے متعلق مسائل پر تحقیق کرنا، اسلامی تاریخ، ثقافت، اور موجودہ مسائل پر کتابیں، جرائد اور مضامین شائع کرنا، مختلف مذاہب کے درمیان مکالمے میں فعال طور پر حصہ لینا تاکہ بین المذاہب ہم آہنگی اور تعاون کو فروغ دیا جا سکے۔ کمیونٹی لیڈرز، اماموں اور اساتذہ کے لیے تربیتی پروگرام، سیمینارز اور ورکشاپس منعقد کرنا تاکہ ان کی اسلامی تعلیم، قیادت اور بین المذاہب مکالمے کی مہارتوں میں اضافہ ہو سکے۔

تحقیقی اور اشاعتی کام: اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر، مغرب میں ایک اہم مسلم ادارہ ہے جو مختلف موضوعات پر اسلامی نقطہ نظر سے تحقیق اور اشاعت کے لیے مشہور ہے۔ اس ادارے کی اشاعتی سرگرمیاں، اسلامی علوم اور عصری مسائل کے بارے میں آگاہی پھیلانے اور علمی مواد فراہم کرنے کے لیے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

1. قرآنی علوم

اسلامک فاؤنڈیشن نے قرآن کے علوم پر مختلف کتابیں شائع کی ہیں، جن میں قرآن کی تفسیر، ترجمہ، اور قرآن کے موضوعات پر تحقیقی مضامین شامل ہیں۔ ادارہ قرآن کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے مختلف سیمینارز، ورکشاپس، اور کورسز کا اہتمام کرتا ہے۔ ان پروگراموں کا مقصد مسلمانوں کو قرآن کی تعلیمات سے جوڑنا اور انہیں زندگی کے ہر شعبے میں قرآن کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرنا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے یہی نہیں بلکہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق، ادارہ نے قرآن کی تعلیمات کو ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر بھی پیش کیا ہے، جن میں ای بکس، آن لائن کورسز، اور موبائل ایپلی کیشنز شامل ہیں، جو قرآن کے مطالعے کو مزید آسان بناتے ہیں۔

اسلامک فاؤنڈیشن کی شائع کردہ تفاسیر میں مولانا محمد شفیعؒ کی تفسیر معارف القرآن، سید قطب کی تفسیر فی ظلال القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا منظور نعمانی کی معارف الحدیث، حافظ ابن کثیر کی تفسیر ابن کثیر، امام جلال الدین المحلی اور امام جلال الدین سیوطی کی تفسیر جلالین اہم ہیں۔

اسلامک فاؤنڈیشن کی قرآنی خدمات کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے کام کو مختلف ممالک میں سراہا جاتا ہے۔ مجموعی طور پر، اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر نے قرآنی علوم میں اپنی خدمات کے ذریعے مسلمانوں کو قرآن کی حقیقی روح سے روشناس کرانے میں

نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

2. **حدیث اور سیرت**

اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر نے حدیث کے علوم میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ ادارہ حدیث کی تعلیم، تحقیق، اور اشاعت کے ذریعے مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی احادیث سے روشناس کرانے اور ان کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ اس کی کاوشیں حدیث فہمی، احادیث کے درست معانی کی وضاحت، اور اسلامی معاشرتی واخلاقی اقدار کو فروغ دینے میں نمایاں ہیں۔

اسلامک فاؤنڈیشن نے احادیث کی معتبر کتب شائع کی ہیں، جن میں بخاری، مسلم، ترمذی، اور دیگر صحاح ستہ شامل ہیں۔ ان کتب کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے مستفیض ہو سکیں۔ ادارہ نے حدیث کے اصول اور مبادیات پر بھی تحقیقی کام کیا ہے، جس میں حدیث کی روایت، درایت، اور حدیث کے مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر نے حدیث کے علوم میں گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اور متعدد حدیث کی کتب شائع کی ہیں۔ ان اشاعتوں کا مقصد احادیث کی صحیح تفہیم، اسلامی تعلیمات کی ترویج، اور مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی سنت کے قریب لانا ہے۔ فاؤنڈیشن کی شائع کردہ کتب نے حدیث کے مطالعے کو عام فہم اور قابل رسائی بنایا ہے۔

اسلامک فاؤنڈیشن کی شائع کردہ حدیث کی کتب میں مولانا منظور نعمانی کی معارف القران، امام نووی کی ریاض الصالحین، بخاری اور مسلم کی منتخب احادیث، سنن ابن ماجہ، سنن نسائی، اور سنن ترمذی وغیرہ۔

اسلامک فاؤنڈیشن نے سیرت النبی ﷺ پر متعدد کتب شائع کی ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں جیسے کہ ان کی پیدائش، نبوت، مکی اور مدنی زندگی، غزوات، اور اخلاقی اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ فاؤنڈیشن نے مختلف تعلیمی پروگرامز اور کورسز کا انعقاد کیا ہے جن کا مقصد سیرت النبی ﷺ کی تعلیمات کو فروغ دینا ہے۔ یہ کورسز خاص طور پر نوجوانوں، اساتذہ، اور عام لوگوں کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں تاکہ وہ سیرت کی روشنی میں اپنی زندگی کو بہتر بنا سکیں۔ ادارہ نے بین الاقوامی سیرت کانفرنسز اور سیمینارز منعقد کیے ہیں، جن میں دنیا بھر سے اسکالرز اور اسلامی مفکرین نے شرکت کی ہے۔ ان پروگراموں کا مقصد نبی کریم ﷺ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنا اور ان کی تعلیمات کو عصری دنیا میں لاگو کرنا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے بچوں کے لیے نبی کریم ﷺ کی سیرت پر کہانیوں کی کتابیں بھی شائع کی ہیں، جو آسان زبان اور دلکش انداز میں نبی کریم ﷺ کی شخصیت سے متعارف کراتی ہیں۔ فاؤنڈیشن کی کوششوں کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں نبی کریم ﷺ کی محبت اور ان کی سنت کی اطاعت کو فروغ دینا ہے تاکہ وہ اپنی زندگیوں میں ان کی تعلیمات کو اپنا سکیں۔

3. **اسلامی معاشیات**

اسلامی فاؤنڈیشن اسلامی معاشیات کے میدان میں بھی نمایاں کام کر رہا ہے۔ اس نے اسلامی مالیاتی نظام، زکوۃ، صدقات، اور سود کے متبادل نظام پر تحقیقی مواد شائع کیا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے اسلامی مالیات اور بینکنگ کے اصولوں پر بنی کورسز اور ورکشاپس بھی منعقد

کیے ہیں تاکہ مسلمانوں کو حلال طریقے سے مالیاتی امور کو سنبھالنے کی تربیت دی جاسکے۔ ان میں اسلامی بینکاری، زکوٰۃ، صدقات، اور وقف کے اصولوں پر بھی رہنمائی فراہم کی جاتی ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے زکوٰۃ اور صدقات کے نظام کو منظم کیا ہے اور ضرورت مندوں تک مالی مدد پہنچانے کا کام بھی کرتی ہے۔ یہ اقدام معاشی ناہمواری کو کم کرنے اور غریبوں کی مدد کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

4. اسلامی سماجیات

ادارہ نے اسلامی سماجیات، اخلاقیات، اور خاندانی نظام پر بھی متعدد کتب شائع کی ہیں، جو مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اسلامی تناظر میں پیش کرتی ہیں۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے مختلف سماجی خدمات جیسے بے روزگاری کے خاتمے، غریبوں کی مدد، صحت کی خدمات، اور رہائش کی فراہمی کے منصوبے بھی شروع کیے ہیں۔ ان رفاہی کاموں کا مقصد معاشرے کے پسماندہ طبقے کی مدد کرنا اور ان کی زندگی کے معیار کو بہتر بنانا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن نے کمیونٹی کی تعمیر، سماجی ہم آہنگی، اور بین المذاہب مکالمے کے فروغ کے لیے بھی کام کیا ہے تاکہ مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان مثبت روابط قائم کیے جا سکیں۔

5. عصری مسائل

فاؤنڈیشن عصری مسائل جیسے کہ اسلاموفوبیا، مغربی معاشروں میں مسلمانوں کے چیلنجز، اور بین المذاہب تعلقات پر بھی تحقیق اور اشاعت کرتی ہے۔ ادارہ قرآن، حدیث و سیرت کو جدید مسائل کے حل کے لیے پیش کرتا ہے، تاکہ موجودہ دور کے مسلمان ان بنیادی کتابوں سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

11.3 ورلڈ اسلامک مشن (World Islamic Mission)

ورلڈ اسلامک مشن (WIM) کا قیام 1972 میں عمل میں آیا۔ اس تنظیم کی بنیاد عالم دین اور مذہبی رہنما حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے رکھی، جن کا مقصد مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا اور اسلام کی حقیقی تعلیمات کو عام کرنا ہے۔ ورلڈ اسلامک مشن ایک بین الاقوامی تنظیم ہے جس کی شاخیں دنیا کے مختلف ممالک میں موجود ہیں، اور یہ عالمی سطح پر مسلمانوں کو اسلام کے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہ تنظیم مختلف ممالک میں فعال ہے۔ کچھ اہم ممالک جہاں اس کے دفاتر اور شاخیں موجود ہیں: پاکستان، برطانیہ، یورپ کے کئی ممالک (ناروے، سویڈن، ڈنمارک)، امریکہ، کینیڈا، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، آسٹریلیا وغیرہ۔ ورلڈ اسلامک مشن کے مختلف دفاتر کے اپنے صدر اور سیکریٹری ہوتے ہیں۔ جن کا انتخاب اسلامی خدمات اور تنظیمی صلاحیتوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔

11.4 ورلڈ اسلامک مشن کے خدمات

11.4.1 تعلیمی اخدمات

ورلڈ اسلامک مشن نے دنیا کے مختلف ممالک میں اسلامی مدارس اور تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں جہاں اسلامی تعلیمات کے ساتھ

ساتھ جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے فروغ اور نوجوان نسل کی دینی اور اخلاقی تربیت کے لیے اہم تعلیمی خدمات انجام دی ہیں تاکہ ان کے کردار میں اسلامی اخلاقی اقدار جھلکیں۔ تنظیم کا بنیادی مقصد دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات کو عام کرنا اور مسلمانوں کو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھانا ہے۔ کچھ اہم تعلیمی خدمات درج ذیل ہیں:

1. مدارس اور تعلیمی ادارے

ورلڈ اسلامک مشن نے مختلف ممالک میں اسلامی مدارس، اسکولز اور کالجز قائم کیے ہیں جہاں دینی اور دنیاوی تعلیم دونوں دی جاتی ہیں۔ ان اداروں میں قرآن، حدیث، فقہ، اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ سائنس، ریاضی، اور جدید علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے تاکہ مسلمان نوجوان دینی و دنیاوی دونوں میدانوں میں کامیاب ہو سکیں۔ یہ مدارس و تعلیمی ادارے خاص طور پر بچوں اور نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کروانے اور ان کی اخلاقی و روحانی تربیت کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

2. آن لائن تعلیمی پلیٹ فارمز

جدید دور کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ورلڈ اسلامک مشن نے آن لائن تعلیمی پلیٹ فارمز کا بھی آغاز کیا ہے تاکہ دنیا بھر کے طلبہ اور عام افراد اسلامی تعلیمات کو گھر بیٹھے سیکھ سکیں۔ یہ پلیٹ فارمز خاص طور پر ان لوگوں کے لیے مددگار ہیں جو مختلف وجوہات کی بنا پر مدارس یا اسکولوں میں نہیں جا سکتے۔

3. مساجد میں تعلیمی حلقے

ورلڈ اسلامک مشن کے زیرِ نگرانی مساجد میں تعلیم کے لیے خصوصی حلقے قائم کیے گئے ہیں جہاں بچوں اور بڑوں کو اسلامی تعلیمات، قرآن مجید کی تلاوت اور احکامِ دین سکھائے جاتے ہیں۔

4. ورلڈ اسلامک مشن کی یونیورسٹیز اور تحقیقاتی مراکز

ورلڈ اسلامک مشن نے اسلامی علوم کی ترقی اور تحقیقی کاموں کو فروغ دینے کے لیے مختلف یونیورسٹیز اور تحقیقاتی مراکز قائم کیے ہیں۔ اس میں قرآن، حدیث، فقہ، اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ جدید علوم جیسے سائنس، ریاضی، اور زبان و ادب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ یہ ادارے نہ صرف طلبہ کو اعلیٰ اسلامی تعلیم فراہم کرتے ہیں بلکہ اسلامی تاریخ، فقہ، قرآن اور حدیث کے موضوعات پر تحقیق کو بھی فروغ دیتے ہیں۔ ذیل میں کچھ معروف یونیورسٹیز اور تحقیقاتی مراکز کے نام درج ہیں:

1. جامعہ اسلامیہ ورلڈ اسلامک مشن، برطانیہ

یہ جامعہ برطانیہ میں قائم ہے اور اسلامی علوم کے فروغ کے لیے کام کر رہی ہے۔ یہاں قرآن و حدیث، فقہ، اور اسلامی تاریخ کی تعلیم کے ساتھ جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔

ورلڈ اسلامک مشن ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ سینٹر، پاکستان: یہ تحقیقاتی مرکز پاکستان میں قائم ہے اور اسلامی فقہ، تاریخ، اور معاصر مسائل پر تحقیقی کاموں کے لیے معروف ہے۔ یہاں اسکالرز اسلامی مسائل پر تحقیق کرتے ہیں اور علمی کاموں کو عام کرنے کے لیے مختلف

مطبوعات جاری کرتے ہیں۔

سینٹر آف اسلامک اسٹڈیز، ناروے: ناروے میں قائم یہ سینٹر اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے کام کرتا ہے اور یہاں تحقیقاتی کاموں کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کی تدریس بھی کی جاتی ہے۔ یہ مرکز مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مکالمے کو فروغ دینے میں بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن قرآنک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، کینیڈا: کینیڈا میں واقع یہ ادارہ قرآن پاک کی تعلیمات اور اس کی تحقیق پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ یہاں قرآن کی تفاسیر اور علمی تحقیق کے ذریعے جدید دور کے مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

شاہ احمد نورانی ریسرچ انسٹیٹیوٹ، پاکستان: یہ ادارہ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی کے نام سے منسوب ہے اور اسلامی علوم کی تحقیق کے میدان میں ایک اہم مرکز سمجھا جاتا ہے۔ یہاں طلبہ اور اسکالرز اسلامی فقہ، حدیث، اور معاصر مسائل پر تحقیقی کام انجام دیتے ہیں۔

ورلڈ اسلامک مشن کے یہ تعلیمی اور تحقیقاتی مراکز عالمی سطح پر اسلامی تعلیمات کے فروغ اور تحقیق کے لیے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان اداروں کا مقصد اسلامی علوم کی ترویج کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کے چیلنجز کا اسلامی نقطہ نظر سے حل پیش کرنا ہے۔

11.4.2 مساجد کی تعمیر

اس مشن کے تحت مختلف ممالک میں مساجد کی تعمیر کی گئی ہے تاکہ مسلمان اپنی عبادات انجام دے سکیں اور دینی اجتماعات منعقد کر سکیں۔ مساجد میں دینی تعلیمات بھی فراہم کی جاتی ہیں۔

11.4.3 رفاہی وفلاحی خدمات

ورلڈ اسلامک مشن رفاہی اور فلاحی خدمات میں بھی پیش پیش ہے۔ ضرورت مند افراد کی مدد اور سماجی فلاح و بہبود کے لیے تنظیم مختلف رفاہی منصوبے چلاتی ہے۔ غریب اور مستحق افراد کے لیے یہ تنظیم خوراک، لباس، اور رہائش کی سہولیات فراہم کرتی ہے۔ تنظیم نے پناہ گزینوں اور بے گھر افراد کے لیے رہائش فراہم کرنے کے منصوبے چلائے ہیں۔ ان کے لیے خصوصی کیمپ اور رہائشی سہولتیں فراہم کی ہیں۔

اس تنظیم نے مختلف علاقوں میں صحت کے مراکز قائم کئے ہیں، جہاں مفت طبی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ مختلف ممالک میں پانی کی فراہمی اور صفائی کے منصوبے شروع کئے ہیں۔ پانی کے کنویں، پمپ، اور پانی کی دیگر سہولتیں فراہم کی ہیں تاکہ لوگوں کو صاف پانی میسر ہو سکے۔

اس کے علاوہ قدرتی آفات جیسے سیلاب، زلزلے اور دیگر قدرتی بحرانوں کے دوران ورلڈ اسلامک مشن کے رضاکار متحرک ہو کر متاثرہ علاقوں میں ہنگامی امداد، خوراک، ادویات، اور دیگر ضروری اشیاء فراہم کرتی ہے۔ قدرتی آفات کے بعد بحالی کے منصوبوں کا آغاز کیا جاتا ہے تاکہ متاثرہ لوگوں کو دوبارہ اپنی زندگی معمول پر لانے میں مدد ملے۔

11.4.4 سماجی خدمات واصلاحات

ورلڈ اسلامک مشن سماجی خدمات کے ذریعے معاشرے میں امن، بھائی چارے، اور اسلامی اخلاقیات کو فروغ دینے کے لیے کام کر رہا ہے۔ تنظیم مختلف موضوعات پر سیمینارز اور ورکشاپس کا اہتمام کرتی ہے، جہاں معاشرتی اصلاح اور اسلامی اقدار کی اہمیت پر زور دیا جاتا ہے۔ نوجوانوں، خواتین اور بچوں کی اخلاقی، دینی، اور معاشرتی تربیت کے لیے ورلڈ اسلامک مشن خصوصی پروگرامز اور تربیتی ورکشاپس منعقد کرتا ہے۔

11.4.5 بین المذاہب مکالمہ

ورلڈ اسلامک مشن مختلف مذاہب کے درمیان مکالمے کو فروغ دیتا ہے تاکہ دنیا میں امن اور بھائی چارے کو فروغ دیا جاسکے، مختلف بین المذاہب کانفرنسز منعقد کی جاتی ہیں جن میں مختلف مذاہب کے نمائندے شرکت کرتے ہیں۔ ان کانفرنسز میں مختلف مذہبی نظریات، تعلیمات، اور معاشرتی مسائل پر مکالمہ کیا جاتا ہے تاکہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ مشترکہ سماجی اور انسانی ترقی کے منصوبے شروع کی جاسکیں۔ ان منصوبوں میں تعلیم، صحت، غربت کے خاتمے، اور دیگر فلاحی کام شامل ہوتے ہیں۔ مشترکہ منصوبے مختلف مذہبی کمیونٹیز کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دیتے ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن تعلیمی پروگرامز کے ذریعے بین المذاہب مکالمے کی اہمیت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اسکولوں، کالجز، اور یونیورسٹیوں میں بین المذاہب مکالمے کے بارے میں آگاہی فراہم کی جاتی ہے تاکہ نئی نسل میں مختلف مذاہب کے درمیان امن اور احترام کی بنیاد رکھی جاسکے۔

11.4.6 بین الاقوامی کانفرنسز

اس تنظیم نے مختلف عالمی اور مقامی سطح پر اسلامی کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد کیا ہے جن میں ممتاز اسلامی اسکالرز، مفتیانِ کرام اور دینی رہنما شرکت کرتے ہیں۔ ان تقریبات میں تعلیمی، فکری اور تحقیقی مسائل پر بات چیت ہوتی ہے اور اسلام کی ترقی وترویج کے لیے عملی تجاویز دی جاتی ہیں۔

11.4.7 دعوت وتبلیغ

ورلڈ اسلامک مشن کی خاص بات یہ ہے کہ یہ تنظیم صرف علمی اور تعلیمی خدمات تک محدود نہیں بلکہ تبلیغی سرگرمیوں کے ذریعے اسلام کا پیغام غیر مسلموں تک پہنچاتی ہے اور دنیا بھر میں مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتی ہے اور لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے مستقل کام کرتی ہے۔ یہ تنظیم ہمیشہ امن، محبت، اور اسلامی اخوت کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔ یہ تنظیم مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے اور فرقہ واریت سے بچنے پر زور دیتی ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن نے دنیا کے مختلف ممالک میں دعوت وتبلیغ کے لیے مراکز قائم کیے ہیں جہاں علماء ومشائخ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کو دین کی طرف بلاتے ہیں۔ مسلمانوں کو دین کی طرف رجوع کرنے، اخلاقی اصلاح، اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے

کی تلقین کی جاتی ہے۔ ان اجتماعات میں ہزاروں افراد شرکت کرتے ہیں اور دینی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ یہ مراکز مقامی آبادی میں اسلام کا پیغام عام کرنے اور ان کی دینی تربیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کی دعوت و تبلیغ کی خاص بات قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنا ہے۔ تنظیم قرآن کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے خصوصی کورسز اور کلاسز کا انعقاد بھی کرتی ہے، جس میں لوگوں کو قرآن کی تلاوت، تفہیم، اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی جاتی ہے۔

ورلڈ اسلامک مشن غیر مسلموں کو بھی اسلام کے پیغام سے روشناس کروانے کے لیے کام کرتی ہے۔ مختلف ممالک میں تبلیغی مراکز اور کمیونٹی سنٹرس کے ذریعے غیر مسلموں کو اسلامی تعلیمات کے بارے میں آگاہی دی جاتی ہے، اور ان کے سوالات کا جواب دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلام کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں۔ اس کے تحت مختلف زبانوں میں اسلامی کتب، پمفلٹس، اور رسالے شائع کیے جاتے ہیں جو لوگوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اسلامی لٹریچر کے ذریعے اسلام کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور لوگوں کو اسلامی احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جدید دور کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ورلڈ اسلامک مشن نے آن لائن پلیٹ فارمز پر بھی اپنی دعوتی سرگرمیاں شروع کی ہیں۔ سوشل میڈیا، یوٹیوب، اور دیگر آن لائن ذرائع کے ذریعے دنیا بھر کے لوگوں تک اسلامی پیغام پہنچایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، آن لائن لیکچرز اور سیمینارز کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

11.4.8 ورلڈ سلامک مشن کی موجودہ دور میں اہمیت

ورلڈ اسلامک مشن ایک ایسی بین الاقوامی تنظیم ہے جو اسلام کے پیغام کو دنیا بھر میں پھیلانے، مسلمانوں کی دینی اور روحانی تربیت کرنے، اور ان کی معاشرتی و تعلیمی ترقی کے لیے سرگرم عمل ہے۔ موجودہ دور میں ورلڈ اسلامک مشن کی اہمیت اور افادیت کئی پہلوؤں سے نمایاں ہے:

1. موجودہ دور میں اسلامی تعلیمات کو صحیح انداز میں پھیلانا ایک اہم ضرورت بن چکی ہے، کیونکہ دنیا بھر میں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کا مقصد اسلام کے حقیقی پیغام کو دنیا بھر میں پھیلانا اور لوگوں کو اسلامی اصولوں کی تعلیم دینا ہے۔ اس کا تعلیمی اور تبلیغی کام ان مسائل کو حل کرنے میں معاون ثابت ہو رہا ہے۔
2. آج کا دور نوجوانوں کے لیے چیلنجز سے بھرا ہوا ہے، جہاں وہ مختلف سماجی اور معاشرتی مسائل کا سامنا کر رہے ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کی سرگرمیاں، خصوصی طور پر تعلیمی ادارے اور تربیتی پروگرامز، مسلم نوجوانوں کو اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے اور ایک باعمل مسلمان بننے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ تربیت ان کی کردار و شخصیت سازی کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔
3. موجودہ دور میں مسلمانوں کے درمیان فرقہ واریت اور مذہبی اختلافات نے امت مسلمہ کو تقسیم کر دیا ہے۔ ورلڈ اسلامک مشن مسلمانوں کو اسلامی اخوت اور اتحاد کی تعلیم دیتی ہے، اور فرقہ واریت کے بجائے اسلامی اقدار کو فروغ دینے پر زور دیتی ہے، جس سے مسلم معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔
4. دنیا بھر میں مسلمان مختلف سیاسی، سماجی، اور معاشی مسائل کا شکار ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن نہ صرف اسلامی تعلیمات کے فروغ پر

زور دیتی ہے بلکہ مسلمانوں کے عالمی مسائل کے حل کے لیے بھی کوششیں کرتی ہے۔ یہ تنظیم مختلف پلیٹ فارمز پر مسلمانوں کے حقوق کی آواز اٹھاتی ہے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے عملی اقدامات کرتی ہے۔

5. موجودہ دور میں معاشی عدم مساوات اور غربت جیسے مسائل میں اضافہ ہو چکا ہے۔ ورلڈ اسلامک مشن کی رفاہی خدمات مستحق اور ضرورت مند لوگوں کے لیے اہم ہیں۔ تنظیم کی جانب سے فراہم کی جانے والی مدد اور فلاحی کام، جیسے خوراک، رہائش، اور طبی امداد، دنیا بھر میں غریب اور بے سہارا لوگوں کے لیے ریلیف کا باعث بن رہے ہیں۔

6. آج دنیا میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تصادم اور غلط فہمیاں بڑھ رہی ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن بین المذاہب مکالمے کو فروغ دینے کے لیے مختلف کانفرنسز اور پروگرامز کا انعقاد کرتی ہے، جس سے مختلف مذاہب کے درمیان سمجھ اور تعاون کو فروغ ملتا ہے۔ اس مکالمے کا مقصد دنیا میں امن و بھائی چارے کو عام کرنا ہے۔

7. آج کے دور میں مسلمانوں کو نہ صرف دینی بلکہ دنیاوی تعلیم کی بھی ضرورت ہے تاکہ وہ جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکیں۔ ورلڈ اسلامک مشن نے اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے تعلیمی اداروں میں اسلامی اور جدید علوم کا امتزاج کیا ہے، تاکہ مسلمان نوجوان دینی و دنیاوی دونوں لحاظ سے خود کو تیار کر سکیں۔

ورلڈ اسلامک مشن موجودہ دور میں مسلمانوں کے لیے ایک اہم اور مؤثر پلیٹ فارم ہے جو دینی، تعلیمی، اور فلاحی میدانوں میں خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کی سرگرمیاں نہ صرف مسلمانوں کی اصلاح و تربیت میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں بلکہ عالمی سطح پر اسلام کی مثبت تصویر کو اجاگر کرنے میں بھی مددگار ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کی اہمیت آج کے دور میں اس کی کوششوں اور خدمات کی بنیاد پر روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

11.5 حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی

حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی اسلامی دنیا کے ایک ممتاز عالم، فقیہ، اور رہنما تھے۔ ان کی علمی، دینی، اور سیاسی خدمات نے انہیں مسلم دنیا میں ایک اہم مقام عطا کیا۔ انہوں نے اسلامی علوم کی ترویج اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ ان کی زندگی کی مختلف پہلوؤں میں ان کی علمی، دینی، اور قیادت کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن کی بنیاد حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی نے 1972 میں رکھی۔ ان کی قیادت میں یہ تنظیم اسلامی تعلیمات کی ترویج، مسلمانوں کی دینی و روحانی تربیت، اور عالمی سطح پر اسلامی پیغام کو پھیلانے کے لیے کام کرنے لگی۔ حضرت شاہ احمد نورانی نے اس تنظیم کو ایک مؤثر پلیٹ فارم بنایا جس کے ذریعے مسلمانوں کو اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی گئی۔

حضرت شاہ احمد نورانی صدیقی کی قیادت میں ورلڈ اسلامک مشن نے اسلامی تعلیمات کو پھیلانے، مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے، اور عالمی سطح پر اسلام کی نمائندگی کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی vision اور قیادت نے ورلڈ اسلامک مشن کو ایک مؤثر اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ تنظیم بنا دیا ہے، جو آج بھی اسلامی خدمات میں مصروف عمل ہے۔

11.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر کی بنیاد 1973ء میں رکھی گئی تھی۔ یہ ادارہ مغربی دنیا میں اسلامی تعلیمات، ثقافت، اور فلاحی خدمات کے فروغ میں گامزن ہے۔ ادارے کا مقصد مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات فراہم کرنا، ثقافت کی ترویج کرنا، اور فلاحی خدمات کے ذریعے کمیونٹی کی بہتری کے لیے کام کرنا ہے۔
- آج کے زمانے میں جب اسلام کو اکثر غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے، تو اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر اور ورلڈ اسلامک مشن اسلام کے حقیقی پیغام کو دنیا تک پہنچانے کے لیے ایک مضبوط پلیٹ فارم فراہم کرتا ہے۔ یہ ادارہ تحقیق اور مکالمے کے ذریعے اسلام کے امن و سلامتی کے پیغام کو عام کرتا ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے اعلیٰ معیار کی تعلیمی اور تحقیقی کتابیں اور مواد فراہم کرتا ہے۔ اس کے شائع شدہ مواد میں اسلامی فقہ، تاریخ، اخلاقیات، اور معیشت پر گہرائی سے تحقیق شامل ہے، جو جدید دور کے مسائل کا اسلامی حل فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ادارہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مکالمے اور افہام و تفہیم کو فروغ دیتا ہے، جس سے معاشرتی ہم آہنگی اور امن کا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ فاؤنڈیشن مسلمانوں کو جدید دور کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کے مطابق رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہ ادارہ مسلم نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات سے جوڑنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے تاکہ وہ اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرتی ترقی میں نمایاں حصہ لے سکیں۔
- اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر اور ورلڈ اسلامک مشن کی خدمات نہ صرف دینی اور تبلیغی میدان تک محدود ہیں، بلکہ تنظیم معاشرتی، تعلیمی، اور رفاہی کاموں میں بھی بھرپور کردار ادا کر رہی ہے۔ اس کے ذریعے دنیا بھر میں اسلامی تعلیمات کا فروغ، مستحق افراد کی مدد، اور عالمی سطح پر امن و سلامتی کا پیغام عام کیا جا رہا ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر اور ورلڈ اسلامک مشن اپنے مقاصد کے حصول کے لیے مسلسل جدوجہد کر رہی ہے اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو یکجا کرنے اور اسلام کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کوشاں ہے۔
- ورلڈ اسلامک مشن نے اسلامی علوم کی ترقی اور تحقیقی کاموں کو فروغ دینے کے لیے مختلف یونیورسٹیز اور تحقیقاتی مراکز قائم کیے ہیں۔ اس میں قرآن، حدیث، فقہ، اور اسلامی تاریخ کے ساتھ ساتھ جدید علوم جیسے سائنس، ریاضی، اور زبان و ادب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

11.7 نمونہ امتحانی سوالات

11.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کہاں واقع ہے؟

(a). برطانیہ (b). بھارت (c). پاکستان (d). سعودی عرب

2. ورلڈ اسلامک مشن کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(a).1972ء (b).1975ء (c).1948ء (d).2015

3. اسلامک لسٹر فاؤنڈیشن کی بنیاد کب رکھی گئی؟

(a).1973ء (b).1975ء (c).1945ء (d).2001ء

4. ورلڈ اسلامک مشن کی بنیاد کس نے رکھی؟

(a). جمال الدین افغانی (b). محمد اقبال (c). سر سید احمد خاں (d). علامہ شاہ نورانی صدیقی

5. ورلڈ اسلامک مشن کے تعلیمی نظام میں جدید تعلیم کو جگہ دی گئی ہے کہ نہیں؟

6. ورلڈ اسلامک مشن نے سینٹر آف اسلامک سٹڈیز کہاں قائم کیا ہے؟

(a). پاکستان (b). ناروے (c). ترکیہ (d). مصر

7. شاہ احمد نورانی ریسرچ انسٹیٹیوٹ کہاں قائم ہے؟

(a). پاکستان (b). ناروے (c). ترکیہ (d). مصر

8. اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے پہلے صدر کون تھے؟

(a). شیخ محمد فرید (b). محمد اقبال (c). سر سید احمد خاں (d). علامہ شاہ نورانی صدیقی

11.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کا بنیادی مقصد بیان کریں۔
2. اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے مختلف شعبہ جات کا نام لکھیے۔
3. اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے صدور شیخ محمد فرید اور ڈاکٹر یوسف اقبال کے کارناموں پر مختصر اروشنی ڈالیے۔
4. ورلڈ اسلامک مشن کی اہمیت و معنویت پر روشنی ڈالی ہے۔
5. ورلڈ اسلامک کمیشن کے سماجی خدمات و اصطلاحات پر روشنی ڈالیے۔

11.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کی قرانی و احادیث میں خدمات پر روشنی ڈالیے۔
2. ورلڈ اسلامک مشن کے تعلیمی خدمات پر روشنی ڈالیے۔
3. ورلڈ اسلامک مشن کی شاخیں کن ممالک میں ہیں۔

11.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. متعلقہ تنظیموں اور اداروں کی ویب سائٹس

2. https://www.islamic-foundation.org.uk

3. Khurshid Ahmad, Introduction Chapter: *Studies in Islamic Economics*, King Abdul Aziz University, Jeddah, 1980

4. Rodney Wilson, "The Development of Islamic Economics: Theory and Practices", *Islamic Thought in Twentieth Century*, London, 2004

5. Samia Rahman, "Foundation on Ideals: The Islamic Foundation", *EMEL*, Issue 8, Nov-Dec 2004

6. www.islamivc-foundation.org.uk/page/history-and-contribution

اکائی 12: مغرب میں مسلم ادارے: یوروپین افتاء کونسل اور دیگر ادارے

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 مغرب میں اسلامی اداروں کے قیام کے اسباب

12.3 مغرب کے مشہور اسلامی ادارے

12.4 مغرب کے دیگر مشہور اسلامی ادارے

12.4.1 مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (Muslim Students Association / MSA)

12.5 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (Islamic Society of North America/ ISNA)

12.5.1 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے قیام کے اسباب

12.5.2 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ میں شامل تنظیمیں

12.5.3 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے تنظیمی امور

12.5.4 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ سے ملحق تنظیمیں

12.5.5 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی سرگرمیاں

12.6 یوروپین افتا کونسل (European Council for Fatwa and Research)

12.6.1 یوروپین افتا کونسل کا قیام اور اس کا سبب

12.6.2 یوروپین افتا کونسل کے مقاصد

12.6.3 یوروپین افتا کونسل کا تنظیمی ڈھانچہ

12.6.4 یوروپین افتا کونسل کے بنیادی موضوعات

12.6.5 یوروپین افتا کونسل کی سرگرمیاں

12.7 مغرب کے دیگر ادارے
12.7.1 کل امریکی ادارے اور تنظیمیں
12.7.2 علاقائی اور محدود نوعیت کی حامل تنظیمیں اور ادارے
12.8 مغرب کے دیگر اسلامی ادارے
12.9 اکتسابی نتائج
12.10 نمونہ امتحانی سوالات
12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
12.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

دین مصطفوی کی شعاعوں نے دنیا کے ہر حصہ کو روشن کیا ہے اور آج بھی تسلسل کے ساتھ اپنی شعاعوں سے دنیا کے مختلف خطوں کو ضیاپاش کر رہا ہے جن میں مغربی ممالک بھی شامل ہیں۔ عصر حاضر میں کئی مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مغرب اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں بسنے والی مسلم آبادی کا ایک بڑا اسینٹر بن گیا ہے اور اس کا دائرہ روز بروز پھیلتا جا رہا ہے۔ مغرب میں اسلام کی اشاعت اور دیگر ممالک سے آکر بسنے والی مسلم آبادی کی وجہ سے وہاں دینی تعلیمات اور اسلام کے اصول وضوابط سے واقفیت کی ضرورت نے وہاں متعدد اداروں کے قیام کی راہ ہموار کر دی ہے جس کے نتیجہ میں وہاں متعدد ادارے قائم ہو چکے ہیں اور روز بروز ہوتے جا رہے ہیں۔

12.1 مقاصد

پچھلی اکائیوں میں آپ نے مغرب کے چند بڑے اور معتبر اداروں۔نیشن آف اسلام، اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (ICNA)، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (IIIT)، دی اسلامک فاؤنڈیشن، لسٹر اور ورلڈ اسلامک مشن۔اور ان کی خدمات سے واقفیت حاصل کی ہے۔ اس اکائی کا مقصد مغرب میں پائے جانے والے مذکورہ بالا بڑے اداروں کے علاوہ وہاں پائے جانے والے دیگر اداروں سے واقف کرانا ہے۔

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ مغرب میں پائے جانے والے اداروں کی ایک لمبی فہرست ہے جو روز بروز طویل ہوتی جا رہی ہے۔ ان

سب کا احاطہ کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں لہذا اس اکائی میں مغرب میں پائے جانے والے صرف چند اہم اور نمایاں اداروں کا ذکر کیا جائے گا اور ان کی خدمات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

12.2 مغرب میں اسلامی اداروں کے قیام کے اسباب

ماحول سے متاثر ہونا انسانی فطرت میں شامل ہے لہذا مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمان بھی وہاں کی آزادروی اور مذہب بیزاری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے جو روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی۔ اس صورت حال نے وہاں کے دین دار مسلمانوں کو بے چین کر دیا اور دیگر مسلمانوں کو اپنے دین پر باقی رکھنے اور اسلامی تعلیمات کی پیروی پر ابھارنے کے لیے اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا۔ مغربی ممالک میں نیشن آف اسلام نامی پہلی تنظیم کا قیام 1930 میں ہوا تھا۔ یہ ایک امریکی تنظیم تھی اور امریکہ کے کالے مسلمانوں کی نمائندگی کرتی تھی۔ مغرب میں اسلامی تنظیموں اور اداروں کے قیام کی یہ پہلی بنیادی وجہ تھی جس کا بنیادی مقصد امریکہ کے کالے مسلمانوں کی ہر سطح پر فلاح و بہبود تھی۔

مغرب میں اسلامی اداروں کے قیام کا دوسرا بنیادی سبب دنیا کے مختلف خطوں سے، مختلف مقاصد کی خاطر مغربی ممالک میں جا کر بسنے والی مسلم آبادی تھی جس کے سامنے ایک نئی دنیا تھی جہاں قدم قدم پر نت نئے مسائل پیدا ہو رہے جن کا تصور بھی انہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں نہیں کیا تھا۔ اس صورت حال میں انہیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے پر دشواریوں کا سامنا کرپڑ رہا تھا لہذا انہوں نے ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے متعدد اداروں اور تنظیموں کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیمیں کسی مخصوص ملک کے رہنے والے مسلم باشندوں کی نمائندہ نہیں تھیں بلکہ وہ وہاں بسنے والی تمام مسلم آبادیوں کی نمائندہ تھیں جن سے نو مسلم افراد بھی جڑ جاتے تھے۔

مغربی استعمار سے آزاد ہونے اور تیل کی دولت نے اسلامی ممالک میں بسنے والے نوجوانوں کے دل و دماغ میں اعلی تعلیم کے حصول کا جذبہ بیدار کر دیا تھا اور ان کی ایک بڑی تعداد نے اعلی تعلیم کے شوق نے مغربی ممالک کے دامن میں پناہ لے لی۔ تعلیم کے خاطر مغرب کا سفر کرنے والے نوجوانوں کی ایک معتدبہ تعداد اپنے ملکوں میں پروان چڑھنے والی اسلامی تحریکات سے نہ صرف متاثر تھی بلکہ وہ جہاں جاتی تھی وہاں ان تحریکوں کا نمائندہ اور سفیر بن جاتی تھی۔ اسلامی ذہن رکھنے والے ان نوجوانوں نے بھی مغربی ممالک میں اسلام کے حوالہ سے پائی جانے والی مشکلات پر قابو پانے کے لیے تنظیموں اور اداروں کی بنیاد رکھی۔ تعلیم کی خاطر مغربی ممالک کی جانب رخت سفر باندھنے والے نوجوانوں کی جانب قائم جانے تنظیموں و اداروں میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ / بین الاقوامی ادارہ فکر اسلامی (IIIT) جیسا معتبر ادارہ شامل ہے۔ اس ادارہ نے اور اس جیسے دیگر ادارے مغربی ممالک میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے اور اسے بطور ایک بہترین نظام کے متعارف میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ مغرب میں اسلامی اداروں کے قیام کا یہ تیسرا بنیادی سبب تھا۔

اس ادارہ میں اور اس سے پہلے قائم کیے جانے والے اداروں میں پایا جانے والا بنیادی فرق یہ ہے کہ اس کے بنیاد گذار اور ممبران سب کے سب اعلی تعلیم یافتہ تھے لہذا انہوں نے اپنے دائرہ عمل کو صرف دینی معاملات تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کے دائرہ کو زندگی

کے ہر مرحلہ میں اسلامی نظام کو قائم کرنے تک وسیع کر دیا تھا۔

12.3 مغرب کے مشہور اسلامی ادارے

مغربی ممالک میں رہنے والی یا وہاں جا کر بسنے والی مسلم آبادی نے اپنی اسلامی شناخت کو برقرار رکھنے، اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے، اسلام اور اس تعلیمات کی صحیح نمائندگی کرنے اور اسلام کو بحیثیت ایک قابل عمل نظام پیش کرنے کی خاطر نیشن آف اسلام (1930، ڈیٹورائٹ مشی گن، امریکہ)، اسلامک سرکل آف نارتھ امریکا (1971، جمیکا، نیویارک، امریکہ)، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ (1981، ہرڈن، ورجینا امریکہ)، دی اسلامک فاؤنڈیشن (1973، لیسٹر شائر، برطانیہ) اور ورلڈ اسلامک مشن (1973، بریڈ فورڈ (مقام تاسیس) / مانچسٹر (موجودہ مقام دفتر)، بریطانیہ) وغیرہ ہیں

12.4 مغرب کے دیگر مشہور اسلامی ادارے

مذکورہ بالا اداروں کا تعارف پچھلی اکائیوں میں کرایا جا چکا ہے۔ اس اکائی میں مغرب کے دیگر مشہور اسلامی اداروں اور ان کی خدمات کا ذکر کیا جائے گا۔

12.4.1 مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (Muslim Students Association / MSA)

بیسویں صدی کے نصف اول میں مسلم طلبا نے اعلی تعلیم کے حصول کے لیے امریکہ اور کناڈا کا رخ کرنا شروع کر دیا تھا جن کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ان طلبا میں وہ بھی شامل تھے جو اپنے اپنے ملکوں کی اسلامی تحریکات سے وابستہ تھے یا کم از کم متاثر تھے۔ ان طلبا نے دوران تعلیم یا تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہیں رہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہاں سکونت اختیار کرنے کے بعد ان کی مذہبی ضروریات انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ وہاں کچھ ایسی اجتماعی شکل پیدا کریں تاکہ ایک دوسرے کے تعاون سے مذہبی ضروریات کو پورا کیا جا سکے۔ شروع میں قائم کی جانے والی طلبا کی یہ انجمنیں چھوٹی چھوٹی تھیں جو بعد میں قائم ہونے والی بڑی بڑی تنظیموں کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

امریکہ و کناڈا میں تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبا کی پہلی منظم تنظیم کا نام مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (Muslim Students Association/MSA) ہے۔ شکاگو کی ایک یونیورسٹی میں اس تنظیم کی بنیاد 1963 میں رکھی گئی تھی۔ اس تنظیم کے بنیاد گذاروں میں ڈاکٹر احمد صقر (استاد شکاگو یونیورسٹی) اور ڈاکٹر احمد تونجی (استاد ریاض یونیورسٹی) جیسے افراد شامل ہیں۔ اس تنظیم کے بطن گیتی سے امریکہ اور کناڈا میں کئی اداروں نے جنم لیا ہے کہ وہ یا تو مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی توسیع ہے یا اس کی شاخ ہے۔

طلبا کی اس تنظیم کا بنیادی مقصد امریکہ و کناڈا میں زیر تعلیم مسلم طلبا کو پیش آنے والی مختلف قسم کی پریشانیوں کو دور کرنا، ان کی اسلامی تربیت کرنا اور انہیں اپنی جڑوں سے وابستہ رکھنا ہے۔ اس تنظیم کا صدر دفتر پہلے انڈیانا پولیس شہر میں تھا لیکن اب پلین فیلڈ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

طلبا کی یہ تنظیم بعد میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا(1982، پلین فیلڈ، انڈیانا، امریکہ) میں ضم ہو گئی ہے۔

1. **تنظیم کے انتظامی امور**

ہر تنظیم میں انتظامی امور کو سنبھالنے کی ذمہ داری چند افراد پر ہوتی ہے۔ اس تنظیم میں دو قسم کے عہدے پائے جاتے ہیں:

منتخب عہدے: منتخب عہدے صدر، نائب صدر، زونل صدر (علاقائی صدر) اور ریجنل صدر (صدر حلقہ) پر مشتمل ہیں۔ ان عہدیداران کا انتخاب ہر سال کیا جاتا ہے۔

2. **انتظامی عہدے**

تنظیم کے انتظامی عہدے حسب ذیل ہیں:

جنرل سکریٹری، ڈائرکٹر انتظامی امور، ڈائرکٹر برائے تربیت، ڈائرکٹر، ڈائرکٹر مالیات، ڈائرکٹر تعلیمات، ڈائرکٹر نشر واشاعت اور اطلاعات۔ ان اہم اور بنیادی عہدوں کے علاوہ دوسرے درجہ کے متعدد شعبے بھی ہیں جو براہ راست تنظیم کے جنرل سکریٹری کی ماتحتی میں کام کرتے ہیں،

مذکورہ بالا انتظامی ذمہ داریاں انجام دینے والے عہدیداران کا انتخاب نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ان کا باقاعدہ تقرر کیا جاتا ہے اور انہیں تنخواہ دی جاتی ہے۔ ان انتظامی عہدوں پر فائز افراد کو جلدی جلدی تبدیل نہیں کیا جاتا ہے۔

3. **تنظیم کی انتظامی تقسیم / تنظیم کی شاخیں**

امریکہ و کناڈا کے مختلف شہروں میں اس تنظیم کی شاخیں پائی جاتی ہیں۔ اس وقت تنظیم کا صدر دفتر انڈیانا پولیس شہر سے بیس تیس میل دور پلین فیلڈ میں ہے۔ تنظیم کے ذیلی دفاتر یا شاخوں کو چیپٹر (Chapter) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جن تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے۔ ہر چیپٹر کا ایک صدر اور سکریٹری ہوتا ہے۔ انتظامی امور کے پیش نظر ان چیپٹرس کو حسب ذیل علاقوں (زون) میں تقسیم کیا گیا ہے:

مشرقی زون: چار ریجن پر مشتمل یہ زون امریکہ کے مشرقی شہروں یعنی نیویارک اور اس کے آس پاس کے علاقوں کا احاطہ ہے۔

وسطی زون: اس زون میں شکاگو، انڈیانا پولیس اور اس کے اردگرد کے شہر و مقامات شامل ہیں۔ یہ زون پانچ ریجن پر منقسم ہے۔

مغربی زون: لاس اینجلس، سام فرانسسکو سے لے کر سالٹ سٹی تک کا سارا علاقہ اس زون میں آتا ہے۔ یہ زون بھی پانچ ریجن پر منقسم ہے۔

کناڈا زون: اس زون میں تین ریجن شامل ہیں۔

12.5 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (Islamic Society of North America/ ISNA)

12.5.1 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے قیام کے اسباب

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ، امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں کا سماجی آئینہ اور کثرت میں وحدت کا بہترین نمونہ ہے جسے امریکی مسلمانوں کی قومی تنظیم سے موسوم کرنا بالکل بجا ہے۔ امریکہ میں اس ادارہ کے قیام سے پہلے متعدد ادارے قائم ہو چکے تھے اور اپنے

اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف تھے۔ ان اداروں سے وابستہ طلبا نے اب اپنی پیشہ وارنہ میں قدم رکھ دیا تھا۔ پیشہ وارانہ زندگی میں آنے کے بعد انہیں ایک بار اجتماعیت کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے اپنے پیشہ کے حساب سے مختلف تنظیموں کی بنیاد ڈالی تاکہ وہ ان کی پیشہ وارنہ زندگی کے لیے ساز گار ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی مذہبی ضروریات کو بھی پورا کرسکے۔ ان پیشہ وارانہ تنظیموں میں اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن (Islamic Medical/IMA Association)، 1968، ایسوسی ایشن آف مسلم سائنٹسٹس اینڈ انجینئرس (Association of Muslim Scientists and Engineers/AMSE)، 1969، ایسوسی ایشن آف مسلم شوسل سائنٹسٹس (Association of Muslim Social Scientists/AMSS)، 1972 جیسی تنظیمیں شامل تھیں۔ یہ سب کی سب چھوٹی چھوٹی تنظیمیں تھیں اور کسی نہ کسی طور مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی پروردہ تھیں لیکن ان کے مابین ربط وتعاون کی کوئی شکل موجود نہیں تھی جس کی وجہ سے انہیں ایک سرپرست (امبریلا) تنظیم کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی تاکہ وہ ان کے مابین باہمی ربط وتعاون کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں یکجا اور متحد رکھنے کا سبب بھی بن جائے۔ امریکی مسلمانوں کا یہ خواب 1982 میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (Islamic Society of North America/ISNA) کی شکل میں شرمندہ تعبیر ہوا جس کا صدر دفتر پلین فیلڈ، انڈیانا میں ہے۔ اس ادارہ کے قیام کے ساتھ ہی امریکی میں بسنے والوں مسلمانوں کے اس خیال نے حقیقت کا روپ اختیار کرلیا کہ امریکہ میں بسنے والوں مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ اور وہاں کے تبدیل ہونے والے حالات کے پیش نظر ایک ایسی تنظیم ہونی چاہیے جسے امریکہ میں بسنے والے تمام طبقوں کی نمائندہ تنظیم کہا جاسکے۔

12.5.2 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ میں شامل تنظیمیں

یہ ادارہ امریکہ کی حسب ذیل چار تنظیموں کی مشترکہ کوششوں کے نتیجہ میں وجود میں آیا تھا:

1- مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔
2- اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن۔
3- ایسوسی ایشن آف مسلم سائنٹسٹس اینڈ انجینئرس۔
4- ایسوسی ایشن آف مسلم شوسل سائنٹسٹس۔

ان بنیادی اداروں کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے گروپ، ادارے اور مساجد وغیرہ بھی اسلامی سوسائٹی آف نارتھ امریکہ میں شامل تھے۔

12.5.3 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے تنظیمی امور

اس سوسائٹی کے دو پالیسی ساز ادارے ہیں: مجلس شوری اور مجلس انتظامیہ۔

1. مجلس شوری

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی مجلس شوری 24 افراد پر مشتمل ہے جن میں سے سات ممبران کا انتخاب اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی جنرل باڈی کرتی ہے۔ پانچ ممبران کا انتخاب اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے مختلف چیپٹرس اور ان کے ذیلی

اداروں کے صدور کرتے ہیں اور چھ ممبران کا انتخاب تنظیم کے سابق دفتری کارکنوں سے کیا جاتا ہے۔ باقیماندہ ممبران میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے صدر، نائب صدور (برائے امریکہ و کناڈا)، اس کے مختلف شعبوں کے ذمہ داران اور اس کی ملحق تنظیموں کے صدور شامل ہیں۔۔

2. مجلس انتظامیہ

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی مجلس انتظامیہ صدر، نائب صدور، سکریٹری اور مختلف شعبوں کے ڈائریکٹرس پر مشتمل ہے۔ اس کے سکریٹریٹ کے تمام دفاتر کی نگراں تنظیم کا جنرل سکریٹری کرتا ہے اور وہ براہ راست تنظیم کے منتخب صدر کو جواب دہ ہوتا ہے۔ ادارہ کی سرگرمیوں میں تنوع پایا جاتا ہے اور مختلف شعبوں پر مشتمل ہے جیسے شعبہ اسلامی تعلیمی مراکز، شعبہ اسلامی اسکولس، شعبہ فیلڈ سروس اور شعبہ نشرواشاعت وغیرہ۔ یہ تمام شعبے اپنے اپنے ڈائریکٹرس کی نگرانی میں اپنے امور کو انجام دیتے ہیں۔

12.5.4 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ سے ملحق تنظیمیں

امریکہ میں پائے جانے والے تقریباً تمام اداروں میں ان سے ملحق تنظیمیں پائی جاتی ہیں۔ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ سے ملحق تنظیموں میں مسلم عرب یوتھ ایسوسی ایشن، مسلم یوتھ آف نارتھ امریکہ، کونسل آف اسلامک اسکولس آف نارتھ امریکہ، مسلم چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور ملائیشین اسلامک اسٹڈی گروپ شامل ہیں۔

12.5.5 اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی سرگرمیاں

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی خدمات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ یہ ادارہ ملک میں بسنے والے تمام مقامی اور غیر مقامی باشندوں کے لیے مختلف النوع خدمات انجام دیتی ہے جیسے وہاں بسنے والے مسلمانوں کی اسلامی ضروریات کا خیال رکھنا اور انہیں پورا کرنا، حسب ضرورت انہیں اسلامی معلومات فراہم کرنا، ان کی دینی تربیت کا انتظام کرنا، ان کے بچوں کے لیے اسلامی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا، مختلف موضوعات جیسے بڑھاپا، اخلاقیات اور گھریلو تشدد وغیرہ پر گاہے بگاہے سیمینار کا انعقاد کرنا، امریکہ آنے والی اہم دینی شخصیات کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے اعزاز میں مختلف قسم کے پروگرام کا انعقاد کرنا، سیاہ فام مسلمانوں سے رابطہ قائم کرنا اور انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا، اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح معلومات کا فراہم کرنا اور ان کے متعلق پائی جانے والی غلطیوں کو دور کرنا، ملک میں پائی جانے والی مساجد کو آپس میں جوڑنا اور ایک دوسرے کے قریب لانا، ادارہ کی سرگرمیوں اور ملک میں موجود مسلمانوں کے حالات اور انہیں درپیش مسائل سے آگاہ کرنے کے لیے پندرہ روزہ "اسلامک ہورائزن" نامی رسالہ کو شائع کرنا، سالانہ اجتماعات کا انعقاد کرنا وغیرہ۔

12.6 یوروپین افتاکونسل (European Council for Fatwa and Research)

یوروپین افتاکونسل کا شمار مغرب کے اہم اداروں میں ہوتا ہے جس کا بنیادی مقصد یوروپ میں مقیم مسلمانوں کو روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے نت نئے مسائل کے حوالہ سے دینی ومذہبی رہنمائی فراہم کرنا ہے اور ایک الگ اور نئے ماحول میں اسلامی زندگی گزارنے

کے آداب سکھانا ہے۔

12.6.1 یورو پین افتا کونسل کا قیام اور اس کا سبب

یورو پین افتا کونسل کے قیام کا فیصلہ اتحاد تنظیمات اسلامی برائے یوروپ کے اجلاس لندن مارچ 1997 میں کیا گیا تھا جس میں 15 ممالک کے سربر آوردہ علما و مفکرین نے شرکت کی تھی۔ اس تنظیم کے موسس مشہور اسلامی اسکالر یوسف قرضاوی تھے۔ کونسل کا صدر دفتر ڈبلن (آئرلینڈ) میں ہے۔ کونسل کے علاوہ آئرلینڈ میں اسلامک ایسوسی ایشن آف

مشرق کے مختلف ممالک سے مغربی ممالک میں جا بسنے مسلمان والوں کو وہاں پہنچ کر نت نئے مسائل خاص طور سے حلال و حرام کے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ انہوں نے اس مسئلہ کا فوری حل تو یہ نکالا کہ اپنے اپنے ممالک کے علما اور فقہا سے رجوع کیا اور ان کی ہدایات پر عمل کیا لیکن روز بروز پیش آنے والے نت نئے مسائل کا یہ کوئی مستقل حل نہیں تھا بلکہ کافی طویل اور پیچیدہ تھا۔ اس طریقہ کار سب سے بڑی خامی یہ تھی کہ ان ممالک کے علما یوروپ کے حالات کو سمجھے بغیر فتوی صادر کر دیتے تھے جو مسائل کو مزید پیچیدہ کر دیتے تھے تاہم ایک زمانہ تک اس طریقہ کار پر عمل کیا جاتا رہا لیکن جب مسائل بہت زیادہ بڑھ گئے تو مختلف ممالک سے علما کو یوروپ میں بلایا گیا تا کہ انہیں پیش آنے والے دینی مسائل کا حل فوری طور پر مل جائے، مساجد میں امامت کے فرائض انجام دیں اور ان کی نئی نسل کو بنیادی تعلیم بھی دیں لیکن اس طریقہ کار کی سب سے بڑی خامی یہ تھی یوروپ بلائے جانے علما کی بنیادی نشوو نما اپنے اپنے ممالک کے ماحول میں ہوئی تھی اور وہ ان ممالک کے ماحول سے نہ اپنے آپ کو مکمل طور ہم آہنگ نہ ہونے اور وہاں کی دینی ضرورت اور مسائل کو کماحقہ سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے کبھی کبھی ایسے فیصلے صادر ہو جاتے تھے کو صورت حال کو مزید پیچیدہ کر دیتے تھے۔ جب یہ صورت حال بھی بہت پیچیدہ ہو گئی اور آسانیاں پیدا کرنے کی بجائے پریشانیوں کا سبب بننے لگیں تو یوروپ میں مقیم مسلمانوں نے ان علما و فقہا کی خدمات لینے کا فیصلہ کیا جو ان ممالک کے حالات اور وہاں کی ضروریات کو جانتے ہوں اور سمجھتے ہوں اور ان کے مطابق فیصلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے یوروپ و امریکہ میں مذہبی امور انجام دینے والے افراد کی ضروریات اور حالات کے مطابق تربیت دینے کا فیصلہ کیا اور یورو پین افتا کونسل کا قیام عمل میں آیا۔

12.6.2 یورو پین افتا کونسل کے مقاصد

یوروپ کے مسلم علما اور دانشوران کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے ایک پلیٹ فارم مہیا کرانا۔

مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے حالات و ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہی مسائل کا کوئی متحدہ حل پیش کرنا اور ایسے اجتماعی فتوے جاری کرنا جو سارے مغربی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے قابل عمل ہوں۔

مغربی ممالک میں بسنے والی مسلم اقلیت کو درپیش مسائل کا مطالعہ کرنا اور تحقیق کے بعد اسلام کے شرعی اصولوں کے مطابق حل کرنے کی کوشش کرنا۔

وہاں کی نئی نسل میں اسلامی شریعت کے تئیں بیداری پیدا کرنا اور فتوؤں کو اس طرح عقلی انداز میں پیش کرنا کہ وہ سبھی کے قابل قبول ہوں۔

12.6.3 یوروپین افتا کونسل کا تنظیمی ڈھانچہ

یوروپین افتا کونسل کے ارکان میں مختلف مشرقی و مغربی ممالک کے مسلم علما اور دانشوران شامل ہیں۔ تنظیم کا ڈھانچہ صدر، دو نائب صدور، جنرل سکریٹری، نائب جنرل سکریٹری اور ممبران پر مشتمل ہے۔ موجودہ صدر صہیب حسن احمد ہیں اور اہم ممبران میں احمد جاد اللہ (نائب صدر)، حسین محمد حلاوہ (جنرل سیکریٹری)، خالد حنفی (نائب جنرل سکریٹری)، عربي بشري، امین حزمی، احمد راوی، راشد غنوشی جیسے یوروپ کے اہم مفکرین شامل ہیں۔

یوروپین افتا کونسل نے اپنی پانچ ذیلی کمیٹیاں برطانیہ، فرانس، جرمنی (المانیا)، نمسا (النمسا) اور سوید (السوید) میں قائم کی ہیں جہاں سے فتاوی جاری کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ فرانس میں اس کی ایک ریسرچ کمیٹی بھی ہے جو کونسل کے آرگن کو شائع کرتی ہے۔ مزید برآں ان کی ترجمہ کمیٹی بھی ہے جو اپنی مطبوعات کا ترجمہ دیگر زبانوں میں کرتی ہے۔

کونسل اپنے تمام ممبران یا اکثر ممبران کی موجودگی میں عمومی اجلاس یا خصوصی اجلاس میں اپنے نام سے فتاوی و تجاویز کو جاری کرتی ہے جس کے اختلاف کا حق سارے ممبران کو حاصل ہوتا ہے۔ کونسل کے صدر یا کسی ممبر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کونسل کی موافقت کے بغیر کونسل کے نام سے کوئی فتوی جاری کرے۔ انہیں یہ بھی حق نہیں حاصل ہے وہ ممبر کونسل کی حیثیت سے یا کونسل کے لیٹر ہیڈ پر کوئی فتوی جاری کریں لیکن انہیں اپنے نام سے، اپنے لیٹر ہیڈ پر فتوی جاری کرنے کا حق ہے۔

12.6.4 یوروپین افتا کونسل کے بنیادی موضوعات

یوروپین افتا کونسل کے پیش نظر یوروپ میں بسنے والے مسلمانوں کے حوالہ چند موضوعات بنیادی موضوعات ہیں اور وہ اپنی ساری توجہ انہیں موضوعات پر مبذول رکھتی ہے۔ ان موضوعات میں یوروپ میں بسنے والی مسلم اقلیت کے لیے احکام عبادات، ان کے لیے سیاسی فقہ، ان کے مالی، اوقاف و وصایا سے تعلق رکھنے والے معاملات، مسلم یوروپین عورتوں کے مسائل اور یوروپ میں بسنے والے خاندانوں کی فقہیات، رؤیت ہلال، خاص طور رمضان کے چاند کی رؤیت، دار الاسلام سے باہر شرعی فیصلہ، اسلاموفوبیا اور ان سے نبرد آزما ہونے کے طریقے، دہشت گردی سے عدم تعلق کا اظہار وغیرہ شامل ہیں۔

12.6.5 یوروپین افتا کونسل کی سرگرمیاں

یوروپین افتا کونسل جدید مسائل کا حل پیش کرنے کے کانفرنسوں کا ایک تسلسل کے ساتھ انعقاد کرتی ہے۔ ویکیپیڈیا کے مطابق کونسل نے 1997 تا 2014 کے درمان 24 کانفرنسوں کا انعقاد کر چکی ہے۔ اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کرنے کے لیے ایک میگزین بھی شائع کرتی ہے جس میں نئے فتاوی اور فقہی مباحث وغیرہ شائع کیے جاتے ہیں۔ مزید برآں وہ علما و فقہا کی تربیت کے لیے مختلف ورکشاپ کا انعقاد

بھی وقتاً فوقتاً کرتی ہے۔ کونسل کی جانب سے اب تک کئی کتابیں اور فتاوی کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ کونسل کی جانب سے شائع ہونے سب سے مشہور کتاب کا نام "الدلیل الفقہی للمسلم الاوروبی" ہے۔

12.7 مغرب کے دیگر ادارے

مغرب کے مذکورہ بالا اداروں اور تنظیموں کے علاوہ وہاں متعدد علاقائی اور محدود نوعیت کی حامل چھوٹی بڑی تنظیمیں پائی جاتی ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ ہیں۔ یہ تنظیمیں اور ادارے اپنے اپنے شہر میں رہنے والے مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے رات دن ایک کیے ہوئے ہیں۔ ان جن کا بنیادی مقصد مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنا، ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کرنا اور انہیں اعلی تعلیم یافتہ بنانا ہے۔ ان محدود اور مقامی اداروں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

12.7.1 کل امریکی ادارے اور تنظیمیں

1. **فاؤنڈیشن آف اسلامک ایسوسی ایشن (Foundation of Islamic Association/ FIA)**

اس تنظیم کا شمار بھی امریکہ کی اہم تنظیموں میں ہوتا ہے جس کے اثرات پورے امریکہ پر مرتب ہوئے ہیں۔ یہ تنظیم صرف عربوں کے ساتھ مخصوص ہے اور قدرے ترقی پسند بھی ہے۔

2. **اسلامک پارٹی آف امریکہ (Islamic Party of America)**

امریکہ کے سیاہ فام مسلمانوں کی نمائندہ یہ پارٹی پورے امریکہ پر اپنے اثرات رکھتی ہے۔ اس تنظیم کا صدر دفتر امریکہ کی راجدھانی واشنگٹن ڈی سی میں ہے۔

3. **دی ورلڈ کمیونٹی آف دی مسلمس ان دی ویسٹ (The World Community of the Muslims in the west)**

یہ تنظیم بھی امریکہ کے سیاہ فام مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے اور ان کے مسائل و مشکلات کو دور کرنے میں پیش پیش رہتی ہے۔

12.7.2 علاقائی اور محدود نوعیت کی حامل تنظیمیں اور ادارے

یہ تنظیمیں زیادہ تر کسی نہ کسی ملک و قوم - ترکی، مصر، ہندوستان اور پاکستان وغیرہ - کی نمائندگی کرتی ہیں اور محدود پیمانے پر کام کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض صرف اپنے اپنے شہروں تک محدود ہیں تو بعض نے اپنے دائرہ کار میں پوری ریاست کو شامل کر رکھا ہے۔ ذیل میں صرف دو اداروں کا ذکر کیا جارہا ہے جن میں سے ایک ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر نظر رکھنے اور انہیں حل کرنے میں پیش پیش رہتا ہے تو دوسرا شکاگو میں مقیم مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم و تربیت میں مصروف عمل ہے۔

1. **کنسلٹیٹیو کاؤنسل آف انڈین مسلمس (Consultative Council of Indian Muslims/ CCIM)**

اس ادارہ کا دائرہ کار صرف ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل اور معاملات پر محیط ہے۔ یہ ادارہ معیاری اور تعمیری انداز میں کام کر رہا ہے کہ اس کے کارکنان ہمہ وقت ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں اور ان کے مسائل پر تحقیقی کام میں

مصروف رہتے ہیں۔

.2 مسلم کمیونٹی سینٹر (Muslim Community Center/MCC)

شکاگو میں مسلمان ایک اچھی خاصی تعداد میں رہتے ہیں جن کا اجتماعی شعور کافی پختہ ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ کم از کم اس شہر میں ایک ایسا مسلم معاشرہ قائم کردیں جو پورے امریکہ کے لیے ایک نمونہ اور ماڈل بن جائے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر انہوں نے اس ادارہ کو قائم کیا ہے۔ اس ادارہ میں نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا نظم ہے ساتھ ہی ساتھ مذاکروں اور اجتماعات کے ذریعہ مسلم ذہن کی تربیت بھی کی جاتی ہے۔

12.8 مغرب کے دیگر اسلامی ادارے

مغرب میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سکونت پذیر ہے اور وہ وہاں اسلامی شعار اور پہچان کے ساتھ نہ صرف رہتے ہیں بلکہ اس بات کے لیے بھی وہ کوشاں ہیں کہ جدید نسل بھی اس متصف ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے مختلف مقاصد کی حامل متعدد تنظیمیں اور ادارے قائم کیے جنہوں نے اسلام کی صحیح تصویر مغربی معاشرہ کے سامنے پیش کی ہے اور وہاں اسلام کے فروغ کا سبب بن گئی ہیں۔ یہ تمام ادارے اپنے اپنے مخصوص میدان عمل میں اسلامی ذہن و تخیل کو بنیاد بنا کر کام کر رہی ہیں۔ ان اداروں کی تعداد کافی ہے جن میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رابطہ عالم اسلامی نے تقریباً ساری دنیا میں اسلامک کلچرل سینٹرس کو قائم کیا ہے اور وہ بہت تندہی کے ساتھ اسلام اور اس کی تعلیمات سے مغرب کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کو واقف کرا رہے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی کے اسلامی مراکز کو چھوڑ کر مغرب کے چند اسلامی اداروں کے نام ذیل میں درج کیے جارہے ہیں:

* آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ (OCIS)۔
* اسلامک اینڈ کلچرل ایسوسی ایشن ان رومانیا (Islamic and Cultural Association in Romania)۔
* اسلامک ایوسی ایشن آف آئرلینڈ (Islamic Association of Ireland)۔
* اسلامک ٹیچنگ سینٹر (Islamic Teaching Center)۔
* اسلامک سوسائٹی آف جرمنی (Islamic Society of Germany)۔
* اسلامک کلچرل سینٹر، پولینڈ (Islamic Cultural Centre)۔
* اسلامک کلچرل سینٹر، لندن (Islamic Cultural Centre)۔
* اسلامک کورآڈنیٹنگ کونسل آف امریکہ (Islamic Coordinating Council of America)۔
* اسلامک کونسل آف کلچرل سینٹر آف آئرلینڈ (The Islamic Cultural Centre of Ireland/ICCI)۔

* ترکش اسلامک یونین فار ریلیجیس افیئرز، جرمنی

(Turkish Islamic Union for Religious Affairs)۔

* دی مسلم ایسوسی ایشن آف برٹین (The Muslim Association of Britain/MAB)۔

* دی یونین آف اسلامک آرگنائزیشن ان فرانس

(The Union of Islamic Organizations in France/ UOIF)۔

* سینٹرل کونسل آف مسلمس ان جرمنی(Central Council of Muslims in Germany)۔

* فقہ کونسل آف نارتھ امریکہ(Fiqh Council of North America)۔

* فیڈریشن آف اسلامک آرگنائزیشن ان یوروپ، برطانیہ۔

(Federation of Islamic Organization in Europe (FIOE)۔

* فیڈریشن آف اسلامک آرگنائزیشن اینڈ کمیونٹیز ان اٹلی

(Federation of Islamic Organization and Communities in Italy/UCOII)۔

* کناڈین مسلم ایسوسی ایشن(Canadian Muslim Association)۔

* کونسل آف یوروپین مسلمس(Council of European Muslims / CEM)۔

* مارک فیلڈ انسٹی ٹیوٹ آف ہائر ایجوکیشن

* نیشنل اسلامک ٹرسٹ(National Islamic Trust)۔

* نیو مسلم پروجیکٹ

12.9 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اس اکائی سے ہمیں مغرب کے ان اداروں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جنہیں وہاں بسنے والوں مسلمانوں نے اپنے اسلامی امور کو انجام دینے، آنے والی نسل کے ایمان ودین کی حفاظت، انہیں اسلامی ودینی ماحول فراہم کرنے اور انہیں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ضروری اور بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے قائم کیے تھے۔
- مغرب میں اسلامی اداروں کے قیام کا سہرا ان طلبا کے سر بندھتا ہے جو اعلی تعلیم کے لیے مغرب کا رخ کیا اور وہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔ انہیں وہاں اسلامی زندگی گزارنے کے حوالہ سے متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مغرب کا رخ کرنے والے طلبا میں ایک

بڑی تعداد ان طلبا کی تھی جو اپنے اپنے ممالک کی اسلامی تحریکات سے یا تو وابستہ تھے یا ان سے متاثر تھے۔ اسلامی تحریکات سے وابستگی نے ان میں اجتماعیت کا شعور پیدا کر دیا تھا۔ اسی اجتماعی شعور نے انہیں ادارہ اور تنظیم قائم کرنے کا حوصلہ بخشا اور انہوں نے وہاں پہلی طلبا تنظیم مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی بنیاد ڈالی۔ مغرب میں قائم کیے جانے والے اداروں اور تنظیموں میں کئی ایک اداروں اور تنظیموں کا تعلق کسی نہ کسی طور اس پہلی تنظیم سے تھا اسی لیے اس تنظیم کو مغرب میں قائم ہونے والے اداروں اور تنظیموں کی ماں کہا جاتا ہے۔

- مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے علاوہ مغرب کے اہم اداروں و تنظیموں میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ اور یوروپین افتا کونسل، اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، ایسوسی ایشن آف مسلم سائنٹسٹس اینڈ انجینئرس، ایسوسی ایشن آف مسلم شوسل سائنٹسٹس، اسلامک ایوسی ایشن آف آئرلینڈ، آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ، فیڈریشن آف اسلامک آرگنائزیشن اینڈ کمیونیٹیز ان اٹلی اور فیڈریشن آف اسلامک آرگنائزیشن ان یوروپ، برطانیہ وغیرہ شامل ہیں شامل ہیں جن کے گہرے اثرات مغرب کے مسلم معاشرہ پر مرتب ہوئے ہیں۔

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

12.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. نیشن آف اسلام کا قیام کب عمل میں آیا تھا؟

(a). 1930ء　(b). 1949ء　(c). 1950ء　(d). 1910ء

2. مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی بنیاد کہاں رکھی گئی تھی؟

(a). آکسفورڈ　(b). برلن　(c). لندن　(d). شکاگو

3. مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کتنے زون میں منقسم ہے؟

(a). 2　(b). 3　(c). 4　(d). 5

4. اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a). 1980ء　(b). 1982ء　(c). 1984ء　(d). 1985ء

5. اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کا صدر دفتر کہاں ہے؟

(a). پلین فیلڈ　(b). نیویارک　(c). لندن　(d). آکسفورڈ

6. اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ میں شامل بنیادی تنظیموں کی تعداد کتنی ہے؟

(a). تین　(b). چار　(c). پانچ　(d). چھ

7. یورپین افتا کونسل کب قائم کی گئی تھی؟

(a).1995ء (b).1996ء (c).1997ء (d).1999ء

8. یورپین افتا کونسل کے بانی کون ہیں؟

(a).ڈاکٹر یوسف قرضاوی (b).طہ جابر علوانی (c).راشد غنوشی (d).ان میں سے کوئی نہیں

9. یورپین افتا کونسل کے پہلے صدر کون تھے؟

(a).ڈاکٹر یوسف قرضاوی (b).طہ جابر علوانی (c).راشد غنوشی (d).ان میں سے کوئی نہیں

10. یورپین افتا کونسل کے موجودہ صدر کون ہیں؟

(a).احمد جاداللہ (b).راشد غنوشی (c).حسین محمد حلاوہ (d).صہیب حسن احمد

12.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. یوروپین افتا کونسل کے بنیادی موضوعات کیا کیا ہیں؟
2. اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ سے کون کون سی تنظیمیں ملحق ہیں؟
3. یوروپین افتا کونسل کی انتظامی تقسیم پر ایک نوٹ لکھیے۔
4. مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے تنظیمی امور پر روشنی ڈالیے۔
5. اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے تنظیمی امور پر ایک نوٹ لکھیے۔

12.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. یوروپین افتا کونسل کے تنظیمی ڈھانچہ پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کے قیام کے اسباب پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن پر ایک نوٹ لکھیے۔

12.11 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تنظیموں کی ویب سائٹس اور مضامین

اکائی 13:   عالم اسلام کے چند ادارے: رابطہ عالم اسلامی

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید
13.1 مقاصد
13.2 رابطہ عالم اسلامی
13.2.1 پس منظر
13.2.2 تعارف
13.2.3 مرکزی دفتر اور سینٹرس
13.2.4 رابطہ کے مقاصد
13.2.5 سرگرمیاں
13.2.6 کانفرنس
13.2.7 میثاق مکہ مکرمہ
13.2.8 جنرل سیکریٹری
13.3 رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت ادارے
13.3.1 المؤتمر الاسلامی العام
13.3.2 مجلس تاسیسی
13.3.3 المجلس الاعلیٰ العالمی المساجد
13.3.4 مجلس المجمع الفقہی
13.3.5 ھیئۃ الاغاثۃ الاسلامیہ المالیہ / عالمی اسلامی ریلیف کمیٹی
13.4 اکتسابی نتائج

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

13.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

مسلم ورلڈ لیگ ایک مذہبی اور ثقافتی کردار کی تنظیم ہے جو سب سے زیادہ فعال ہے۔ یہ تنظیم اسلام کو اس کی حقیقی صورت میں قرآن وسنت کے مطابق پوری دنیا میں پیش کرتی ہے۔ مسلمانوں کو اتحاد کے ساتھ ان کے حقوق کا بھی دفاع کرتی ہے۔ مکالمے کے کلچر کو فروغ دیتی ہے اور آپؐ کے پیغام کی اشاعت کے لیے کوشاں رہتی ہے۔ مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ اور یکجہتی کو فروغ دیتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ تنظیم تین کونسل پر مشتمل ہے۔GIC۔اس کی نمائندی سینیر مبلغین کا گروپ کرتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اسلامی مسائل پر کام کرنے کے لیے وقف کرر کھاہے۔ آئینی کونسل۔ جو رابطہ عالم اسلامی کی اعلیٰ اتھارٹی ہے، جو جنرل سکریٹری کے تمام منصوبوں کی تکمیل کرتا ہے۔ کونسل برائے مساجد: اس میں 40 ممبران ہوتے ہیں جن کو دنیا بھر سے منتخب کیا جاتا ہے اور یہ لوگ رضاکارانہ طور پر اس کا حصہ بنتے ہیں۔ 1962 میں اپنے قیام کے بعد سے، اس تنظیم نے بہت سے ادارے اور شاخیں قائم کیں، جو اپنے مقاصد کی تکمیل کی طرف گامزن ہیں۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ رابطہ عالم اسلامی کے وجود میں آنے کا پس منظر، قیام اور اس کے مقاصد کے بارے میں جانیں۔ اس کے علاوہ اس تنظیم کی نوعیت کیا ہے اور کون کون سی تنظیمیں اس کے تحت کام کرتی ہیں اور ان کے کام کرنے کا طریق کار کیا ہے۔ ان سب کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

13.2 رابطہ عالم اسلامی

13.2.1 پس منظر

بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسلامی دنیا کئی طرح کے مسائل سے پریشان تھی۔ ان میں ایک بڑا مسئلہ مسلم دنیا کے حریت

پسندوں اور جدید تعلیم طبقات میں اشتراکیت کا فروغ تھا۔ عرب قومیت کا جنون بھی سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ ایسے ماحول میں دین دار طبقہ کے اندر ایک طرح کی بے چینی پائی جارہی تھی کیوں کہ عرب قومیت ہو یا اشتراکیت دونوں صورتوں میں نشانہ دین پسند لوگ ہی بنتے تھے۔ جمال الدین افغانی کی کوشش ناکام ہونے کے بعد بھی اسلامی اتحاد و یکجہتی کی خواہش ہر مسلمان میں پائی جاتی تھی لیکن عملی طور پر آگے بڑھ کر کوئی جدوجہد کے لیے تیار نہ تھا۔ 1960ء میں سعودی کے ولی عہد شاہ فیصل نے اپنی قیادت میں اتحاد اسلامی کا نعرہ بلند کیا تو جدوجہد شروع ہوئی جس کو مسلم دنیا کے دین پسند حلقوں میں پذیرائی ملی۔ لیکن مسلم دنیا کے حکمراں قبضے میں اس نعرے کو قبولیت نہیں ملی۔ مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور تعاون کو فروغ دینے کے تحت 1962ء میں سعودی حکومت نے اسلامی اتحاد کا جائزہ لینے کے لیے موسم حج میں مسلم دنیا کے دانشوروں، سیاست داں اور علمائے دین کو سعودی آنے کی دعوت دی اور کثیر تعداد میں لوگ اتحاد کے امکانات کا جائزہ لینے اور غور و فکر کے لیے اکٹھا ہوئے۔ حج کی تکمیل کے بعد اس اجتماع کی شروعات ہوئی جس میں 111 لوگ شریک ہوئے۔ اجتماع میں بحث و مباحثے کے بعد 18 / مئی 1962ء کو رابطہ عالم اسلامی (Muslim World Leauge) کا قیام عمل میں آیا۔

13.2.2 تعارف

رابطہ عالم اسلامی ایک بین الاقوامی مسلم جماعت قرار دی گئی اور اس کو مسلمانوں کی عوامی وثقافتی تنظیم کا نام دیا گیا۔ اس تنظیم کو عام مسلمانوں کی خدمت کے لیے بنایا گیا اور اس وقت رابطہ کی جانب سے جو بیان جاری کیا گیا تھا اس میں وضاحت کی گئی کہ یہ تنظیم اسلام کے پیغام کو عام لوگوں تک پہنچائے گی اور اس کے خلاف ہونے والی سازشوں کا مقابلہ کرے گی۔ اس تنظیم کی مختلف ممالک میں کم و بیش 50 شاخیں ہیں۔ اس تنظیم کو اقوام متحدہ کا غیر سرکاری رکن تسلیم کیا جاتا ہے۔ پہلے اجلاس میں ہی 21 علمائے کرام و دانشور کو مجلس تاسیسی کے لیے منتخب کیا گیا جس کی تعداد بعد میں بڑھا 60 کر دی گئی۔ ان کا انتخاب علمی لیاقت و شہرت کی بنیاد پر ہوتا ہے لیکن عملی طور پر سعودی عرب کی کوششوں کی وجہ سے سعودی علما کا غلبہ رہا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی مسلمانوں کے لیے اقوام متحدہ کی طرح متحدہ گروپ بنانے کا خواب دیکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دوسری تنظیموں سے اپنا مقابلہ نہیں چاہتے ہیں۔ رابطہ عالم اسلامی نے دنیا بھر میں بہت سی مساجد تعمیر کی ہیں اس کے علاوہ اسکول، تربیتی مراکز، اسپتال کے لیے بھی اپنی خدمات پیش کرتی ہے۔ مسلم سوسائٹی میں ضرورت مندوں کی مدد پر پوری توجہ دیتے ہیں۔ رابطہ نے اپنے قیام سے ہی دنیا بھر میں مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے اور ان کے لیے چیزوں بہتر بنانے کے طریقے تلاش کرتی رہتی ہے۔ رابطہ اپنی کوششوں سے اسلامی پیغام کو عام کرتی رہتی ہے۔ رابطہ عالم اسلامی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ امت مسلمہ اور اس کے ضرورت مند لوگوں کی خدمات انجام دے۔ رابطہ عالم اسلامی افراد انجمنوں و تنظیموں کی مدد کرنا اپنا فریضہ تصور کرتی ہے۔

طبی خدمات پہنچانے کے لیے رابطہ عالم اسلامی کی باقاعدہ اپنی ایک ایجنسی ہے جو اسلامک انٹر نیشنل ریلیف ایجنسی سے جانا جاتا ہے۔ جس کو رابطہ عالم اسلامی طبی امداد کے لیے بھیجتے ہیں۔ زکوۃ اور چندے کی امداد سے اسلامک ریلیف ایجنسی نے کلینک، ڈسپنسری، میڈیکل سینٹر اور دست کاری کے مراکز کھولے ہیں اور ان لوگوں کی موجودگی تقریباً سبھی مصیبت زدہ علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ ایجنسیاں بلا تفریق مذہب و ملت عوام الناس کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔ مسلم ورلڈ لیگ سعودی عرب میں قائم ایک غیر سرکاری اسلامی تنظیم ہے۔

رابطہ عالم اسلامی سب سے زیادہ بااثر بین الاقوامی اسلامی اداروں میں سے ایک ہے اور اس کا مسلم دنیا کے مختلف پہلوؤں بشمول ثقافتی، مذہبی اور سیاسی جہتوں پر نمایاں اثر ہے۔اس تنظیم کی بنیاد اسلامی اتحاد کو فروغ دینے اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے رکھی گئی تھی۔اسلامی لٹریچر کی اشاعت، تعلیمی اقدامات کو فروغ دینے، اور بین المذاہب مکالمے میں مشغول ہونے جیسی مختلف سرگرمیوں میں شامل ہے۔رابطہ عالم اسلامی نے اسلام کی جدیدیت سے متعلق گفتگو کو تشکیل دینے میں بھی اپنا کردار ادا کیا ہے۔رابطہ کا ترجمان "اخبار العالم الاسلامی" ہے

13.2.3 مرکزی دفتر اور سینٹرس

اس تنظیم کا مرکزی دفتر مکہ میں ہے۔اس کی بلڈنگ مکہ میں 53,000 مربع میٹر کی اراضی پر واقع ہے اور یہ پانچ منزلوں پر انتظامی دفاتر، پارکنگ، ایک کانفرنس کی عمارت، ایک مسجد، ایک لائبریری اور گوداموں پر مشتمل ہے۔مرکزی دفتر حرم شریف کے نزدیک ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ ایام حج میں دنیا بھر سے آئے ہوئے لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کا بہترین موقع ہے۔رابطہ عالم اسلامی کے پوری دنیا میں تقریباً 14 دفاتر ہیں مثلاً آسٹریا، ویانا، ارجنٹینا، برطانیہ، اسلامک کلچرل فاؤنڈیشن جنیوا، ایڈنبرگ، بوسنیا، برازیل وغیرہ۔رابطہ عالم اسلامی اپنے تمام مراکز کے توسط سے لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کرتا ہے اور اسلامی تعلیمات اور اصولوں کو اس طریقے سے پیش کرتا ہے جو دل ودماغ کو مخاطب کرسکے۔

13.2.4 رابطہ کے مقاصد

1. اسلام کا پیغام پہنچانا اور اسے پوری دنیا میں پھیلانا۔
2. اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کی وضاحت۔
3. اسلام کے بارے میں بہتان اور شبہات کی تردید۔
4. اسلامی یکجہتی کی حمایت کریں۔
5. عالم اسلام کے مسائل کی خدمت

لیگ کا مقصد مسلمانوں کے درمیان افہام وتفہیم اور تعاون کو فروغ دینا، ان کے حقوق کا دفاع کرنا اور اسلام کی غلط بیانیوں کا مقابلہ کرنا ہے۔یہ اسلامی تعلیم اور ثقافتی تبادلے کو بھی سپورٹ کرنا چاہتا ہے۔رابطہ عالم اسلامی کئی اہم وجوہات کی بنا پر قائم ہوئی:

1. اسلامی اتحاد کا فروغ: کے بنیادی مقاصد میں سے ایک دنیا بھر کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو فروغ دینا ہے۔ تنظیم کا مقصد مسلم کمیونٹی کے اندر تقسیم کو دور کرنا اور مختلف ثقافتوں اور اقوام میں ایک مربوط اسلامی شناخت کو فروغ دینا ہے۔
2. سیاسی چیلنجوں کا جواب: اسلامی دنیا میں اہم سیاسی تبدیلیوں کے دوران تشکیل دیا گیا تھا، بشمول پان عربزم اور دیگر سیاسی تحریکوں کا عروج۔ تنظیم نے ان رجحانات کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے ایک ایسے نظریات کو فروغ دینے کی کوشش کی جو سعودی عرب کے مفادات اور پالیسیوں سے ہم آہنگ ہو۔

3. اسلام کا عالمی فروغ: رابطہ کو عالمی سطح پر اسلامی تعلیمات اور اقدار کو فروغ دینے کے لیے ایک وسیع حکمت عملی کے حصے کے طور پر تشکیل دیا گیا تھا۔ اس میں غیر عربی بولنے والی آبادی تک پہنچانے کے لیے قرآن اور دیگر اسلامی لٹریچر کا ترجمہ اور پھیلانا شامل ہے۔

4. اسلامی تعلیم اور نظریات کی حمایت: مسلم ورلڈ لیگ تعلیمی اقدامات اور اسلامی نظریات کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی ہے، اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ اسلام کا مستقبل سعودی عرب میں کی جانے والی کوششوں اور اسی طرح کے حالات پر منحصر ہے۔

5. موجودہ سیاسی رجحانات کے ساتھ مشغولیت: اپنے قیام کے بعد سے، مسلم ورلڈ لیگ نے اسلامی دنیا میں عصری سیاسی رجحانات کے ساتھ موافقت کی ہے، مختلف تحریکوں اور اقدامات کی حمایت کی ہے جو اس کے مقاصد کے مطابق ہیں۔

مجموعی طور پر، رابطہ عالم اسلامی کا قیام سعودی عرب کی جانب سے عالمی مسلم کمیونٹی پر اثر و رسوخ بڑھانے اور مختلف چیلنجوں کا سامنا کرتے ہوئے ایک متحد اسلامی محاذ کو فروغ دینے کی حکمت عملی ہے۔

13.2.5 سرگرمیاں

رابطہ عالم اسلامی کے کام کی نوعیت مختلف سرگرمیوں پر مشتمل ہے جس کا مقصد اسلام کو فروغ دینا اور عالمی مسلم کمیونٹی کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی مختلف سرگرمیوں میں مصروف ہے، بشمول کانفرنسوں کا انعقاد، اسلام پر لٹریچر شائع کرنا، اور انسانی امداد فراہم کرنا۔ یہ مسلمانوں کو متاثر کرنے والے عالمی مسائل کو حل کرنے کے لیے دیگر اسلامی تنظیموں اور حکومتوں کے ساتھ تعاون کرتی ہے یہاں اس کے کام کے کچھ اہم پہلو درج ذیل ہیں:

1. اشاعت اور ترجمہ: اسلامی لٹریچر کی اشاعت کو ترجیح دیتا ہے، بشمول قرآن اور دیگر مذہبی متون کے تراجم۔ یہ اسلامی تعلیمات کو غیر عربی بولنے والوں تک قابل رسائی بنانے کے لیے ترجمے کے مختلف منصوبوں میں شامل رہا ہے، اس طرح عالمی سطح پر اسلام کی بہتر تفہیم کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ رابطہ عالم اسلامی انگریزی و دیگر زبانوں میں قرآن کے ترجمے کو بڑی تعداد میں شائع کروا کر تقسیم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی لٹریچر کی بھی تقسیم اس کے منصوبہ کا حصہ ہے۔

2. تعلیمی اقدامات: تنظیم ایسے تعلیمی پروگراموں اور اداروں کی حمایت کرتی ہے جو اسلامی تعلیمات کو فروغ دیتے ہیں۔ اس میں اسکولوں، یونیورسٹیوں اور تربیتی مراکز کا قیام شامل ہے جو اسلامی تعلیم اور اقدار پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ مزید نصاب تعلیم تیار کرنے کا بھی اہتمام کرتی ہے اور سائنس و ٹیکنالوجی کی نصابی کتابیں غریب بچوں میں تقسیم کرتی ہے اور مسلم مصنفین کی تحریروں کی اشاعت میں مالی مدد بھی فراہم کرتی ہے۔ اسکول اور یونیورسٹی میں اسکالرشپ بھی دیتی ہے اور تعلیم کی مدد کے سلسلے میں مذہب کا امتیاز نہیں برتا جاتا۔

3. بین المذاہب مکالمہ: رابطہ عالم اسلامی مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان افہام و تفہیم اور تعاون کو فروغ دینے کے لیے بین

المذاہب مکالمے کو فروغ دیتا ہے۔ یہ متنوع آبادیوں کے درمیان امن اور بقائے باہمی کو فروغ دینے کے اس کے وسیع تر مقصد کا حصہ ہے۔ رابطہ نے انتہا پسندی کا مقابلہ کرنے اور امن کو فروغ دینے پر توجہ مرکوز کی ہے، اکثر بین الاقوامی فورمز اور بین المذاہب مکالمے پر بات چیت میں حصہ لیتی ہے۔

4. مسلم کمیونٹیز کے لیے وکالت اور حمایت: مسلم ورلڈ لیگ دنیا بھر کے مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کی وکالت کرتی ہے، اور چیلنجوں کا سامنا کرنے والی کمیونٹیز کو مدد فراہم کرتی ہے۔ اس میں انسانی امداد اور مسلمانوں کو متاثر کرنے والے سماجی اور سیاسی مسائل کو حل کرنے کی کوششیں شامل ہیں۔

5. گلوبل آؤٹ ریچ اور نیٹ ورکنگ: مسلم ورلڈ لیگ سو سے زیادہ ممالک میں کام کرتا ہے، اپنی رسائی کو بڑھانے کے لیے دفاتر اور شراکت داری قائم کرتا ہے۔ یہ اسلامی تنظیموں اور اسکالرز کے نیٹ ورکس بنانے کے لیے کام کرتا ہے تاکہ مختلف اقدامات پر تعاون اور ایک متحد اسلامی پیغام کو فروغ دیا جا سکے۔ برسوں کے دوران، مسلم ورلڈ لیگ نے اسلامی دنیا میں نمایاں اثر و رسوخ حاصل کیا ہے، اسلام کی معتدل تشریح کی وکالت اور مختلف ثقافتوں اور مذاہب کے درمیان مکالمے کو فروغ دیا ہے۔

رابطہ عالم اسلامی کا کام اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے، مسلمانوں کے درمیان اتحاد کو فروغ دینے اور دنیا بھر میں مسلم کمیونٹی کو درپیش عصری چیلنجوں سے نمٹنے کے عزم کے ساتھ نمایاں ہے۔

13.2.6 کانفرنس

1962ء سے آج تک جنرل اسلامی کانفرنس کا انعقاد کئی مرتبہ ہوا ہے۔

1. پہلی جنرل اسلامی کانفرنس کا انعقاد 1381ھ بمطابق 1962ء میں ہوا جس کے فیصلے کی روشنی میں رابطہ کا قیام عمل میں آیا۔
2. دوسری جنرل اسلامی کانفرنس کا انعقاد 1384ھ بمطابق 1965ء میں ہوا، جس کی اہم سفارشات میں سے ایک اسلامی یکجہتی کے تصور کی حمایت پر زور دیتے ہوئے اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں جیسے کہ دینی موانع کی کمزوری، فرقہ وارانہ فسادات میں اضافہ اور علاقائی مفادات کے تصادم کو دور کرنے کی سفارش کی گئی۔
3. تیسری جنرل اسلامی کانفرنس کا انعقاد 1408ھ بمطابق 1987ء کو ہوا، جس کی اہم سفارشات میں حرمین شریفین کے تقدس پر یقین اور مکہ مکرمہ، حرمت والے مہینوں اور شعائر حج کی تعظیم کی ضرورت پر زور دیا گیا اور یہ کہ حرمین کی سلامتی ان کے ساتھ وابستہ ہے جو مسلمانوں میں سے اس کا انتظام دیکھ رہے ہیں۔
4. چوتھی جنرل اسلامی کانفرنس کا انعقاد 1423ھ بمطابق 2002ء کو ہوا، جس کے اہم قرارداد امت مسلمہ، عالمگیریت اور اسلامی اقوام کے مسائل کے حل سے متعلق تھے۔ کانفرنس نے میثاق مکہ برائے انسانی خدمات اور فلسطین کے حوالے سے بیان بھی جاری کیا۔ کانفرنس نے ایک اعلی کوآرڈینیشن باڈی کی تشکیل اور مسلم علمائے کرام کے عالمی ادارے کے قیام کا بھی فیصلہ کیا۔

13.2.7 میثاق مکہ مکرمہ

رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام ایک اہم کانفرنس "میثاق مکہ مکرمہ کانفرنس" جو 27 تا 29 مئی 2019 میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں شرکت کے لیے دنیا کے تمام مسالک سے خاص لوگوں کو مدعو کیا گیا۔ 27 مسالک و مشارب سے منسلک 1200 علما و مفتیان کرام جو اپنے ملک و سماج میں اپنا اک مقام رکھتے ہیں اور دنیائے اسلام کے بہترین عالم شمار کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ 4500 سے زائد مسلم دانشور جو دنیا بھر کے 139 ممالک سے تشریف لائے۔ اس میں اہل سنت و اہل تشیع سبھی گروہوں کی ترجمانی کی گئی۔ ان لوگوں نے اس دستاویز کے تمام مندرجات کی بھرپور توثیق کی۔ اس پروگرام کی سرپرستی شاہ سلمان بن عبد العزیز نے فرمائی۔ اس طریقے کی دستاویز اسلامی تاریخ میں پہلی بار متعارف ہوئی۔ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ جو مسلمانوں کی تاریخ کا اہم حصہ شمار کی جاتی ہے ۔ آپ کے بعد اس نوعیت کی پہلی دستاویز جس میں انتہائی اہمیت کے حامل مسائل پر امت مسلمہ کے علمائے کرام کا اجماع سامنے آیا ہے۔ اس میثاق کو میثاق مدینہ کی بنیادوں پر تیار کیا گیا ہے۔ کانفرنس کے شرکاء مندرجہ ذیل اصولوں پر تاریخی دستاویز کو اپنانے پر زور دیتے ہیں:

1. انسان اپنی مختلف تقسیمات کے باوجود ایک اصل سے جڑے اور انسانیت میں یکساں ہیں۔
2. نسل پرستی کے عبارات اور نعرے مسترد، اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔
3. اقوام میں ان کے اعتقادات، تہذیب، طبیعت اور انداز فکر میں اختلاف تقدیر الٰہی ہے۔ اللہ کی حکمت بالغہ سے ہی ایسے ہوا اور اس تکوینی سنت کو تسلیم کرنا اور عقل و حکمت کے ساتھ ایسا سلوک روا رکھنا جو انسانوں کے مابین یکجہتی اور امن کا ذریعہ بن جائے، باہم دشمنی اور تصادم سے ہزار درجہ بہتر ہے۔
4. انسانی معاشروں میں دینی اور تہذیبی تنوع، تنازعہ اور تصادم کا ہرگز جواز نہیں ہے۔
5. تمام آسمانی مذاہب کی بنیاد ایک ہی ہے اور وہ بنیاد اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان ہے۔
6. اسلاموفوبیا، اسلام کی حقیقت، اس کی ثقافتی تخلیق اور بلند ترین مقاصد سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔
7. حدود اللہ کے دائرے میں رہتے ہوئے خواتین کو بااختیار بنانا اس کے حقوق میں سے ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی تجاویز ہیں مزید معلومات کے لیے رابطہ عالم اسلامی کی ویب سائٹ پر استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

13.2.8 جنرل سیکریٹری

سپریم کونسل، اور اس کا صدر دفتر مکہ میں ہے۔ یہ ایسوسی ایشن کی ایگزیکٹو باڈی ہے، جو سرگرمیوں کی براہ راست نگرانی کرتی ہے، سیکریٹریز، ایسوسی ایشن کے ملازمین اور اس کے ملازمین کی طرف سے جاری کیے گئے منصوبوں اور ہدایات پر عمل درآمد کے لیے ذمہ دار ہے۔ جنرل سیکریٹری کا انتخاب ہر پانچویں سال میں ہوتا ہے لیکن ضرورت کے تحت اس میعاد میں توسیع بھی کی جاتی ہے۔ اس کا انتخاب کسی بھی مسلم یا غیر مسلم پارٹی یا حکومت کے دباؤ سے بالکل آزاد ہے۔ اسی وجہ سے منتخب کیا گیا شخص بغیر کسی دباؤ کے آزادانہ طور پر کام کر سکتا ہے ۔ اس انتخاب میں کچھ اہم نکات کا خیال کیا جائے گا۔ درج ذیل ہیں:

انہوں نے اسلامی خدمات میں خصوصی رول ادا کیا ہو۔

تعظیم اور شہرت کے حامل ہوں۔

کسی جرم میں سزا یافتہ نہ ہوں بلکہ صاف ستھری شناخت کے حامل ہوں۔

دیگر ذمہ داری نہ ہو جس سے یہ ذمہ داری ادا کرنے میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔

نائب جنرل سکریٹری کے انتخاب کا حق جنرل سکریٹری کے پاس ہو گا جس کو ان کی غیر موجودگی میں وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو جنرل سکریٹری کو حاصل ہوں گے۔ جنرل سکریٹری کی وفات یا خرابی صحت کی وجہ سے اس وقت تک نائب ان ذمہ داری کو سنبھالے گا جب تک انتخاب کے ذریعہ جنرل سکریٹری نہ چن لیا جائے۔ اب تک رابطہ عالم کے جتنے سکریٹری منتخب ہوئے ہیں ان کی فہرست کے ساتھ ان کی میقات بھی درج کی جارہی ہے۔

رابطہ عالم کے پہلے سکریٹری شیخ محمد سرور الصبان 31 / اگست 1962ء تا 5 / جون 1970ء تک اس عہدے پر رہے۔ ان کے انتقال کے بعد شیخ محمد صالح القزازامین کو 1381ھ میں رابطہ عالم اسلامی کا ڈپٹی ڈائریکٹر منتخب کیا گیا اور سرور الصبان کی وفات کے دو سال بعد 14 / مئی 1972ء تا 6 / اپریل 1976ء تک جنرل سکریٹری کے عہدے پر رہے لیکن صحت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ اپنی میقات میں آپ نے اس کا دائرہ وسیع کیا اور رابطہ کو عالمی پہچان دلوائی۔ آپ کے بعد شیخ محمد حرکان کو 8 / اپریل 1976ء بنایا گیا جو 19 / جون 1983ء تک یعنی اپنی وفات تک اس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف 22 / جون 1983ء تا 12 / فروری 1994ء سکریٹری رہے۔ احمد محمد علی 13 / فروری 1994ء تا 2 / دسمبر 1995ء تک رہے۔ عبداللہ بن محمد صالح کی میقات 12 / جنوری 1996ء تا 4 / نومبر 2000ء تک رہی۔ عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی 5 / نومبر 2000ء تا 8 / اگست 2016 تک نے یہ ذمہ داری ادا کی۔ اس وقت رابطہ عالم اسلامی کی سکریٹری محمد بن عبدالکریم عیسیٰ ہیں۔ جو 11 / اگست 2016ء سے اس عہدے پر فائز ہیں۔

13.3 رابطہ عالم اسلامی کے ماتحت ادارے

رابطہ عالم اسلامی کے زیر نگرانی اداروں کی ایک طویل فہرست ہے ذیل میں ان میں سے کچھ کا خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔

13.3.1 المو تمر الاسلامی العام

یہ قانونی مجلس ہے جو مسلمانوں کی خواہشات، احساسات اور جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کے جلسوں کا انعقاد کرنے کا اختیار رابطہ کے جنرل سکریٹری کے پاس ہے۔ یہ دنیا بھر کے علماو مبلغین کو دعوت دیتی ہے اور ان کو منظم کر کے کام کو عمل میں لانے کی کوشش کرتی ہے۔ نئے اسلامی مسائل کو بحث میں لا کر اس کا حل نکالنے کی کوشش کرتی ہے۔

13.3.2 مجلس تاسیسی

یہ مجلس رابطہ کی سیاست اور اس کے موقف کو متعین کرنے کا کام کرتی ہے۔ اس کا کام دو اجلاسوں کے درمیان کی گئی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے جس کو جنرل سکریٹری پیش کرتے ہیں۔ اجلاس میں موضوع بحث مسائل کے متعلق قرار داد و تجاویز پاس کرتی ہے۔ اس مجلس کے رکن منتخب ہونے کے لیے شرط ہے کہ وہ عالم دین ہو یا وسیع معلومات کا حامل ہو۔ علمی یا غیر علمی کسی طرح کا دعوت اسلامی کی خدمات میں رول رہا ہو۔ مجلس کے ارکان کو کوئی تنخواہ نہیں دی جاتی ہے۔

13.3.3 المجلس الاعلیٰ العالمی المساجد

یہ اہم ادارہ جو رابطہ کی زیر نگرانی کام کرتا ہے اس کا قیام 1975ء کو شہر مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اس کے 53 تاسیسی ارکان ہیں جو 45 ملکوں اور اسلامی اقلیتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس مجلس کے قائم کرنے کا مقصد درج ذیل ہیں:

1. اسلام پر فکری و عملی حملوں کا جواب
2. اللہ کی دعوت دینے کی آزادی پر زور
3. ہر طرح کی زیادتیوں اور ناجائز قبضوں سے مساجد کی حفاظت
4. اسلامی اوقاف کی حفاظت
5. اسلامی اوقاف کا دفاع

13.3.4 مجلس المجمع الفقھی

اس مجلس کا قیام سعودی میں 12 / نومبر 1977ء کو ہوا اور ایسی فقہ اکیڈمی بنانے پر زور دیا گیا جس میں چاروں مسالک کی ترجمانی ہو اور ان مکاتب فکر کے بڑے علما و فقہا شامل ہوں۔ چنانچہ اس اکیڈمی میں اسلامی حکومتوں کے علما کو شامل کیا گیا۔ اس کا بنیادی کام سالانہ جلسوں میں علما و فقہا کو جمع کر کے فقہی مسائل پر بحث ہوتی ہے تاکہ اس مسئلے سے متعلق شرعی احکام کی وضاحت ہو سکے۔ اس کے علاوہ اسلامی فقہی ورثے کی تشہیر اور اصلاح، فقہ کے شعبوں میں سائنسی تحقیق کو بڑھاوا دینا، نئے مسائل پر ریسرچ اور فقہی کونسلوں کے زیر غور اسلامی احکام سے متعلق مذہبی اسکالرس کی آرا کو جمع کرنا اور انہیں شائع کر کے عام مسلمانوں کی درمیان تقسیم کروانا ہے۔ اس اکیڈمی میں 23 ممبران شامل ہیں۔ اس میں انتظامی امور کی دیکھ بھال کے لیے ایک ڈائریکٹر کا تقرر ہوتا ہے جس کا فیصلہ سعودی شاہی عدالت سے ہوتا ہے۔

1. سرگرمیاں

اسلامی فقہ کونسل کی سرگرمیاں مسلم ورلڈ لیگ کے تحت مختلف خدمات انجام دیتی ہے۔ جو معاصر مذہبی اور فقہی مسائل کو حل کرنے کے لیے ہیں۔ یہاں کونسل کی سرگرمیوں کے کچھ اہم پہلو ہیں:

نگرانی اور انتظام: کونسل کے روزمرہ کے امور کا انتظام ایک ڈائریکٹر کرتا ہے جو اس کے معاملات کی نگرانی کرتا ہے، فیصلوں پر

عمل درآمد کرتا ہے، اور کونسل کی قیادت اور کمیٹیوں کے درمیان رابطے کو ہم آہنگ کرتا ہے۔

کمیٹیاں: کونسل میں کئی خصوصی کمیٹیاں ہیں، مثلاً فقہی اصطلاحات کی کمیٹی: فقہی اصطلاحات کی تعریف کرتی ہے۔ فقہی ورثہ کمیٹی: غیر شائع شدہ فقہی ادب کی تحقیق کرتی ہے۔ سائنسی تحقیق کی کمیٹی: جدید مالیاتی معاملات کا مطالعہ کرتی ہے اور اس شعبے میں تحقیق کی حمایت کرتی ہے۔ مسودہ کمیٹی: عملی اطلاق کے لیے فقہی فیصلے تیار کرتی ہے۔ عصری مطالعات کی کمیٹی: جدید فکری رجحانات کا جائزہ لیتی ہے۔ انعامات کی کمیٹی: ممتاز محققین کے لیے مالی انعامات کی نگرانی کرتی ہے۔ اشاعتیں اور تحقیق: کونسل مختلف مسائل پر تحقیق اور فیصلے شائع کرتی ہے، بشمول جدید طبی اور سماجی موضوعات۔ اس نے 400 سے زائد کام شائع کیے ہیں۔

فورمز اور سیمینارز: کونسل اعتدال کو فروغ دینے اور مسائل جیسے کہ الحاد اور مغربی ممالک میں مسلم کمیونٹیز کے انضمام پر بات چیت کرنے کے لیے فورمز اور سیمینارز کا انعقاد کرتی ہے۔ یہ مقامی قوانین کا احترام کرنے اور علماء اور نوجوانوں کے درمیان مکالمے کو فروغ دینے کی اہمیت پر زور دیتی ہے ،۔ بین الاقوامی کانفرنسیں: کونسل متعلقہ مسائل پر بات چیت کرنے کے لیے بین الاقوامی اور علاقائی کانفرنسیں منعقد کرتی ہے، جو اسلامی فقہ میں اس کے قائدانہ کردار میں اضافہ کرتی ہیں۔ مجموعی طور پر، کونسل کی سرگرمیاں اس کے عزم کی عکاسی کرتی ہیں کہ وہ مسلم کمیونٹیز کو درپیش جدید چیلنجز کا سامنا کرتے ہوئے روایتی اسلامی اصولوں کی پاسداری کرے۔

ایک اہم مسئلہ جس پر اسلامی فقہ نے زیادہ توجہ دی، وہ موجودہ دور میں اسلامی معاشرے کے اندر الحاد کا مسئلہ ہے۔ کونسل کا اس مسئلے پر نقطہ نظر روایتی ہے، جو نوجوان نسل کو ایمان کی سچائیوں اور اسلامی رسومات کی عظمت کے بارے میں تعلیم دینے کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ ذمہ داری علماء، خاندانوں، اور کمیونٹی کے افراد پر عائد ہوتی ہے۔ کونسل نے علماء اور نوجوان مسلم نسل کے درمیان مؤثر رابطے کی ضرورت پر زور دیا ہے، اور نرم الفاظ اور اچھے طریقوں کے استعمال کی وکالت کی ہے۔ وہ نوجوانوں کو درپیش نفسیاتی، ذہنی، اور روحانی چیلنجز کو سمجھنے اور ان کا حل تلاش کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ، کونسل نے اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ الحاد کا مقابلہ کرنے اور مذہبی اقدار اور مقدسات کا تحفظ کرنے کے لیے اقدامات کریں، تاکہ مسلم کمیونٹی کی استحکام کو یقینی بنایا جا سکے۔

13.3.5 هيئة الاغاثة الاسلاميه الماليه / عالمی اسلامی ریلیف کمیٹی

جانی ومالی نقصان کو مد نظر رکھتے ہوئے رابطہ عالم اسلامی نے ایک ایسی تنظیم بنائی جو مکمل طور پر جنگوں، زلزلوں، قحط سالی، سیلاب اور دیگر مصیبتوں میں اپنی خدمات انجام دے سکے۔ رابطہ کی اس تنظیم نے اپنے مقاصد میں ان آفاتوں کو شامل کر کے اس نہج پر کلی طور پر کام کرنا شروع کیا۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مدد کے پیچھے جو تنظیمیں نفرت یا سماج میں زہر گھولتی ہیں اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس تنظیم کا قیام اکتوبر 1978ء میں ہوا لیکن جنوری 1979ء میں باقاعدہ طور پر عملاً اس کی کوشش شروع ہوئیں۔ اس تنظیم کو دنیا بھر میں اسلامی خیراتی ادارے کے طور پر شناخت حاصل ہے۔ دنیا بھر کے اہل ثروت لوگوں سے تعاون حاصل کر کے یہ تنظیم ضرورت مند اور مصیبت زدہ لوگوں کو تعاون کرتی ہے۔ امدادی کاموں کے علاوہ یہ تنظیم یتیم بچوں کی کفالت، دعوت کو پھیلانا، مساجد کی تعمیر اسکول اور تعلیم جیسے شعبوں میں بھی اپنا تعاون دیتی ہے۔ اس ادارے کو بین الاقوامی امدادی نظام کا موثر رکن تصور کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا کے بیشتر ممالک میں ریلیف سے لے کر تعلیمی،

سماجی، صحت اور ترقیاتی خدمات تک اپنی مختلف خدمات فراہم کرتا ہے۔ اس کے دفاتر اور نمائندے تقریباً 95 ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں۔

13.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور تعاون کو فروغ دینے کے تحت 1962ء میں سعودی حکومت نے اسلامی اتحاد کا جائزہ لینے کے لیے موسم حج میں مسلم دنیا کے دانشوروں، سیاست داں اور علمائے دین کو سعودی آنے کی دعوت دی اور کثیر تعداد میں لوگ اتحاد کے امکانات کا جائزہ لینے اور غور وفکر کے لیے اکٹھا ہوئے۔ حج کی تکمیل کے بعد اس اجتماع کی شروعات ہوئی جس میں 111 لوگ شریک ہوئے۔ اجتماع میں بحث ومباحثے کے بعد 18 / مئی 1962ء کو رابطہ عالم اسلامی (Muslim World Leauge) کا قیام عمل میں آیا۔
- رابطہ عالم اسلامی سب سے زیادہ بااثر بین الاقوامی اسلامی اداروں میں سے ایک ہے اور اس کا مسلم دنیا کے مختلف پہلوؤں بشمول ثقافتی، مذہبی اور سیاسی جہتوں پر نمایاں اثر ہے۔ اس تنظیم کی بنیاد اسلامی اتحاد کو فروغ دینے اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کے لیے رکھی گئی تھی۔
- جانی ومالی نقصان کو مدنظر رکھتے ہوئے رابطہ عالم اسلامی نے ایک ایسی تنظیم بنائی جو مکمل طور پر جنگوں، زلزلوں، قحط سالی، سیلاب اور دیگر مصیبتوں میں اپنی خدمات انجام دے سکے۔ رابطہ کی اس تنظیم نے اپنے مقاصد میں ان آفاتوں کو شامل کرکے اس نہج پر کلی طور پر کام کرنا شروع کیا۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مدد کے پیچھے جو تنظیمیں نفرت یا سماج میں زہر گھولتی ہیں اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس تنظیم کا قیام اکتوبر 1978ء میں ہوا لیکن جنوری 1979ء میں باقاعدہ طور پر عملاً اس کی کوشش شروع ہوئیں۔

13.5 نمونہ امتحانی سوالات

13.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. رابطہ عالم اسلامی کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a). 1962ء　(b). 1975ء　(c). 1974ء　(d). 1932ء

2. رابطہ عالم اسلامی کون سی اسلامی تنظیم ہے؟

(a). سرکاری　(b). غیر سرکاری　(c). دونوں صحیح　(d). سب غلط

3. رابطہ عالم اسلامی کا مرکزی دفتر کس ملک میں ہے؟

(a). یمن　(b). سعودی عرب　(c). بحرین　(d). قطر

4. رابطہ عالم اسلامی کی پہلی کانفرنس کب ہوئی؟

(a).1962ء (b).1992ء (c).2002ء (d).سب غلط

5. رابطہ عالم کے پہلے جنرل سکریٹری کون منتخب ہوئے؟

(a). شیخ سرور الصبان (b). شیخ محمد حرکان (c). محمد بن عبد الکریم عیسیٰ (d). عبد المحسن الترکی

6. موجودہ دور میں رابطہ کے جنرل سکریٹری کون ہیں؟

(a). شیخ سرور الصبان (b). شیخ محمد حرکان (c). محمد بن عبد الکریم عیسیٰ (d). عبد المحسن الترکی

7. المجلس الاعلیٰ العالمی المساجد کا قیام کب ہوا؟

(a).1975ء (b).1962ء (c).1977ء (d).سب صحیح

8. مجلس المجمع الفقہی کا قیام کس شہر میں ہوا؟

(a). یمن (b). سعودی عرب (c). بحرین (d). قطر

9. عالمی اسلامی ریلیف کمیٹی کا کب قائم کی گئی؟

(a).1975ء (b).1962ء (c).1977ء (d).1978ء

10. "میثاق مکہ مکرمہ کانفرنس" کس سال میں منعقد ہوئی؟

(a).1975ء (b).1962ء (c).1977ء (d).2019ء

13.5.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1. رابطہ عالم اسلامی کا پس منظر بیان کیجیے۔
2. رابطہ عالم کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
3. رابطہ عالم اسلامی کے اب تک کے سکریٹری کا جائزہ لیجیے۔
4. میثاق مکہ مکرمہ پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
5. مجلس المجمع الفقھی کی سرگرمیوں پر مختصر نوٹ لکھیے۔

13.5.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1. رابطہ عالم اسلامی کے مقاصد پر تفصیلی گفتگو کیجیے۔
2. رابطہ عالم اسلامی اور اس کے ماتحت ادارہ کا جائزہ لیجیے۔
3. رابطہ عالم اسلامی کی سرگرمیاں اور اس کی نوعیت پر مضمون لکھیے۔

13.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اداروں کی ویب سائٹس اور مختلف مضامین

اکائی 15:   عالم اسلام کے ادارے: تنظیم تعاون اسلامی اور ایسسکو

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 تنظیم تعاون اسلامی / آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس

15.2.1 تنظیم تعاون اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ

15.2.2 رکنیت

15.2.3 ڈھانچہ

15.2.4 ذیلی تنظیمیں اور ادارے

15.3 ایسسکو(ISESCO)

15.3.1 پس منظر اور قیام

15.3.2 ایسسکو کے اغراض و مقاصد

15.3.3 مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے وسائل

15.4 نمونہ امتحانی سوالات

15.4.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

15.4.2 مختصر جوابی سوالات

15.4.3 طویل جوابی سوالات

15.5 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں جب دنیا کے مختلف علاقے یورپی استعمار سے آزادی حاصل کرنا شروع کیے تو مسلم دنیا کے بھی بہت سے علاقوں کو آزادی ملی۔ تنظیم تعاون اسلامی جو پوری دنیا کے مسلم ممالک کا مشترکہ پلیٹ فارم ہے۔ اسی طرح سے ایسسکو تنظیم تعاون اسلامی کا ایک ذیلی ادارہ ہے جو اقوام متحدہ کے ادارے یونیسیف کے طرز پر کام کرتا ہے۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد آپ کو مسلم دنیا کی ان تنظیموں اور اداروں سے جانکاری فراہم کرانا ہے جو اہمیت رکھتی ہیں۔ تنظیم تعاون اسلامی اور ایسسکو کی حیثیت بین الاقوامی تنظیموں کی ہے اور ان کا دائرہ کار پوری دنیا ہے۔ اس اکائی میں ان تنظیموں کے قیام کا پس منظر، مقاصد اور کام کرنے کی نوعیت کے بارے میں آگاہی حاصل ہو گی۔

15.2 تنظیم تعاون اسلامی / آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس

اتحاد و اتفاق پر اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے جب کہ انتشار اور تفرقہ بازی سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ ان کے یہاں اتحاد و تعاون کی کمی پائی جاتی ہے۔ ماضی قریب میں مسلمانوں میں کئی ایسی نمایاں شخصیات گزری ہیں جنھوں نے مختلف سطحوں پر مسلمانوں کے درمیان اتحاد و تعاون کے لیے کوششیں کیں۔ اس حوالے سے سب سے نمایاں نام جمال الدین افغانی کا سامنے آتا ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی اتحاد اسلامی (مسلمانوں کے درمیان سیاسی اتحاد) کی کوششوں میں صرف کر دی۔ البتہ ان کی کوششیں سراہی تو ضرور گئیں لیکن عملاً انہیں کامیابی نہیں ملی۔ جمال الدین افغانی کے بعد بھی مسلم دنیا میں اس اتحاد و تعاون کے لیے مختلف کوششیں ہوئی ہیں۔ خاص طور پر بیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی اور اس کے بعد کی دہائیوں میں اس طرح کی کئی کوششیں ہوئیں لیکن ان کوششوں میں مسلم دنیا میں اس وقت پروان چڑھنے والے قومیت، اشتراکیت اور سیکولرزم جیسے نظریات اور ان کی بنیاد پر وجود میں آنے والے اختلافات مسلسل رکاوٹ بنتے رہے۔ البتہ 1962ء میں سعودی شہزادے اور ولی عہد -جو بعد میں سعودی عرب کے بادشاہ بھی بنے- فیصل کی کوششوں سے رابطہ عالم اسلامی کے قیام نے مسلم دنیا میں ایک سیاسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی خواہش کو مہمیز دی۔ اس دوران مشرق وسطیٰ کے سیاسی حالات نے اسے مزید تقویت دی۔ خاص طور پر 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عربوں کی شرمناک شکست سے مسلم دنیا سخت صدمے سے دوچار ہوئی اور مسلم دنیا کے سیاسی حلقوں میں بھی مسلمانوں کے کسی وسیع تر اتحاد کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جانے لگا۔ 1969ء میں ایک یہودی کے ذریعہ مسجد اقصیٰ کے ایک حصے میں آگ لگائے جانے کے واقعے نے ایک اسلامی سربراہی کانفرنس کی راہ بالکل ہموار کر دی۔ 22-25 ستمبر کو مراکش کے دارالحکومت رباط میں مسلم ممالک کے سربراہوں کی پہلی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں 24 مسلم ملکوں نے شرکت کی۔ مسلم سربراہوں کی رباط کانفرنس میں مسلم دنیا کے سیاسی رہنماؤں نے اس بات کو شدت کے ساتھ محسوس کیا کہ مسلم دنیا کے عوام میں اپنے مشترکہ مفاد کے لیے اتحاد یکجہتی کی زبردست خواہش پائی

جاتی ہے۔ چنانچہ اسلامی سربراہی کانفرنس کے اس احساس نے ہی بعد میں تنظیم اسلامی کانفرنس (اب اس کا نام تنظیم تعاون اسلامی ہے) کی شکل اختیار کی۔ مسلم ممالک کے سربراہوں کے اسی اجلاس میں یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ مشترکہ مفادات کے حصول کی غرض سے ایک مشترکہ پلیٹ فارم ناگزیر ہے۔

تنظیم اسلامی کانفرنس کا باضابطہ قیام مئی 1971ء میں عمل میں آیا البتہ اس کے قیام کا فیصلہ 1969ء کے رباط میں ہونے والے سربراہی اجلاس میں ہی کرلیا گیا تھا۔ اس وقت مسلم دنیا کے سیاسی حالات کے مدنظر تنظیم اسلامی کانفرنس کی حیثیت گرچہ سیاسی زیادہ تھی لیکن اس کے ابتدائی اہداف میں تنظیم کے رکن ملکوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی کے فروغ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تنظیم کے رکن ممالک کے درمیان اقتصادی، سماجی، ثقافتی، علمی اور دیگر وسیع میدانوں میں باہمی تعاون کو بڑھایا جائے۔ قیام کے بعد تنظیم اسلامی کانفرنس کا ایک اہم ہدف یہ بھی رہا کہ دیگر بین الاقوامی تنظیموں سے روابط قائم کرکے نسلی امتیاز و تفاوت اور استعمار کو اس کی تمام شکلوں میں بالکل جڑ سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے اور دنیا میں امن و سلامتی کے لیے انصاف پر مبنی جو کوششیں بھی ہوں ان کی حمایت کی جائے۔ تنظیم تعاون اسلامی کا ابتدا سے ہی اس پر اصرار رہا ہے کہ وہ مسلم دنیا کی تمام اقتصادی، سماجی اور ثقافتی اقدار کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔

تنظیم تعاون اسلامی میں سب سے زیادہ اہمیت رکن ممالک کے سربراہی اجلاس کو حاصل ہے جو وقفے وقفے سے مختلف ملکوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ اب تک تنظیم تعاون اسلامی کے کئی سربراہی اجلاس ہو چکے ہیں۔ پہلا سہ روزہ اجلاس 22-25، ستمبر 1969ء کو مراکش کے شہر رباط میں ہوا۔ اس اجلاس میں 24 مسلم ملکوں نے شرکت کی تھی۔ تنظیم کا دوسرا سربراہی اجلاس 22-24 فروری 1974ء کو پاکستان کے شہر لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں 36 مسلم ملکوں کے وفود نے شرکت کی۔ تیسرا سربراہی اجلاس 25-28، جنوری 1981ء کو سعودی عرب کے شہر طائف مکہ میں منعقد ہوا۔ اس سربراہی اجلاس میں 38 مسلم ملکوں نے شرکت کی تھی۔ تنظیم تعاون اسلامی کا چوتھا سربراہی اجلاس 16-19، جنوری 1984ء کو مراکش کے شہر کاسابلانکا میں منعقد ہوا، اس میں 42 مسلم ملکوں نے شرکت کی۔ پانچواں سربراہی اجلاس 26-28، جنوری 1987ء کو خلیجی ملک کویت میں منعقد ہوا۔ اس سربراہی اجلاس میں کل 44 ملکوں نے شرکت کی تھی۔ تنظیم کا چھٹا سربراہی اجلاس مغربی افریقی ملک سینگال کے شہر دارکا میں 9-11، دسمبر 1991ء کو منعقد ہوا۔ اس میں شریک ملکوں کی تعداد 45 تھی۔ تنظیم تعاون اسلامی کا ساتواں سربراہی اجلاس ایک بار پھر مراکش کے شہر کاسابلانکا میں 13-15، دسمبر 1994ء کو منعقد ہوا۔

1997ء میں تنظیم اسلامی کانفرنس کا پہلا غیر معمولی اجلاس پاکستان کے شہر اسلام آباد میں 23-24، مارچ کو اس کی گولڈن جبلی تقریبات کے موقع پر ہوا۔ تنظیم کا آٹھواں اجلاس 9-11، دسمبر 1997ء ایران کے دارالحکومت تہران میں ہوا۔ اس کانفرنس میں 55 مسلم ملکوں کے وفود نے شرکت کی۔ نواں سربراہی اجلاس خلیجی ملک قطر کے دارالحکومت دوحہ میں 12-13، نومبر 2000ء کو ہوا۔ قطر کے دارالحکومت دوحہ میں بھی تنظیم کا دوسرا غیر معمولی سربراہی اجلاس 4-5، مارچ 2003ء کو ہوا۔ دسواں سربراہی اجلاس 16-17، اکتوبر 2003 کو ملائیشیا کے دارالحکومت پتراجایا میں ہوا۔ 7-8، دسمبر 2005ء کو تنظیم اسلامی کانفرنس کا تیسرا غیر معمولی سربراہی اجلاس سعودی عرب کے شہر مکہ میں منعقد ہوا۔ تنظیم کا گیارہواں سربراہی اجلاس 13-14، مارچ 2008 کو سینی گال کے شہر داکار میں منعقد ہوا۔ اس کے

بعد تنظیم کا چوتھا غیر معمولی اجلاس 14-15ء اگست 2012 کو سعودی عرب کے شہر مکہ میں ہوا۔ تنظیم کا بارہواں سربراہی اجلاس 6-7ء فروری 2013 کو مصر کے دارالحکومت قاہرہ میں منعقد ہوا جس میں 56 مسلم ملکوں کے وفود نے شرکت کی تھی۔

تنظیم کا پانچواں غیر معمولی اجلاس 6-7 مارچ 2016ء انڈونیشیا کے شہر جکارتا میں منعقد ہوا۔ تیرہواں سربراہی اجلاس 14-15 اپریل 2016ء کو ترکی کے شہر استنبول میں ہوا۔ چھٹا غیر معمولی اجلاس 13 دسمبر 2017 کو شہر استنبول ترکی میں ہوا اور ساتواں غیر معمولی اجلاس بھی استنبول میں 18 مئی 2018ء کو ہوا۔ چودھواں سربراہی اجلاس 31 مئی 2019ء سعودی عرب کے شہر مکہ میں منعقد ہوا۔ آٹھواں غیر معمولی اجلاس 19 دسمبر 2021ء کو پاکستان کے شہر اسلام آباد میں ہوا۔ وزرائے خارجہ کونسل کا اجلاس ابھی حال میں پاکستان کے شہر اسلام آباد میں 22 مارچ 2022 کو منعقد ہوا۔

تنظیم تعاون اسلامی کی سربراہ کانفرنسیں ہی اس کا سب سے اہم پالیسی ساز ادارہ ہیں، ان کانفرنسوں میں مسلم دنیا کے سیاسی رہنما تنظیم کی اندرونی صورت حال اور بیرونی دنیا کی سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے لیتے ہیں۔ تنظیم تعاون اسلامی کے سربراہ اجلاس کے موقع پر ہی بالعموم اس کے چیرمین کا بھی انتخاب عمل میں آتا ہے جو اس ملک کا سربراہ حکومت ہوتا ہے جہاں کہ اجلاس ہوتا ہے۔ یہ انتخاب عام طور پر تین برس کے لیے ہوتا ہے۔ تنظیم تعاون اسلامی میں دوسرے درجے کی یا دوسری سطح کی پالیسی سازی کا کام رکن ممالک کے وزراء خارجہ کی سالانہ میٹنگوں میں ہوتا ہے ان میٹنگوں میں تنظیم کے رکن ممالک کے وزراء خارجہ بین الاقوامی سیاسی سرگرمیوں اور مسلم دنیا پر ان کے اثرات کو مسلم ممالک کے سیاسی اور اقتصادی مفاد کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب تک ان میٹنگوں میں عام طور پر مسئلہ فلسطین، سویت یونین کی افغانستان میں مداخلت، اس کے بعد کے افغانستان کے حالات، ایران-عراق جنگ، خلیجی جنگ، موجودہ عراق کے حالات، دیگر ملکوں میں مسلم اقلیتوں کے مسائل اور جنوبی و شمالی افریقہ کے حالات زیر بحث آتے رہے ہیں، ان مسائل کے حوالے سے مسلم ملکوں کے وزراء خارجہ اپنی میٹنگوں میں کسی معقول حل تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تنظیم تعاون اسلامی کا تیسرا بڑا اور اہم ادارہ اس کا وہ تنظیمی ڈھانچہ ہے جو جدہ میں واقع تنظیم کے سکریٹریٹ، تنظیم کی مختلف ایجنسیوں اور متعدد ملکوں میں پھیلے اس کے مراکز پر مشتمل ہے۔ سکریٹریٹ کا سربراہ سکریٹری جنرل ہوتا ہے، اس کا انتخاب پانچ برس کے لیے رکن ملک کے وزراء خارجہ کے اجلاس میں ہوتا ہے۔ تنظیم کا سکریٹری جنرل پیشہ ور ڈپلومیٹ (سفارت کار) ہوتا ہے۔ اس کی مدد کے لیے چار معاون سکریٹری ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ سکریٹریٹ کا پورا عملہ بنیادی طور پر اس کی معاونت کے لیے ہوتا ہے۔ سکریٹری جنرل کا انتخاب دوسری میقات کے لیے بھی ہو سکتا ہے لیکن دوبار سے زیادہ کوئی اس عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا۔

15.2.1 تنظیم تعاون اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ

تنظیم تعاون اسلامی کا دائرہ کار پوری مسلم دنیا کے سماجی، سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی امور و معاملات تک وسیع ہے۔ یہ تنظیم مسلم دنیا کے اتحاد و یکجہتی کے علاوہ مختلف معاملات میں خواہ ان کا تعلق سماج و سیاست سے ہو، مذہب و ثقافت سے ہو یا اقتصادی امور سے ہو، میں بھی مسلم دنیا کے متحدہ فورم کی حیثیت سے مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے، گو اس تنظیم کے قیام کو ابھی نصف صدی بھی پوری نہیں ہوئی اس

کے باوجود چونکہ اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہے، اس لیے اس مختصر عرصے میں ہی اس نے ایک کثیر المقاصد تنظیم کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور اس تنظیم کے انتظامی امور کو منظم کرنے کے لیے ایک بھرپور تنظیمی ڈھانچہ وجود میں آ چکا ہے۔

15.2.2 رکنیت

تنظیم تعاون اسلامی کے رکن ملکوں کی تعداد 57 ہے۔ ان میں سے 56 (ایک فلسطین کو چھوڑ کر) ملک ایسے ہیں جو اقوام متحدہ کے بھی رکن ہیں۔ کئی ملک ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی خاطر خواہ تعداد اقلیت کے طور پر موجود ہے، ان ملکوں کو تنظیم میں مشاہد کا درجہ دیا گیا ہے مثلاً روس اور تھائی لینڈ وغیرہ۔ اسی طرح کئی عالمی تنظیموں مثلاً اقوام متحدہ، افریقی اتحاد کی تنظیم اور عرب لیگ کو بھی تنظیم میں مشاہد کا درجہ حاصل ہے۔ بہت سی ان غیر سرکاری تنظیموں کو بھی تنظیم تعاون اسلامی میں مشاہد کا درجہ حاصل ہے جو مسلم پس منظر کی حامل ہیں، مثلاً رابطہ عالم اسلامی، اسلامک کال سوسائیٹی (لیبیا) ورلڈ مسلم کانگریس اور ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ وغیرہ۔

15.2.3 ڈھانچہ

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا تنظیم تعاون اسلامی کی اعلیٰ سطحی پالیسیاں عام طور پر اس کے سربراہ اجلاس کے دوران رکن ملکوں کے سربراہان یا ان کے نمائندے مرتب کرتے ہیں۔ اب تک تنظیم کے 12 باضابطہ سربراہ اجلاس اور چار غیر معمولی اجلاس ہو چکے ہیں۔ ان اجلاسوں کے دوران مسلم سربراہان حکومت و مملکت مسلم دنیا کے حالات و مسائل کا جائزہ لینے کے ساتھ بین الاقوامی سیاسی و دیگر سرگرمیوں کا بھی جائزہ لیتے رہے ہیں۔ تنظیم تعاون اسلامی میں دوسری سطح کی پالیسیاں، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا، رکن ملکوں کے وزراء خارجہ کے سالانہ جلسوں (میٹنگوں) میں طے کی جاتی ہیں۔ وزراء خارجہ کے ہر اجلاس میں مسلم دنیا کے حالات کا عمومی سطح پر جائزہ لیا جاتا ہے، البتہ وزراء خارجہ کے اجلاس کی اصل توجہ کا مرکز بین الاقوامی سیاست، معیشت، معاشرت اور ثقافت سے متعلق امور و معاملات ہوتے ہیں۔

تنظیم تعاون اسلامی میں تین مستقل اعلیٰ سطحی کمیٹیاں ہیں۔

1. اطلاعات و ثقافت سے متعلق کمیٹی۔
2. سائنسی اور تکنیکی تعاون سے متعلق کمیٹی۔
3. اقتصادی اور تجارتی تعاون سے متعلق کمیٹی۔

ان کمیٹیوں کا بنیادی کام ان تجاویز اور قراردادوں کے عملی نفاذ پر نظر رکھنا ہوتا ہے جنہیں تنظیم تعاون اسلامی اپنے مختلف اجلاس میں منظور کرتا ہے۔ ان کمیٹیوں کے ذمہ ان امکانات کا جائزہ لینا اور مطالعہ کرنا بھی ہوتا ہے جو مسلم ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات کو استوار کرنے اور مضبوطی فراہم کرنے میں معاون ہو سکتے ہوں۔ اسی طرح مختلف میدانوں کے ماہرین پر مشتمل یہ کمیٹیاں ایسے منصوبے اور تجاویز بھی پیش کرتی ہیں جو رکن ملکوں میں پائی جانے والی مختلف صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکیں اور انہیں ترقی دے سکیں۔ تنظیم تعاون اسلامی کے سربراہ اجلاسوں میں یا وزراء خارجہ کی سالانہ و دیگر میٹنگوں میں جو ایجنڈا ہوتا ہے، اس کی منظوری کے حصول سے قبل یہ کمیٹیاں اپنی اپنی سطح پر اور اپنے اپنے دائرکار میں باریک بینی سے مطالعہ کرتی اور جائزہ لیتی ہیں تاکہ ان میں کوئی ایسی چیز شامل نہ ہونے پائے جو تنظیم یا

اس کے رکن ممالک کے مفاد کے برعکس یا ان کو نقصان پہنچانے والی ہو۔

تنظیم تعاون اسلامی کا سکریٹریٹ سعودی عرب کے ساحلی شہر جدہ میں ہے۔ سکریٹریٹ کا سربراہ یا سب سے بڑا افسر سکریٹری جنرل ہوتا ہے۔ سکریٹری جنرل کا تعلق پیشہ ور ڈپلومیٹ (سفارت کار) طبقے سے ہوتا ہے اور اس کا انتخاب 5 برس کے لیے ہوتا ہے (پہلے چار برس کے لیے ہوتا تھا) اور رکن ملکوں کے وزراء خارجہ اپنے اجلاس میں اسے منتخب کرتے ہیں۔ پہلے سکریٹری جنرل کے انتخاب کی تجدید نہیں ہوسکتی تھی لیکن 1991ء کے داکار (سینی گال) سربراہ اجلاس میں تنظیم کے چارٹر میں ترمیم کردی گئی اور اب ترمیم شدہ چارٹر کی رو سے سکریٹری جنرل کا انتخاب دوسری میقات کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ تنظیم تعاون اسلامی کے سکریٹری میں چار معاون (مددگار) سکریٹری ہوتے ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے:

1. عمومی سکریٹری برائے سیاسی امور
2. یروشلم، فلسطین اور مسلم اقلیتوں کے امور کا سکریٹری
3. سکریٹری برائے ثقافتی وسماجی امور اور اتحاد اسلامی فنڈ
4. اقتصادی، انتظامی اور مالی امور کا سکریٹری

مالیات

کسی بھی تنظیم وجماعت کے جاری وباقی رہنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مالیات کا شعبہ بہت ہی مضبوط ہو۔ خاص طور پر بین الاقوامی سطح کی تنظیموں کو چلانے کے لیے مالیات کے شعبے کا مستحکم ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اصولی طور پر اور تنظیم تعاون اسلامی کے چارٹر کی رو سے اس تنظیم کے مالی اخراجات رکن ملکوں کے تعاون سے پورے ہوتے ہیں۔ تنظیم کے تعاون کو رکن ملکوں کی فی کس آمدنی کی بنیاد پر طے کیا جاتا ہے۔ لیکن عملاً ایسا ہوتا رہا ہے کہ تنظیم کے رکن متعدد ممالک اپنے اوپر عائد (لازم) ہونے والا مالی تعاون ادا نہیں کرپاتے / یا نہیں کرتے جس کی وجہ سے تنظیم کو کئی بار مالی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ 1986ء میں تنظیم تعاون اسلامی کے اس وقت کے سکریٹری جنرل نے تنظیم کی مالیات کو لے کر ایک رپورٹ تیار کی تھی۔ اس رپورٹ کے ذریعہ 1987ء کے سربراہ اجلاس کو اس بات پر متنبہ کیا گیا تھا کہ رکن ملکوں کی جانب سے بروقت مالی تعاون نہ حاصل ہونے کی وجہ سے تنظیم کو مستقل طور پر مالی پریشانیاں درپیش رہتی ہیں۔ اور اگر تنظیم کے رکن ممالک اپنے اوپر عائد ہونے والا مالی تعاون ادا نہیں کرتے تو وہ اور ان کا پورا عملہ تنظیم کے دفاتر کو بند کرنے اور اپنی سابقہ ذمہ داریوں پر واپس جانے کے لیے تیار ہے۔ البتہ اس وقت سعودی عرب نے مالی تعاون کی یقین دہانی کرا کے معاملہ رفع دفع کرا دیا تھا۔ سعودی عرب پہلے بھی تنظیم تعاون اسلامی کی برے وقتوں میں مالی مدد کرتا رہا ہے اور آئندہ بھی توقع یہی ہے کہ تنظیم کو اس کا اضافی مالی تعاون حاصل ہوتا رہے گا۔ واضح رہے کہ سعودی عرب نے جدہ میں تنظیم کے سکریٹریٹ کے عملے کی رہائشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے اپنا ایک سابق رہائشی محل بھی اسے دے رکھا ہے۔

15.2.4 ذیلی تنظیمیں اور ادارے

تنظیم تعاون اسلامی نے اپنے قیام کے بعد سے متعدد ذیلی تنظیمیں اور ادارے قائم کیے ہیں۔ تنظیم کچھ دیگر اداروں اور تنظیموں کے قیام کی مزید خواہاں بھی ہے۔ ان اداروں میں کچھ ایسے ہیں جو اپنے میدانوں میں کافی موئثر رول ادا کر رہے ہیں۔ اس کی مثال کے لیے اسلامی ترقیاتی بینک (IDB) جدہ کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ کچھ ادارے یا تنظیمیں ایسی بھی ہیں جو وقتی طور پر قائم تو ہو گئیں لیکن عملاً زیادہ موئثر نہیں ہیں۔ چونکہ اکثر تنظیم تعاون اسلامی کو مالی دشواریاں پیش آتی رہتی ہیں اس لیے بھی بہت سی ضروری تنظیمیں اور ادارے قائم نہیں ہو پا رہے ہیں، خاص طور پر عالمی عدالت انصاف۔ البتہ اس کا خوش آئند پہلو یہ ہے کہ جو تنظیمیں اور ادارے اس کے تحت پہلے سے قائم ہو چکے ہیں وہ آئندہ بھی کام کرتے رہیں گے اور انہیں بند نہیں کیا جائے گا۔

القدس کمیٹی

1975ء میں تنظیم تعاون اسلامی کی ایک مخصوص کمیٹی القدس قائم ہوئی۔ اس کا صدر دفتر مراکش میں ہے۔ کمیٹی میں شامل چودہ ارکان سال میں دوبار مراکش کے شاہ کی صدارت میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی یروشلم کی آزادی کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کا خاص کام دنیا کی توجہ مسلمانوں (فلسطینی) کے ان حقوق کی طرف مبذول کرانا ہے جنہیں اسرائیل نے غصب کر رکھا ہے۔ یا اسی طرح اقوام متحدہ کی ان قراردادوں کی طرف توجہ دلانا ہے جو اسرائیل کے دفاع میں پیش کی گئی ہیں۔ 1976ء میں اسی کمیٹی سے ملحق القدس فنڈ کو قائم کیا گیا، جس کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کو یہودی ملک بنانے کی جو کوشش اسرائیل کی جانب سے ہو رہی ہے، ان کے خلاف جدوجہد کی جائے یا اس مقصد کے لیے ہونے والی دوسری کوششوں کی حمایت کی جائے۔ اس کی آمدنی کا ذریعہ رضاکارانہ طور پر حاصل ہونے والے عطیات ہیں۔

اسلامی اتحاد فنڈ

تنظیم تعاون اسلامی کا ایک اہم ادارہ اسلامی اتحاد فنڈ ہے۔ اس کا قیام 1974ء میں عمل میں آیا تھا اور اس کا مقصد، اسلامی مقاصد، اقدار اور ثقافت کے فروغ کے لیے کام کرنے والے اداروں اور جامعات (یونیورسٹیوں) کو فنڈ فراہم کرنا تھا، اس فنڈ کا استعمال اس کے علاوہ بھی کئی امدادی اور خیراتی سرگرمیوں کے لیے ہوتا ہے۔

S ESRIC: (Statistical, Economic and Social Research and Training Centre for Islamic Countries, Ankara, Turkey)

(شماریاتی، اقتصادی اور سماجی تحقیقی و تربیتی مرکز برائے اسلامی ممالک)

SESRIC تنظیم تعاون اسلامی کا ایک موئثر اور سرگرم ذیلی ادارہ ہے۔ اس ادارے کو 1977ء میں انقرہ میں قائم کیا گیا۔ یہ مسلم دنیا اور بقیہ دنیا کے اعداد و شمار حاصل کرنے کے بعد ان کی روشنی میں مسلم دنیا کے لیے اقتصادی پالیسیاں بناتا ہے۔ یہ ادارہ ایک علمی رسالہ "جرنل آف ایکونامک کوآپریشن امنگ اسلامک کنٹریز" کے نام سے شائع کرتا ہے۔

☆ اسلامی مرکز برائے پیشہ ورانہ تکنیکی تربیت و تحقیق: اس ادارے کا قیام 1977ء میں ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام کا خاص مقصد مسلم ملکوں میں افرادی قوت کو پیشہ وارانہ تربیت دے کر ترقی دینا ہے۔

☆ اسلامی مرکز برائے تجارتی ترقی و فروغ: یہ ادارہ 1983ء میں مراکش کے شہر کاسابلانکا میں قائم ہے اور اس کا خاص مقصد تنظیم تعاون اسلامی کے رکن ملکوں کے درمیان تجارتی تعلقات اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

☆ اسلامی ترقیاتی بینک: تنظیم تعاون اسلامی کے فریم ورک میں جو ادارے وجود میں آئے ان میں سب سے اہم ادارہ جدہ کا اسلامی ترقیاتی بینک ہے۔ اس کا قیام بھی 1974ء میں عمل میں آیا۔ یہ بینک مسلمانوں کی اقتصادی اور سماجی ترقی کے لیے مسلم ملکوں، اور دیگر مسلم علاقوں میں بھی کام کرتا ہے۔ تیسری دنیا کے ملکوں کو جو ایجنسیاں امداد و تعاون فراہم کرتی ہیں اسلامی ترقیاتی بینک ان میں سے زیادہ تیز رفتاری سے ترقی کر رہا ہے۔

☆ انٹر نیشنل اسلامک نیوز ایجنسی اور اسلامک اسٹیٹس براڈ کاسٹنگ آرگنائزیشن: ذرائع ابلاغ سے متعلق ان دونوں اداروں کو زیادہ شہرت تو نہیں مل سکی لیکن تنظیم تعاون اسلامی کے یہ دونوں ادارے ایسے ہیں کہ ان پر توجہ دی جائے۔ انٹر نیشنل اسلامک نیوز ایجنسی 1979ء میں جدہ میں وجود میں آئی۔ یہ ایجنسی روزانہ عربی، انگریزی اور فرانسیسی (تنظیم تعاون اسلامی کی دفتری زبانیں) زبانوں میں اپنے نیوز بلیٹن جاری کرتی ہے۔ اسلامک اسٹیٹس براڈ کاسٹنگ آرگنائزیشن کا قیام 1975 میں عمل میں آیا۔ تنظیم کا یہ ادارہ مسلم دنیا کے لیے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اسلامی پروگرام تیار کرتا ہے۔ مختلف مسلم ملکوں میں بنائے گئے اسلامی ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگراموں پر مشتمل اس کے پاس ایک قیمتی کیسٹ لائبریری ہے۔ ان پروگراموں کی نقلیں تنظیم کے رکن ملکوں کو فراہم کی جاتی ہیں یا وہ خود حاصل کرتے ہیں۔

اسسکو (ISESCO): تنظیم تعاون اسلامی ڈھانچے کا ایک اہم ادارہ ہے۔ یہ 1982ء میں مراکش کے دارالحکومت رباط میں قائم ہوا اور اس کا مقصد اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسکو (Unesco) کے طرز پر مسلم ملکوں کے درمیان تعلیم، سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں تعاون کو فروغ دینا ہے۔ (اسی یونٹ میں اسسکو پر الگ سے ایک مضمون شامل ہے)

تنظیم تعاون اسلامی کی سرگرمیاں:

تنظیم تعاون اسلامی کی تاریخ جس نے ابھی نصف صدی بھی نہیں مکمل کی ہے اس دوران اس کی قراردادوں کا ایک سرسری مطالعہ بھی یہ بات بہت واضح طور پر سامنے لاتا ہے کہ اس مختصر سی مدت میں تنظیم تعاون اسلامی نے مسلم دنیا بالخصوص مسلم ممالک کو درپیش مسائل کو بین الاقوامی سطح پر اٹھانے والے ایک فطری فورم کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اس دوران مسلمانوں کو جو مسائل بھی درپیش آئے ہیں ان کے سلسلے میں تنظیم تعاون اسلامی نے بین الاقوامی رائے عامہ ہموار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے اور اس میں اسے کامیابی بھی ملی ہے۔ البتہ تنظیم کے سربراہ اور وزراء خارجہ کے اجتماعات میں کچھ مخصوص مسائل ہی تسلسل کے ساتھ اٹھائے جاتے رہے ہیں جس کا سبب تنظیم کا ایک خاص پس منظر ہے، جس میں وہ قائم ہوئی۔ سیاسی سطح پر تنظیم تعاون اسلامی نے اب تک سب سے زیادہ قراردادیں فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کی مخالفت میں منظور کی ہیں۔ اس کا اصرار ہے کہ فلسطینیوں کے حقوق کو تسلیم کیا جائے اور تنظیم آزادی فلسطین کو (پی

ایل او) ان کا مکمل نمائندہ مانا جائے۔ اس کا یہ بھی مطالبہ ہے کہ یروشلم کو عربوں کے اقتدار میں دے دیا جائے۔

تنظیم تعاون اسلامی اپنے قیام کے بعد سے ہی اس کوشش میں بھی رہی ہے کہ فلسطینی علاقوں میں جاری تصادم کا خاتمہ ہو جائے، اسی غرض سے تنظیم نے 1981ء میں اسلامک پیس کمیٹی کے نام سے ایک کمیٹی بھی تشکیل دی ہے جس کی صدارت ابتدا میں سکریٹری جنرل اور بعد میں لیبیا کے صدر کے ہاتھ میں رہی۔ البتہ یہ کمیٹی اپنے مقصد میں اب تک ناکام ہی ہے جس کا بنیادی سبب اسرائیل کا ہٹ دھرمی والا رویہ ہے۔ افغانستان پر سوویت یونین نے جب 1979ء میں قبضہ کیا تو اس کے خلاف عالمی رائے عامہ ہموار کرنے میں تنظیم تعاون اسلامی نے بہت ہی موثر کردار ادا کیا یہاں تک کہ اس مسئلہ پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں منظوری کے لیے جو بھی قراردادیں پیش کی گئیں، ان کی سالانہ تیاری کا کام تنظیم کی افغانستان کمیٹی کے ذریعہ ہی انجام دیا جاتا رہا۔ مسلم دنیا سے متعلق دیگر مسائل میں بھی تنظیم تعاون اسلامی مستقل طور پر دلچسپی لیتی رہی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صومالیہ میں خانہ جنگی کو ختم کرانے کے لیے تنظیم کے جنرل سکریٹری نے اپنی مصالحت کارانہ خدمات پیش کیں۔ 1992ء میں جب ایودھیا کی چار سو سال سے بھی زیادہ قدیم بابری مسجد کو ہندو جنونیوں نے شہید کر دیا اور اس کے بعد بھڑک اٹھنے والے فرقہ وارانہ فسادات میں جب حکومت ہند یہاں کے مسلمان باشندوں کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہی تو تنظیم کی اس مذمت کا حکومت ہند پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا لیکن ہندوستانی مسلمانوں کو کچھ ڈھارس یوں بندھی کہ کم از کم عالم اسلام زبانی طور پر ان کے غم میں شریک ضرور ہے۔ بوسنیا پر سربوں کے مظالم کے خلاف تنظیم تعاون اسلامی نے سخت نوٹس لیا اور اس کی کوشش کے نتیجے میں پوری مسلم دنیا میں بوسنیائی مسلمانوں کی حمایت میں احتجاجات ہوئے۔ ملائیشیا، پاکستان اور ایران نے اس مسئلے پر خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور ان کی کوششوں کے نتیجے ہی میں تنظیم نے بوسنیائی مسلمانوں کے تحفظ کے لیے انہیں فوجی امداد دینے کی بات بھی کہی۔ البتہ اس میں اسے ناکامی ہوئی، وجہ تنظیم اسلامی کانفرنس کا وہ ڈھیلا ڈھالا اسٹرکچر ہے جس کے تحت وہ کسی بھی دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتی۔

ثقافتی میدان میں تنظیم تعاون اسلامی کی سرگرمیاں آغاز ہی سے حوصلہ افزا رہی ہیں۔ تنظیم نے اپنے قیام کے کچھ ہی دنوں بعد سے مسلمانوں کے مختلف خطوں میں تعلیم کے فروغ میں دلچسپی لینی شروع کی۔ تنظیم نے اسلامی اتحاد فنڈ کے توسط سے ملائیشیا، نائیجریا، یوگنڈا، بنگلہ دیش اور پاکستان میں اسلامی جامعات کے قیام میں تعاون کیا ہے۔ اسلام سے متعلق مختلف موضوعات پر مطبوعات کی فراہمی کے لیے تنظیم نے مسلم دنیا اور مغرب دونوں جگہوں پر گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ دنیا کے وہ مسلم معاشرے جو کسی ملک سے جنگ یا خانہ جنگی سے دوچار ہوئے یا پھر مختلف قسم کی آفات ارضی و سماوی کا شکار ہوتے رہے ہیں ان کی مدد کبھی کبھی تنظیم تعاون اسلامی نے براہ راست خود کی ہے اور بیشتر اوقات اقوام متحدہ کے تعاون سے، خصوصیت کے ساتھ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پناہ گزیناں کے توسط سے مالی امداد کرتی رہی ہے۔ البتہ تنظیم تعاون اسلامی کے مالی تعاون کا زیادہ تر حصہ افریقہ کے ساحلی علاقوں تک محدود رہا ہے۔ بہت کم مواقع پر دیگر علاقوں میں مالی معاونت کا کام کیا گیا ہے۔

تنظیم تعاون اسلامی نے اپنی مختصر مدت کارکردگی کے باوجود دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم اقلیتوں کا بھی خیال رکھا ہے اور اکثر و بیشتر ان کی حمایت میں بھی آواز اٹھاتی رہی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ دنیا کی ان مسلم اقلیتوں کی حمایت میں جو اکثریت کے مظالم کا شکار ہوتی

رہی ہیں یا جنھیں مستقل طور پر دبایا اور کچلا جاتا رہا ہے۔ تنظیم بلغاریہ، فلپائن اور ہندوستان کی مسلم اقلیتوں کے حقوق کی پامالی کو لے کر مستقل طور پر فکر مند رہی ہے اور جہاں تک ہو سکا ہے ان کی حمایت میں ان ممالک پر دباؤ ڈالنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ تنظیم نے چین میں وہاں کی کمیونسٹ حکومت کے ذریعہ مشرقی ترکستان کے مسلمانوں پر مظالم کو رکوانے میں اپنے اثرات کو مؤثر طور پر استعمال کیا ہے اور اس میں اسے کچھ کامیابیاں بھی ملی ہیں۔

سرگرمیوں کا ایک بہت ہی وسیع دائرہ رکھنے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں محسوس کی جانی چاہیے کہ تنظیم اسلامی کانفرنس کا رول اب تک سیاسی نوعیت کا ہی رہا ہے اور اس کی قریب ترین نظیر سابقہ برطانوی کالونیوں کے اتحاد کامن ویلتھ میں ملتی ہے، جسے دنیا کا کمزور ترین سیاسی اتحاد کہا جاتا ہے۔ تنظیم تعاون اسلامی کے رکن ممالک کے مفادات کی گوناگونی اور سرد جنگ کے دوران کمیونسٹ اور سرمایہ دار بلاکوں میں ان کی تقسیم نے اس اتحاد کو مضبوطی نہیں بخشی ہے جس کی ضرورت متقاضی تھی، اس پر اس طرح کے الزامات عائد کیے جاتے ہیں کہ یہ سعودی عرب کی خارجہ پالیسی کا پروپیگنڈا کرنے والی ایک تنظیم ہے یا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں مسلم ممالک یکجا ہو کر صرف باتیں بناتے ہیں۔

تنظیم تعاون اسلامی کی سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے یہ بات بہت واضح طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ سیاست کی بہ نسبت اس کی خدمات ثقافت کے میدان میں زیادہ نمایاں رہی ہیں کیونکہ سیاسی معاملات کو لے کر کئی بار مسلم ملکوں کے درمیان اختلافات کھل کر سامنے آئے ہیں تاہم یہ کہا جائے گا کہ تنظیم تعاون مسلم دنیا کا وہ پہلا اور واحد متحدہ پلیٹ فارم ہے جہاں اس کے رہنما اور قائدین نہ صرف اکٹھا ہوتے ہیں بلکہ باہمی مسائل پر گفتگو بھی کرتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے جو تنظیم تعاون اسلامی نے اپنے وجود کی مختصر سی مدت میں انجام دیا ہے۔

15.3 ایسسکو (ISESCO)

15.3.1 پس منظر اور قیام

عالمی سطح پر مسلمانوں میں بے داری آئے، ان کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا ہو اور اس کے نتیجے میں مسلمان بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں دنیا کی دیگر اقوام کا مقابلہ کر سکیں، یہ خواب اور خواہشیں انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے ہی متعدد مسلم رہنماؤں اور دانش وروں کی رہی ہے۔ البتہ مسلم دنیا کا زوال اس طرح کا تھا اور استعماری طاقتوں نے انہیں اس بری طرح تقسیم کر دیا تھا کہ خواہش اور کوشش کے باوجود ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کے اتحاد و تعاون کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ بیسویں صدی عیسوی میں 1960ء کی دہائی اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس دہائی میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ پہلے 1962ء میں مکہ میں رابطہ عالم اسلامی کے قیام نے مذہبی علماء اور دانش وروں کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کیا اور بعد ازاں دہائی کے آخر یعنی 1969ء میں تنظیم اسلامی کانفرنس (اب تنظیم تعاون اسلامی) کے قیام نے مسلم دنیا کے درمیان سیاست، معیشت، تعلیم اور ثقافت

وغیرہ میدانوں میں تعاون کی راہیں ہموار کیں۔ حالانکہ تنظیم تعاون اسلامی کے قیام سے لے کر اس کا کردار بنیادی طور پر سیاسی رہا ہے۔ اس کے اجلاسوں کی روداد اور کارکردگی کے مطالعے سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی تقریباً پانچ دہائیوں کے دوران زیادہ تر سیاست ہی اس پر چھائی رہی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ تنظیم کا قیام مسئلہ فلسطین کے تناظر میں عمل میں آیا جو بنیادی طور پر ایک سیاسی مسئلہ ہے اور اس کے بعد میں تنظیم کے رکن ممالک یکے بعد دیگرے مختلف سیاسی مسائل میں الجھتے یا الجھائے جاتے رہے ہیں۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ تنظیم تعاون اسلامی نے سیاست کے علاوہ کسی دوسرے میدان میں کام نہ کیا ہو۔ تنظیم تعاون اسلامی کے متعلق مضمون میں ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ تنظیم تعاون اسلامی نے سیاسی امور و مسائل کے علاوہ مسلم دنیا کی تعمیر و ترقی میں معاون بعض دیگر اہم امور پر بھی توجہ دی ہے اور ایسے متعدد ذیلی ادارے اور تنظیمیں قائم کی ہیں جن کے توسط سے مسلم ملکوں کے درمیان آپسی لین دین اور تعاون کو فروغ دیا جاسکے۔ ایسسکو یعنی اسلامی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم، ایک ایسی ہی تنظیم ہے جسے تنظیم تعاون اسلامی نے قائم کیا ہے اور جو تنظیم کے رکن ملکوں کے درمیان تعلیمی و ثقافتی میدانوں میں باہمی تعاون کو فروغ دینے میں مصروف ہے۔

ایسسکو (ISESCO) تنظیم تعاون اسلامی کے تنظیمی ڈھانچے کے اندر اس کی سرپرستی میں قائم ہونے والا ایک اہم ادارہ ہے۔ مسلم دنیا میں اور خاص طور پر تنظیم تعاون اسلامی کے رکن ملکوں کے درمیان تعلیم، سائنس اور ثقافت جیسے اہم شعبوں میں باہمی تعاون کو فروغ حاصل ہو، یہ خواہش تنظیم تعاون اسلامی کے قیام کے وقت سے ہی اس کی قیادت اور رہنماؤں کے ذہن میں موجود تھی جس کا اندازہ اس کے چارٹر کے مطالعے سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ جب جب اور جیسے جیسے حالات و ضروریات نے مواقع فراہم کیے تنظیم تعاون اسلامی کے زیر سایہ ذیلی تنظیمیں اور ادارے قائم ہوتے چلے گئے۔ البتہ تعلیم، سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں مسلم دنیا کے درمیان تعاون کو فروغ ملے، اس خواہش کے پورا ہونے کا وقت 1978ء میں اس وقت شروع ہوا جب تنظیم تعاون اسلامی کے رکن ملکوں کے وزراء خارجہ نے اپنے نویں سالانہ اجلاس میں کنگ عبدالعزیز یونیورسٹی کے تعاون سے مکہ مکرمہ میں ہونے والی ایک تعلیمی کانفرنس کی سفارشات کا نوٹس لیتے ہوئے سینی گال کے شہر داکار میں ایک بین الاقوامی تنظیم برائے تعلیم، سائنس اور ثقافت کے قیام کے امکان کا جائزہ لینے کے لیے ایک قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد میں کہا گیا تھا کہ تنظیم کا سکریٹریٹ اس کی کاپیاں (نقلیں) تمام رکن ممالک کے متعلقہ شعبہ جات کو بھیج دے تاکہ وزراء خارجہ کے آئندہ اجلاس میں پوری تیاری کے ساتھ بین الاقوامی تنظیم برائے تعلیم، سائنس اور ثقافت کے قیام کے امکانات پر غور کیا جاسکے۔ اس کے بعد تنظیم کے وزراء خارجہ کے دو مسلسل اجلاسوں مراکش (1979) اور پاکستان (1980) میں اس پر غور وخوض ہوتا رہا اور بالآخر تنظیم تعاون اسلامی کے تیسرے سربراہ اجلاس میں ایسسکو (اسلامی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم) کے قیام کا حتمی فیصلہ ہوا۔ یہ اجلاس 25-28 جنوری 1981ء سعودی عرب کے شہر مکہ میں ہوا تھا۔

3-5 مئی 1982ء کو ایسسکو کا تاسیسی اجلاس مراکش کے ثقافتی دارالحکومت فاس میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پوری مسلم دنیا سے ماہرین تعلیم، سائنس و ثقافت اور دانش وروں نے شرکت کی اور پروفیسر عبدالہادی بوطالب کو ایسسکو کا پہلا اور بانی ڈائرکٹر جنرل منتخب کیا گیا۔ اسی اجلاس میں تنظیم کا منشور بھی بنا اور اس کے مقاصد اور ان کے حصول کے لیے طریقہ کار بھی طے کیا گیا۔

15.3.2 ایسسکو کا منشور

ایسسکو کا منشور 1982ء میں اس کے تاسیسی اجلاس منعقدہ فاس، مراکش میں منظور ہوا، بعد میں ایسسکو کے منشور میں 1986، 1991، 1994، 1997، 2006، 2009 اور 2012 کے اجلاسوں میں بعض ترمیمات کی گئیں۔

منشور کا سرنامہ

☆ رکن ملکوں کی حکومتیں اس بات میں یقین رکھتی ہیں کہ اسلام امن ورواداری کا ایک مذہب، ایک ایسے طریقہ زندگی اور ایک ایسی روحانی، انسانی، اخلاقی، ثقافتی اور تہذیبی قوت کی نمائندگی کرتا ہے جس نے مسلم دنیا کی تشکیل اور انسانی تہذیب کے فروغ میں تعمیری رول ادا کیا ہے اور اب بھی ادا کر رہا ہے۔

☆ اسلامی حدود میں رہتے ہوئے اتحاد و یکجہتی ترقی اور خوشحالی کے حصول کے لیے رکن ملکوں کی توقعات اور مسلم امت کی خواہشات کو پورا کرتی ہے۔

☆ رکن ملکوں کو تعلیم، سائنس، ثقافت اور ذرائع ابلاغ کے میدانوں میں درپیش چیلنجوں کی پیش بندی کرتے ہوئے اور امت کی درخشاں وراثت کو نظر انداز کیے بغیر ترقی وخوش حالی کے حصول میں ان میدانوں کی اہمیت سے آگاہ رہتے ہوں۔

☆ ان قریبی رشتوں سے آگاہ رہتے ہوئے جو مسلم دنیا کے تمام لوگوں کو تہذیبی اتحاد اور مشترکہ روحانی، اخلاقی اور ثقافتی اقدار کے ذریعہ متحد کرتے ہیں اور مطالبہ کرتی ہیں کہ تہذیبی روابط کی حوصلہ افزائی کی جائے اور مشترکہ تہذیبی، ثقافتی اور علمی رشتوں کو فروغ دیا جائے۔

☆ اتحاد و یکجہتی، تعاون باہمی اور مساوات کے اصولوں کو عمل میں لاتے ہوئے تاکہ رکن ملکوں کے درمیان تعاون کو مضبوط کیا جائے اور اس طرح تمام مناسب وسائل کو استعمال کرتے ہوئے تعلیم، سائنس، ثقافت اور ذرائع ابلاغ کو ترقی دی جائے۔

ان تمام امور کو مد نظر رکھتے ہوئے ذیل کے منشور کو منظوری دیتی / پیش کرتی ہیں:

ایسسکو کے منشور کی رو سے اس کا نام (Islamic Educational, Scientific and Cultural Organization) ہے۔ اور اس کا مخفف (ISESCO) ہے۔ اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ یہ ایک مخصوص بین الاقوامی تنظیم ہے جو تنظیم تعاون اسلامی کے فریم ورک میں رہتے ہوئے کام کرتی ہے خاص طور پر تعلیم، سائنس، ثقافت اور ذرائع ابلاغ کے میدانوں میں۔ اس کے صدر دفاتر مراکش کے دارالحکومت رباط میں ہیں اور ضرورت کے مطابق یہ اپنے ذیلی دفاتر اور مراکز کسی بھی دوسرے ملک میں قائم کر سکتی ہے۔ اس تنظیم میں تین زبانوں یعنی عربی، انگریزی اور فرانسیسی میں کام ہوتا ہے۔ منشور کی دفعہ 4 کے تحت ایسسکو کے مقاصد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

15.3.3 ایسسکو کے اغراض و مقاصد

الف: تنظیم کا مقصد رکن ملکوں کے درمیان تعاون کو مضبوط کرنا، فروغ دینا اور مستحکم کرنا ہے۔ خاص طور پر تعلیم، سائنس،

ثقافت اور ذرائع ابلاغ کے میدانوں میں / مزید بر آں مسلم دنیا کی تہذیبی حوالے کے اندر رہتے ہوئے اور انسان اسلامی اقدار کی روشنی میں ان (چیزوں) میدانوں کو ترقی دینا۔

ب: رکن ممالک کے باشندوں اور ان کے علاوہ لوگوں کے درمیان بھی باہم مفاہمت کو مستحکم کرنا اور مختلف وسائل خاص طور پر تعلیم، سائنس، ثقافت اور ابلاغ کے وسائل کے ذریعہ دنیا میں سلامتی اور امن کے حصول میں تعاون دینا۔

ج: اسلام اور اسلامی ثقافت کی صحیح صورت کو عام کرنا، تہذیبوں ثقافتوں اور مذاہب کے درمیان مکالمے کو فروغ دینا، اسلام کے تہذیبی تناظر میں آزادی اور انسانی حقوق کے ساتھ امن اور انصاف کی قدروں کو فروغ دینے کے لیے کام کرنا۔

د: ثقافتی شناخت کو بچاتے اور آزادی خیال کی حفاظت کرتے ہوئے رکن ممالک کے درمیان ثقافتی اختلاف کے پہلوئوں کی حمایت اور ثقافتی روابط کی حوصلہ افزائی کرنا۔

ہ: تعلیم، سائنس، ثقافت اور ابلاغ کے میدانوں میں تنظیم تعاون اسلامی کے مخصوص اداروں کے درمیان اور ایسسکو کے رکن ممالک کے درمیان ربط و تعاون کو استوار کرنا اور یکساں مقاصد رکھنے والی کے سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے درمیان، خواہ ان کا تعلق تنظیم کے ممبر ملکوں سے ہو یا وہ تنظیم سے باہر کے ملکوں سے متعلق ہوں، تعاون اور شرکت کو فروغ دینا۔

و: نصابہائے تعلیم، سائنسی تحقیقات اور علمی مطالعات میں اسلامی ثقافت کے نشانات منزل کو شہرت دینا، اس کی خصوصیات کو نمایاں کرنا اور اس میں لوگوں کی مزید دلچسپی پیدا کرنا۔

ز: رکن ممالک کے تعلیمی نظاموں کو باہم مربوط کرنے کے لیے کام کرنا۔

ح: ایسسکو کے غیر رکن مسلم ملکوں کے تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی اداروں کی کوششوں کی حمایت کرنا۔

15.3.4 مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے وسائل

ایسسکو کے مذکورہ بالا مقاصد کو بروئے کار لانے اور انہیں زیادہ سے زیادہ کار آمد بنانے کے لیے اس کے منشور کے مطابق ذیل کے وسائل استعمال کیے جائیں گے:

1. اسلامی ثقافت کے فروغ اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لیے عربی، جو کہ قرآن مجید کی زبان ہے، کی تعلیم و تدریس کو دنیا بھر کے غیر عربی بولنے والے حلقوں میں وسعت دینے کے لیے منصوبہ سازی کرنا اور مناسب پروجیکٹوں کی مدد کرنا۔
2. تنظیم کے مقاصد کے حصول اور رکن ممالک کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے یونیورسٹیوں، تحقیقی مراکز اور خاص مہارت رکھنے والے اداروں میں چیر، ادارے اور شعبہ جات کے قیام میں مدد کرنا، ان کے لیے لائحۂ عمل اور طریقہ کار تیار کرنا اور ان کے درمیان سرگرم تعاون کی حوصلہ افزائی کرنا۔
3. وہ افراد، تنظیمیں اور جماعتیں جو اسلامی ثقافت، اس کی اساسیات اور امتیازات کی توسیع و فروغ میں مصروف ہیں ان کی سائنسی اور

تعلیمی سر گرمیوں کو ترقی دینا۔ رکن ملکوں کی تعلیمی تکنیکی اور عملی تربیت کے پروگراموں کی تیاری میں مدد کرنا۔ اور رکن ملکوں کے محققین اور موجدین کی حوصلہ افزائی کرنا۔

4. رکن ممالک میں تعلیم کی ترقی اور فروغ کے لیے درکار تحقیقی کام، مطالعات اور تربیتی پروگراموں کی حوصلہ افزائی کرنا۔
5. رکن ملکوں کے ساتھ نیز ان قومی، علاقائی اور بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں کے اشتراک سے جو تعلیم سائنس، ثقافت اور ابلاغ کے میدانوں میں کام کر رہی ہیں، کانفرنسوں، کمپوزیموں، تربیتی پروگراموں، سیمیناروں اور ورکشاپوں کا اہتمام کرنا۔
6. اسلام اور اسلامی ثقافت اور انسانی تہذیب کے تئیں ان کی خدمات کی مناسب تشہیر کے لیے میکنزم تیار کرنا۔
7. رکن ممالک میں مہارت رکھنے والے اداروں کے اشتراک و تعاون سے تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی مقابلوں کا انعقاد۔

15.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تنظیم اسلامی کانفرنس کا باضابطہ قیام مئی 1971ء میں عمل میں آیا البتہ اس کے قیام کا فیصلہ 1969ء کے رباط میں ہونے والے سربراہی اجلاس میں ہی کر لیا گیا تھا۔ اس وقت مسلم دنیا کے سیاسی حالات کے مدنظر تنظیم اسلامی کانفرنس کی حیثیت گرچہ سیاسی زیادہ تھی لیکن اس کے ابتدائی اہداف میں تنظیم کے رکن ملکوں کے درمیان اتحاد و یکجہتی کے فروغ کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔
- ایسسکو (ISESCO) تنظیم تعاون اسلامی کے تنظیمی ڈھانچے کے اندر اس کی سرپرستی میں قائم ہونے والا ایک اہم ادارہ ہے۔ مسلم دنیا میں اور خاص طور پر تنظیم تعاون اسلامی کے رکن ملکوں کے درمیان تعلیم، سائنس اور ثقافت جیسے اہم شعبوں میں باہمی تعاون کو فروغ حاصل ہو، یہ خواہش تنظیم تعاون اسلامی کے قیام کے وقت سے ہی اس کی قیادت اور رہنماؤں کے ذہن میں موجود تھی جس کا اندازہ اس کے چارٹر کے مطالعے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جب جب اور جیسے جیسے حالات و ضروریات نے مواقع فراہم کیے تنظیم تعاون اسلامی کے زیر سایہ ذیلی تنظیمیں اور ادارے قائم ہوتے چلے گئے۔

15.5 نمونہ امتحانی سوالات

15.5.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1. تنظیم تعاون اسلامی میں کتنے ملک شامل ہیں؟

(a) 57 (b) 21 (c) 25 (d) 50

2. القدس کمیٹی کا مرکزی دفتر کہاں پر ہے؟

(a). مراکش (b). دبئی (c). دوحہ (d). قرطبہ

3. اسلامی مرکز برائے پیشہ ورانہ تکنیکی تربیت و تحقیق ادارے کا قیام کہاں عمل میں آیا؟

(a). ڈھاکہ (b). دوحہ (c). ریاض (d). مسقط

4. اسلامک اسٹیٹس براڈ کاسٹنگ آرگنائزیشن کا قیام کب ہوا؟

(a). 1975ء (b). 1857ء (c). 1920ء (d). 2000ء

5. SESRIC کے ادارے کا قیام کہاں ہوا؟

(a). انقرہ (b). دوحہ (c). ڈھاکہ (d). دہلی

6. ایسسکو کا قیام کب ہوا؟

(a). 1982ء (b). 1857ء (c). 1920ء (d). 2000ء

7. ایسسکو کے پہلا ڈائیریکٹر کس کو منتخب کیا گیا؟

(a). پروفیسر عبدالہادی بو طالب (b). پروفیسر نجات اللہ (c). ڈاکٹر حمید اللہ (d). سب غلط

8. یروشلم کی آزادی کے لیے کون سی کمیٹی کام کرتی ہے؟

(a). القدس (b). اسلامی اتحاد فنڈ (c). ایسسکو (d). سب صحیح

9. تنظیم تعاون اسلامی کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a). 1971ء (b). 1857ء (c). 1920ء (d). 2000ء

10. اسلامی ترقیاتی بینک کب قائم کیا گیا؟

(a). 1974ء (b). 1857ء (c). 1920ء (d). 2000ء

15.5.2 مختصر جوابی سوالات

1. تنظیم تعاون اسلامی کے تنظیمی ڈھانچے پر روشنی ڈالیے۔
2. القدس کمیٹی پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
3. تنظیم تعاون اسلامی کی سرگرمیوں کا مختصراً جائزہ لیجیے۔
4. ایسسکو کے اغراض و مقاصد بیان کیجیے۔
5. ایسسکو کے مقاصد کی تکمیل کے وسائل پر گفتگو کیجیے۔

15.5.3 طویل جوابی سوالات

1. تنظیم تعاون اسلامی پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. تنظیم تعاون اسلامی کے ذیلی تنظیمیں اور اس کے ادارے پر نوٹ لکھیے۔
3. ایسسکو کا پس منظر اور اس کے قیام پر روشنی ڈالیے۔

15.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

---

1. متعلقہ تنظیموں اور اداروں کی ویب سائٹس